

الفاروق

سوانح عمری اور کارنامے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی

دارالاشاعت اردو بکازار کراچی
نمبر ۲۱۳۷۸

طبع اول دارالاشاعت ۱۹۹۱ء
طباعت شکیل پرنٹنگ پریس کراچی

ملنے کے پتے

دارالاشاعت اردو بازار کراچی ۱
مکتبہ دارالعلوم کورنگی کراچی ۱۲
ادارۃ المعارف کورنگی کراچی ۱۳
ادارۃ اسلامیات ۱۹ انارکلی لاہور
ادارۃ القرآن ۴۳۷ گارڈن لائٹ کراچی



صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
	صحت کے مراتب	۲۲	تمہید
	تاریخ کا طرز	۲۲	تاریخ کا عنصر ہر قوم میں موجود ہوتا ہے
	تاریخ اور انشا پر بازی کا فرق	۲۳	عرب کی خصوصیت
	یورپ کی بے اعتدالی سے امتیاز	۲۳	عرب میں تاریخ کی ابتدا
۳۶	ترتیب کے متعلق چند امور قابل لحاظ	۲۴	سیرت نبوی میں سب سے پہلی تصنیف
	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام و نسب	۲۵	قدیم تاریخیں
	سن رشد و تربیت	۲۵	قضاء کی جو تصنیفات آج موجود ہیں
۳۸	حضرت عمر کے جد امجد اور ان کو جو مرتبہ حاصل تھا	۲۵	متاخرین کا دور
۳۹	حضرت عمر کے برادر عم زاذیر	۲۸	متاخرین نے قضاء کی خصوصیتیں چھوڑ دیں
۴۰	حضرت عمر کے والد خطاب	۲۸	تاریخ کی تعریف
۴۱	حضرت عمر کی ولادت	۲۹	تاریخ کے لئے کیا چیزیں لازم ہیں؟
۴۲	سن رشد	۳۰	قدیم تاریخوں کے نقص اور اس کے اسباب
۴۳	نسب دانی کی تعلیم	۳۰	واقعات کی صحت کا معیار
۴۴	فن پہلوئی کی تعلیم	۳۱	روایت
۴۵	شہسواری کی تعلیم اور مقرر ہونا	۳۱	درایت
۴۶	لکھنے کی تعلیم	۳۲	الفاروق میں قدیم تاریخوں کی کمی کس طرح پوری کی گئی
۴۷	فکر معاش	۳۲	درایت کے اصول جن سے الفاروق میں کام لیا گیا
۴۸	تجارت کے لئے سفر	۳۳	اصول روایت سے جن امور کا پتہ لگ سکتا ہے
			اصول روایت کے موجب واقعات کی

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۶۰	واقعہ حدیبیہ سن ۶ ہجری (۶۳۸ء)	۴۵	قبول اسلام ہجرت
۶۲	حضرت عمرؓ کا اپنی بیویوں کو طلاق دینا	۴۷	حضرت عمرؓ کی ہجرت
۶۳	جنگ خیبر سن ۶ ہجری (۶۳۹ء)	۴۸	حضرت عمرؓ کے ساتھ جن لوگوں نے ہجرت کی
۶۵	غزوہ حنین	۴۹	حضرت عمرؓ نے کہاں قیام کیا؟
۶۷	قرطاس کا واقعہ	۵۰	مہاجرین اور انصار میں اخوت
		۵۱	حضرت عمرؓ کے اسلامی بھائی
		۵۲	اذان کا طریقہ حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق قائم ہوا
		۵۳	سن ۶ ہجری (۶۳۳ء) تا وفات رسول اللہ ﷺ
		۵۴	غزوہ بدر
		۵۵	قیدیوں کے معاملے میں حضرت عمرؓ کی رائے
		۵۶	غزوہ سویق
		۵۷	غزوہ ہند سن ۶ ہجری
		۵۸	حضرت عمرؓ کے واقعہ میں ثابت قدم رہنے کی بحث
		۵۹	حضرت عقیقہ کا واقعہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ
		۶۰	واقعہ بنو نضیر سن ۶ ہجری (۶۳۹ء)
		۶۱	جنگ خندق یا احزاب سن ۶ ہجری (۶۳۹ء)
		۶۲	ہجو گرو کی تخت نشینی اور امیر انجیل کی تخت

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
	تیاریاں	۹۷	فتح دمشق
	حضرت عمرؓ کا خود سپہ سالار بن کر مدینہ سے نکلتا	۹۸	سن ۶ ہجری (۶۳۵ء)
	سیدہ فاطمہؓ کی سپہ سالاری	۹۹	فتح کی ترتیب
	فتح کی ترتیب اور ایک ایک حصہ فتح کے اثر کو	۱۰۰	فتح کے جوش و ملانے کے لئے فصحاء عرب کی آتش بیانی
	حضرت عمرؓ کی ہدایتیں	۱۰۱	ابو جہل ثقیفی کا ایک پر جوش واقعہ
	تسلیم اسلام کے لئے ناموران عرب کا انتخاب	۱۰۲	ایک عورت کا اپنے بیٹوں کو اپنی پر زور تقریر سے جوش دلانا
	ہجو گرو کے ساتھ سفرائے اسلام کا سوال و جواب	۱۰۳	آخر معرکہ
	رہمی کا سفیر بن کر حرم کے پاس جانا	۱۰۴	رستم کا مارا جانا
	مضیوی کی سفارت	۱۰۵	فردوسی کی غلط بیانی کا انکسار
	قلادیہ کی جنگ اور فتح محرم		
	سن ۶ ہجری (۶۳۵ء)		
	فتح کی ترتیب		
	فتح کے جوش و ملانے کے لئے فصحاء عرب کی آتش بیانی		
	ابو جہل ثقیفی کا ایک پر جوش واقعہ		
	ایک عورت کا اپنے بیٹوں کو اپنی پر زور تقریر سے جوش دلانا		
	آخر معرکہ		
	رستم کا مارا جانا		
	فردوسی کی غلط بیانی کا انکسار		

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۱۳۱	نماز و نیوی کی فتح حضرت عمرؓ کے سفر کی سلامتی حضرت عمرؓ کا بیت المقدس میں داخلہ حضرت بلالؓ کا نماز کے وقت اذان دینا صحرہ کے ساتھ حضرت عمرؓ کا پرانا	۱۳۸	عمواس کی دیوار سن ۸ ہجری (۶۳۹ء)
۱۳۲	یرموکہ و حبہ ہجری (۶۳۶ء)	۱۳۹	عراق عجم سن ۸ ہجری (۶۳۲ء)
۱۳۳	زینوں کے ساتھ ملقات کی ایک عجیب مثال جزیرہ کے حلق نہایت تنہا و خیر واقعات ایک عیسائی قاصد کا مسلمان ہونا خالدؓ کا سفیر بن کر جانا خالدؓ کی تقریر حضرت خالدؓ کا نئے قلعہ سے سے فوج لڑانا طیہوں کا فوج کو جوش دلانا عورتوں کا لڑنا عیسائیوں کا حملہ معاذ بن جبلؓ و غیمہ کی عجیب ثابت قدمی خالدؓ اور عکرمہؓ کا حملہ مسلمان افسروں کی دلیری اور ثابت قدمی ایک عجیب واقعہ عیسائیوں کی شکست اور ان کے مقتولوں کی قداد قیصرہ قسطنطنیہ کو بھڑکانا	۱۴۰	قیصرہ کی فتح جزیرہ کے اور مقامات کی فتح تکلیف کی فتح جزیرہ کے اور مقامات کی فتح خوزستان
۱۳۴	عیسائیوں کی طرف سے حملہ تواری حضرت عمرؓ کا ہر طرف سے فوجوں کو بھیجنا حضرت عمرؓ کا خود مشق کو روانہ ہونا عیسائیوں کی شکست حضرت خالدؓ کا معزول ہونا	۱۴۱	جزیرہ سن ۸ ہجری (۶۳۷ء)
۱۳۵	حضرت خالدؓ کی معزولی کے متعلق تمام نہوڑوں کی غلطی معزولی کے اسباب معزولی کی پر اثر کیفیت حضرت عمرؓ کا یہ مشہور کرنا کہ خالدؓ کی معزولی	۱۴۲	ایران پر عام لشکر کشی سن ۸ ہجری (۶۳۲ء)

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۱۳۶	ایوان کی فتح جو لوگ لوندی غلام بنائے گئے تھے حضرت عمرؓ کے حکم سے ان کا رہا ہونا ہرمزان کی تیاریاں ہرمزان کا امان طلب کرنا ہرمزان کا شکن و شکست کے ساتھ مدینہ میں داخل ہونا اور اہل عرب کی حیرت ہرمزان کا اسلام لانا	۱۳۷	عمواس کی دیوار سن ۸ ہجری (۶۳۹ء)
۱۳۷	عراق عجم سن ۸ ہجری (۶۳۲ء)	۱۳۸	عراق عجم سن ۸ ہجری (۶۳۲ء)
۱۳۸	یہود گردگانے سہ سے مسلمانوں پر حملہ کئے لئے فوجوں کا فراہم کرنا ذیرہ لاکھ فوجوں کا فراہم کرنا حضرت عمرؓ کا اس صدمہ میں تمام صحابہ سے مشورہ کرنا حضرت عمرؓ کا حضرت علیؓ کی رائے پر عمل کرنا اور تیس ہزار فوج روانہ کرنا سفیر کا سفیر بن کر جانا جنگ کی تیاریاں شیط و استحقاق کی عجیب مثال جنگ کی شکست	۱۳۹	عراق عجم سن ۸ ہجری (۶۳۲ء)
۱۳۹	عراق عجم سن ۸ ہجری (۶۳۲ء)	۱۴۰	عراق عجم سن ۸ ہجری (۶۳۲ء)
۱۴۰	عراق عجم سن ۸ ہجری (۶۳۲ء)	۱۴۱	عراق عجم سن ۸ ہجری (۶۳۲ء)
۱۴۱	عراق عجم سن ۸ ہجری (۶۳۲ء)	۱۴۲	عراق عجم سن ۸ ہجری (۶۳۲ء)
۱۴۲	عراق عجم سن ۸ ہجری (۶۳۲ء)	۱۴۳	عراق عجم سن ۸ ہجری (۶۳۲ء)
۱۴۳	عراق عجم سن ۸ ہجری (۶۳۲ء)	۱۴۴	عراق عجم سن ۸ ہجری (۶۳۲ء)
۱۴۴	عراق عجم سن ۸ ہجری (۶۳۲ء)	۱۴۵	عراق عجم سن ۸ ہجری (۶۳۲ء)
۱۴۵	عراق عجم سن ۸ ہجری (۶۳۲ء)	۱۴۶	عراق عجم سن ۸ ہجری (۶۳۲ء)

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۱۴۰	حضرت عمرؓ کو حملہ کرنا نہیں چاہتے تھے لشکر کشی کی وجہ اصطفا کی فتح بعد ان وہ غزوہ کی فتح	۱۴۰	مصر کی فتح ۳۰ ہجری (۶۴۳ء)
۱۴۱	آذربائیجان ۳۲ ہجری (۶۴۳ء)	۱۴۱	فسطاط کا محاصرہ
۱۴۲	طبرستان ۳۲ ہجری (۶۴۳ء)	۱۴۲	حضرت زیدؓ کی جہاد بازی اور فسطاط کی فتح
۱۴۳	آرمینیا فارس ۳۳ ہجری (۶۴۳ء)	۱۴۳	عمو بن العاصؓ اور عیسائیوں کی جہاد
۱۴۴	فارس پر حملہ کرنے کا اتفاق سبب اختلاف فارس کا مفتوح ہونا	۱۴۴	اسکندریہ کی فتح ۳۴ ہجری (۶۴۴ء)
۱۴۵	کرمان ۳۳ ہجری (۶۴۳ء)	۱۴۵	قبیلوں کا مسلمانوں کو مدد دینا
۱۴۶	سیستان ۳۳ ہجری (۶۴۳ء)	۱۴۶	اسلامی فوج کا قلعہ میں گھسنا
۱۴۷	معاہدہ کی پابندی کی ایک عجیب مثال	۱۴۷	عمو بن العاصؓ کا مقید ہونا اور حکمت عملی سے بچ کر نکل آنا
۱۴۸	مکران ۳۳ ہجری (۶۴۳ء)	۱۴۸	عباد بن صامتؓ کا سپہ سالار بن کر حملہ کرنا
۱۴۹	خراسان کی فتح اور یزیدؓ کی ہزیمت ۳۳ ہجری (۶۴۳ء)	۱۴۹	قاصد کا حضرت عمرؓ کے پاس پہنچنا فتح لے کر جانا
۱۵۰	یزیدؓ کا خاقان چین سے مدد طلب کرنا	۱۵۰	حضرت عمرؓ کا ایران جنگ کو اختیار نہ کرنا جس مذہب کو چاہیں قبول کریں
۱۵۱	حضرت عمرؓ کی شہادت	۱۵۱	حضرت عمرؓ کی شہادت
۱۵۲	۶۴ ہجری ۳۳ ہجری	۱۵۲	۶۴ ہجری ۳۳ ہجری

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۱۵۰	فتوحات پر ایک اجمالی نگاہ	۱۵۰	(۶۴۳ء) (کل مدت خلافت ۳۴ برس ۶ مہینہ ۴ دن)
۱۵۱	فتوحات فاروقی کی وسعت	۱۵۱	حضرت عمرؓ کا حضرت عائشہؓ سے اجازت طلب کرنا کہ رسول اللہؐ کے پہلو میں دفن کئے جائیں
۱۵۲	فتح کے اسباب یورپین مورخین کی رائے کے موافق	۱۵۲	خلافت کے انتخاب میں حضرت عمرؓ کا تردد اور اس کا سبب
۱۵۳	یورپین مورخین کی رائے کی غلطی	۱۵۳	خلافت کے معاملے میں حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی گفتگو
۱۵۴	فتوحات کے اصلی اسباب	۱۵۴	حضرت عمرؓ کا حضرت علیؓ کو سب سے پہلے کر مستحق خلافت سمجھنا
۱۵۵	سکندریہ کی فتح اور فتوحات کا موازنہ	۱۵۵	حضرت عمرؓ کی وفات کے وقت وصیتیں
۱۵۶	فتوحات میں حضرت عمرؓ کا اختصاص	۱۵۶	نہیمہؓ سب والوں کے ساتھ ہمدردی
۱۵۷	نظام حکومت	۱۵۷	حضرت عمرؓ کے قرضہ کا بندوبست
۱۵۸	حضرت عمرؓ کی حکومت مختصر تھی یا پرموری؟	۱۵۸	*****
۱۵۹	بمبوری اور مختصر حکومت کا موازنہ	۱۵۹	فہرست مضامین
۱۶۰	عرب و فارسیوں میں بمبوری حکومت نہ تھی	۱۶۰	الفاروق حصہ دوم
۱۶۱	حضرت عمرؓ کی خلافت میں مجلس شوریٰ (کونسل)	۱۶۱	
۱۶۲	مجلس شورا کے ارکان اور اس کے انعقاد کا طریقہ	۱۶۲	
۱۶۳	مجلس شوریٰ کے جلسے	۱۶۳	
۱۶۴	ایک طور پر مجلس	۱۶۴	
۱۶۵	حکومت میں رعایا کی مداخلت	۱۶۵	
۱۶۶	خلیفہ کا عام حقوق میں سبکے ساتھ مساوی ہونا	۱۶۶	
۱۶۷	حضرت عمرؓ کا ملکی انتظامات کے لئے الگ	۱۶۷	

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۲۲۸	نرسوز کی بیماری کا ارادہ	۲۲۸	پانچاد فوج اور اللہ
۲۲۸	حضرت عتر کے عہد میں مختلف صیغوں کی	۲۲۸	فوجی صدر مقامات
۲۲۸	عمار تیں	۲۲۸	صدر مقامات میں فوج کے لئے جو انتظامات
۲۲۸	دارالامارۃ	۲۲۸	تھے ان کی تحصیل
۲۲۸	دفتر	۲۲۸	فوجی بار کیس
۲۲۹	خرابہ	۲۲۹	گھوڑوں کی پرداخت
۲۲۹	قید خانے	۲۲۹	فوج کا دفتر
۲۲۹	مسماں خانے	۲۲۹	رسد کا قلم
۲۲۹	سڑکوں کا انتظام	۲۲۹	فوجی چھان بین کا قائم کرنا اور ان کا بندوبست
۲۳۰	کمرہ معمر سے خدمت منورہ تک چوکیاں اور	۲۲۹	فوجی چھان بیناں کس اصول پر قائم تھیں
۲۳۰	سراپیں	۲۲۹	فوجی دفتر کی وسعت
۲۳۰	شہروں کا آباد کرنا	۲۳۰	بر سال ۱۰۰۰ ہزار فوج تیار ہوتی تھی
۲۳۱	بھو	۲۳۰	حضرت عتر کا فوجی انتظام کس نفاذ تک قائم
۲۳۱	کوفہ	۲۳۰	ہوا اور اس کے تھیر کے نتیجے
۲۳۱	فسطاط	۲۳۱	فوج میں بھی 'ہندی' ہندی ستانی اور یہودی
۲۳۱	فسطاط کی وسعت آبادی	۲۳۱	بھی داخل تھے
۲۳۱	میر صل	۲۳۱	تھوڑا ہوں میں ترقی
۲۳۱	جوزہ	۲۳۱	رسد کا انتظام
۲۳۱	صیغہ فوج	۲۳۱	رسد کا مستقل عہدہ
۲۳۱	قدیم سلطنتوں کے فوجی انتظامات غیر عمل	۲۳۱	خوراک پکیر اور جیتہ
۲۳۱	حضرت عتر کے فوجی انتظام کی ابتداء	۲۳۱	تھوڑا ہوں کی تقسیم کا طریقہ
۲۳۱	فوج کے رجسٹر کا مرتب ہونا	۲۳۱	تھوڑا ہوں کی ترقی
۲۳۱		۲۳۱	اختلاف موسم کے لحاظ سے فوج کی تقسیم
۲۳۱		۲۳۱	بار کے نفاذ میں فوج کا قیام
۲۳۱		۲۳۱	آب و ہوا کا لحاظ
۲۳۱		۲۳۱	کوچ کی حالت میں فوج کے آرام کا دن

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۲۴۵	تعلیم قرآن کا طریقہ	۲۴۲	رخصت کے قاعدے
۲۴۶	دشمن کی مسجد میں طلبہ کی تعداد	۲۴۲	فوج کا لباس
۲۴۶	اشاعت قرآن کے اور وسائل	۲۴۲	فوج میں خزانہ و حساب و حرم
۲۴۶	حافظوں کی تعداد	۲۴۲	فن جنگ میں ترقی
۲۴۶	صحت اعراب کی تعمیر	۲۴۲	فوج کے مختلف حصے
۲۴۶	ادب اور عہدیت کی تعلیم	۲۴۲	ہر سپاہی کو جو چیزیں ضروری تھیں پڑتی تھیں
۲۴۶	صحت کی تعلیم	۲۴۲	قلم نگار کلات
۲۴۶	فد	۲۴۵	سزینا
۲۴۸	مسائل فدی کی اشاعت کی مختلف تدبیریں	۲۴۶	خبر رسائی اور جاسوسی
۲۴۸	پہلی تدبیر	۲۴۶	پرچہ نویسوں کا انتظام
۲۴۸	دوسری تدبیر	۲۴۶	صیغہ تعلیم اور صیغہ فدی
۲۴۸	چوتھی تدبیر	۲۴۸	اشاعت اسلام کا طریقہ
۲۴۸	فدی کی تعلیم کا انتظام	۲۴۸	اشاعت اسلام کے اسباب
۲۴۸	فقیہوں کی تحویلیں	۲۴۸	حضرت عتر کے زمانے میں جو لوگ اسلام
۲۴۸	مسلمین فدی کی رفعت شان	۲۴۸	لائے
۲۴۸	ہر شخص فدی کی تعلیم کا مجاز نہ تھا	۲۴۸	حضرت عتر نے قرآن مجید کی جمع و ترتیب
۲۴۸	اماموں اور مسلمانوں کا تقرر	۲۴۸	میں جو کوشش کی
۲۴۸	حاجیوں کی قلم سلاخی	۲۴۸	قرآن مجید کی حفاظت اور صحت الفاظ
۲۴۸	سابقہ کی تعمیر	۲۴۸	اعراب کی تعمیر
۲۴۸	حرم محترم کی وسعت	۲۴۸	قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام مکاتب قرآن
۲۴۸	حرم کی تجدید	۲۴۸	بدوؤں کو جو بھی تعلیم
۲۴۸	مسجد نبوی کی مرمت اور وسعت	۲۴۸	کتابت کی تعلیم
۲۴۸	مسجد فرش اور روشنی کا انتظام	۲۴۸	قراء صحابہ کا تعلیم قرآن کیلئے دور دراز مقامات
۲۴۸	مشرق انتظامات	۲۴۸	پر بھیجا

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۲۸۸	ذمیں کے حقوق کی نسبت غیر قوموں کی غلط	۲۸۵	سن بھری کامیاب کرنا
"	ذمیں کے دھوکہ اور ان کا جواب	۲۸۶	مختلف قسم کے رہنمائی
"	ذمیں کو خاص لباس اور زینت کے استعمال کا	۲۸۷	دفتر خزانہ
۲۸۹	کیوں حکم تھا	"	بیت المال کے کفالت کا حساب
۲۹۰	سلیب اور تاقوس کی بحث	۲۸۸	مصارف جنگ کے کفالت
"	اسطبل خانی کی بحث	"	موسم شکاری کے کفالت
۲۹۱	جیسائیوں کے جلا وطن کرنے کا معاملہ	"	کفالت حساب کے لکھنے کا طریقہ
"	جزیرہ کی بحث	۲۸۸	سنگ
۲۹۵	غلامی کا رواج کم کرنا	۲۸۹	ذی رعایا کے حقوق
"	عرب کا غلام نہ ہو سکتا	"	قدیم سلطنتوں کا برتاؤ غیر قوموں کے ساتھ
"	ممالک مفتوحہ میں غلام کو گھنٹا	"	حضرت عمرؓ نے ذمیں کے ساتھ کیا برتاؤ
"	حضرت شہزادہ کا قصہ	"	کیا؟
"	شاہی خاندان کے اسیران جنگ کے ساتھ	"	بیت المقدس کا معاملہ
۲۹۸	برتاؤ	"	ذمیں کے جان و مال کو مسلمانوں کے جان و
۲۹۸	عام غلاموں کے ساتھ مراعات	۲۸۱	مال کے برابر قرار دینا
"	غلاموں کا اپنے عزیز و اقارب سے جدا نہ	۲۸۲	بند و مست مال گذاری میں ذمیں کا خیال
"	کیا جانا	"	ذمیں سے نکلی انتظامات میں مشورہ
"	غلاموں میں اہل کمال کا پید ہونا	۲۸۳	ذمیں کے ساتھ ہر قسم کی رعایت کی تاکید
۳۰۰	سیاست و تدبیر عدل و انصاف	۲۸۴	غذابی امور کی آزادی
"	عام سلاطین اور حضرت عمرؓ کے طریق	۲۸۵	مسلمانوں اور ذمیں کی ہمسری
"	سیاست میں فرق	۲۸۶	ذمیں کی عزت کا خیال
"	حضرت عمرؓ کی مشکلات	"	سازش اور بغاوت کی حالت میں ذمیں کے
۳۰۱		"	ساتھ سلوک
		۲۸۸	ذمیں پر ان رعایتوں کا کیا اثر ہوا

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۳۲۲	امامت اور اجتماع	۳۰۲	حضرت عمرؓ کی حکومت کی خصوصیتیں
"	مسائل اعتقادی میں حضرت عمرؓ کی نکتہ چینی	۳۰۵	اصول مساوات
۳۲۵	مسئلہ قضا و قدر	۳۰۶	امیر المؤمنین کا لقب کیوں اختیار کیا؟
۳۲۶	تعلیم شعائر اللہ	۳۰۷	سیاست
"	نبی کے اقوال و افعال کہاں تک منصب	۳۱۰	عمدہ داران سلطنت کا انتخاب
"	نبوت سے تعلق رکھتے ہیں	"	بے لاگ عدل و انصاف
"	حضرت عمرؓ کے نزدیک احکام شریعت کا	۳۱۱	قدیم سلطنتوں کے حالات اور انتظامات سے
۳۲۷	مصلح عقلی پر مبنی ہونا	"	واقفیت
۳۲۸	حضرت عمرؓ نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی	۳۱۲	واقفیت کے لئے پرچہ نویس اور واقعہ نگار
۳۲۹	اخلاق اسلامی کا محفوظ رکھنا اور ترقی دینا	۳۱۳	بیت المال کا خیال
"	غزوہ و فخر کا استعمال	۳۱۶	تمام کاموں کا وقت پر انجام پانا
"	جھوٹی ممانعت	"	رقاد عام کے کام
۳۳۱	ہوا پرستی کی روک	"	غریب اور مساکین کے روزینے
"	شاعری اصلاح	۳۱۷	صمان خانے
"	شراب خوری کی روک	۳۱۸	لاوارث بیچ
"	آزادی اور حق گوئی کا قائم رکھنا	"	قیسوں کی خبر گیری
۳۳۳	حضرت عمرؓ کی اجتماعی حیثیت	"	قید کا انتظام
"	احادیث کا شخص	۳۱۹	رقاد عام کے متعلق حضرت عمرؓ کی نکتہ چینی
۳۳۴	حدیثوں کی اشاعت	۳۲۰	جزئیات پر توجہ
"	ایک حدیث نکتہ	"	رعایا کی مشکلات سے واقفیت کے وسائل
۳۳۵	احادیث میں فرقی مراتب	۳۲۱	سفارت
"	روایات کی چھان بین	"	شام کا سفر اور رعایا کی خبر گیری
۳۳۸	کثرت روایت سے روکنا	۳۲۲	رعایا کی خبر گیری کے متعلق حضرت عمرؓ
۳۴۰	حضرت عمرؓ کی کم روایت کرنے کی وجہ	"	چند حکایتیں
۳۴۱	صحابہ میں جو لوگ کم روایت کرتے تھے		

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۳۶۹	قوت تقریر	۳۶۱	شد اور روایت کے متعلق حضرت عمرؓ کے
"	خطبے	۳۶۲	اصول
۳۷۱	خطبے کے لئے تیار ہونا	"	علم فقہ
"	انکاح کا خطبہ اچھا نہیں دے سکتے تھے	"	فقہ کے تمام سلسلوں کے مرجع حضرت عمرؓ ہیں
"	اور اس کی وجہ	۳۶۴	حضرت عمرؓ کا مشکل مسائل کو قلمبند کرنا
"	بعض خطبوں کے اصلی الفاظ	۳۶۶	رفیق مسائل میں دو فتاویٰ غرض کرتے رہنا
۳۷۳	قوت تحریر	"	فتوحات کی وسعت کی وجہ سے نئے مسئلوں کا پیدا ہونا
۳۷۴	مذاق شاعری	۳۶۷	لوگوں کا حضرت عمرؓ سے استفادہ کرنا
"	حضرت عمرؓ زہیر کو اشعار اشعار کہتے تھے	۳۶۸	صحابہؓ کے مشورہ سے مسائل طے کرنا
۳۷۶	زہیر کی نسبت حضرت عمرؓ کا رملک	"	مسائل اجماعیہ
۳۷۶	نا مذکی تعریف	۳۶۹	حضرت عمرؓ کے مسائل تنبیہ کی تعداد
"	امراء انیس کی نسبت ان کی رائے	"	حضرت عمرؓ کا اصولی فقہ کو مرتب کرنا
۳۷۷	شعر کا ذوق	۳۷۰	خبر آج کے قتل احتجاج ہونے کی بحث
"	حفظ اشعار	۳۷۱	قیاس
"	اشعار کو تعلیم میں داخل کرنا	۳۷۲	استنباط احکام کے اصول
۳۷۸	شاعری کی اصلاح	۳۷۳	مسائل محمد میں حضرت عمرؓ کے اجتہادات
۳۷۸	لطف	"	خمس کا مسئلہ
۳۷۹	علم الانساب	۳۷۴	عے کا مسئلہ
"	عبرانی زبان سے واقفیت	۳۷۵	بلخ فدک کی بحث
۳۸۰	ذہانت و طباطبی	۳۷۶	ذاتی حالات اور اخلاق و عادات
۳۸۱	تعلیمات متولے	۳۷۷	عرب میں دو اوصاف لازم شرافت کہتے
۳۸۲	صائب الرائے ہونا	۳۷۸	ہاتے تھے حضرت عمرؓ میں سب مہرہ تھے
"	اسلام کے احکام ہو حضرت عمرؓ کی رائے کے		
۳۸۳	موافق قرار پائے		
"	جن مسائل میں اور صحابہؓ نے حضرت عمرؓ		
۳۸۴	سے اختلاف کیا ان میں حضرت عمرؓ کی		

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۳۷۰	لباس مسلوکی اور بے تکلفی	۳۸۴	رائے صائب ہونا
۳۷۱	حلیہ و لوازمات	"	قابلیت خلافت پر حضرت عمرؓ کی رائے
"		"	نکستہ پنجاہ اور غوری
۳۷۲	ازواج و اولاد	۳۸۵	مذہبی زندگی
"		۳۸۶	بے تقصیری
"	ازواج	"	علم فرائض کی درستی اور ترتیب کے لئے
"	حضرت ام کلثومؓ سے نکاح کرنا	۳۸۷	ایک یونانی عیسائی کا طلب کرنا
۳۷۴	اولاد و کور	۳۸۸	علمی صحبتیں
"	عبداللہ بن عمرؓ	۳۸۹	اریاب صحبت
"	سالم بن عبداللہ	۳۹۱	اہل کمال کی قدروانی
۳۷۷	عاصم	۳۹۲	متعلقین جناب رسول اللہؐ کا پاس و لحاظ
"		۳۹۳	اخلاق و عادات و مواضع و مسالکی
۳۷۸	خاتمہ	۳۹۴	زندہ دلی
"		۳۹۵	مزان کی سختی
"	دنیا میں جس قدر مشورہ فرمایا اور اریاب	۳۹۸	آل و اولاد کے ساتھ محبت
"	کمال گزرتے ہیں سب پر حضرت عمرؓ کو	۳۹۹	مسکن و مسائل معاش و تجارت
"	ترجیح	"	جاکیر مشاہیر و زراعت و غذا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ویباچہ

الفاروق جس کا غلطہ وجود میں آنے سے پہلے تمام ہندوستان میں بلند ہو چکا ہے،
 اول اول اس کا نام زبانوں پر اس تقریب سے آیا کہ المامون طبع اول کے ویباچہ میں نمٹا اس
 کا ذکر آیا تھا اس کے بعد اگرچہ مصنف کی طرف سے بالکل سکوت اختیار کیا گیا تاہم نام میں
 کچھ ایسی دلچسپی تھی کہ خود بخود پھیلنا گیا۔ یہاں تک کہ اس کے ابتدائی اجراء ابھی تیار نہیں ہو
 چکے تھے کہ تمام ملک میں اس سرے سے اس سرے تک الفاروق کا لفظ بچہ بچہ کی زبان پر تھا۔
 اور کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ الفاروق کا سلسلہ رک گیا اور اس کے بجائے
 دوسرے کام چھڑ گئے چنانچہ اس اثناء میں متعدد تصنیفیں مصنف کے قلم سے اٹھیں اور
 شائع ہوئیں۔ لیکن جو نگاہیں فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کوکبہ جلال کا انتظار کر رہی
 تھیں ان کو کسی دوسرے جلوہ سے سیری نہیں ہو سکتی تھی۔ سوء اتفاق یہ کہ میرے ساتھ
 الفاروق کی طرف سے بیوی کے بعض ایسے اسباب پیدا ہو گئے تھے کہ میں نے اس تصنیف
 سے گویا ہاتھ اٹھالیا تھا لیکن ملک کی طرف سے تقاضے کی صدا میں وہ رہ کر بند ہوتی تھیں کہ
 میں مجبوراً قلم ہاتھ سے رکھ رکھ کر اٹھا لیتا تھا بلا آخر ۱۸ اگست ۱۸۹۳ء کو میں نے ایک قطعی
 فیصلہ کر لیا اور مستقل اور مسلسل طریقے سے اس کام کو شروع کیا۔ ملازمت کے فرائض اور
 اتفاقی موانع وقتاً فوقتاً اب بھی سد راہ ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ متعدد دفعہ کئی کئی مہینے کا نامہ
 پیش کیا لیکن چونکہ کام کا سلسلہ قطعاً بند نہیں ہوا اس لئے کچھ نہ کچھ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ
 آج پورے چار برس کے بعد یہ منہل طے ہوئی اور قلم کے مسافر نے کچھ دنوں کے لئے آرام
 کیا۔

شکر کہ جہانہ بمنزل رسید نورق اندیشہ باطل رسید

یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے پہلے حصے میں تمہید کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ

تعالیٰ عز کی ولادت سے وفات تک کے واقعات اور فتوحات ملکی کے حالات ہیں۔ دوسرے حصے میں ان کے ملکی اور مذہبی انتظامات اور علمی کمالات اور ذاتی اخلاق اور عادات کی تفصیل ہے اور تیسری دو سراسر احمد مصنف کی سچی و محنت کا تماشا گاہ ہے۔

اس کتاب کی صحت طبع میں اگرچہ کچھ کم کوشش نہیں کی گئی۔ کاپیاں میں نے خود دیکھیں اور ہنائیں۔ لیکن متواتر تجربوں کے بعد مجھ کو اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میں اس راوی کا موم میدان نہیں اور میں اس کی کوئی تدبیر نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر صاحب مطبع اجازت دیں تو اس قدر کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ اس جرم کا میں تمام مجرم نہیں بلکہ کچھ اور لوگ بھی شریک ہیں۔ سہر حال کتاب کے آخر میں ایک غلط نامہ لگا دیا گیا ہے جو کفارہ جرم کا کام دے سکتا ہے۔

اس کتاب میں بعض الفاظ کے املا کا طریقہ نظر آئے گا۔ مثلاً اضافت کی حالت میں ”مکہ“ اور ”مدینہ“ کی بجائے ”مکے“ اور ”مدینے“ اور جمع کی حالت میں ”موقع“ اور ”مجمع“ کے بجائے ”موقعے“ اور ”مجمعے“ لیکن یہ میرا طریق املا نہیں ہے۔ بلکہ کاپی نویس صاحب کا ہے اور وہ اس کے برخلاف عمل کرنے پر کسی طرح راضی نہ ہوئے۔

یہ بھی واضح رہے کہ یہ کتاب سلسلہ آصفیہ کی فہرست میں داخل ہے۔ لیکن پہلے سلسلہ آصفیہ کی ماہیت اور حقیقت سمجھ لینی چاہئے۔

ہمارے معزز اور محترم دوست شمس العلماء مولانا سید علی ہکمرای بمبئی القابہ کو تمام ہندوستان جانتا ہے۔ وہ جس طرح بہت بڑے مصنف بہت بڑے مترجم بہت بڑے زبان دان ہیں اسی طرح بہت بڑے علم دوست اور اشاعت علوم و فنون کے بہت بڑے مہلی اور سرپرست ہیں۔ اس دوسرے وصف نے ان کو اس بات پر گماہ کیا کہ انہوں نے جناب نواب محمد فضل الدین خان سکندر جنگ اقبال الدولہ ”اقدار الملک“ سروکار الامراء بہادر کے سی ”آئی“ ای مدارالہام دولت آصفیہ غلہ با اللہ تعالیٰ کی خدمت میں یہ درخواست کی کہ حضور پر نور رستم دوراں ”افلاطون“ ناناں قلک بارگاہ سپہ سالار مظفر الملک فتح جنگ ہنہائیں نواب میر محبوب علی خان بہادر ”نظام الملک“ آصف جاہ سلطان و کن غلہ اللہ ملکہ کے سایہ عاطفت میں علمی تراجم و تصنیفات کا ایک مستقل سلسلہ قائم کیا جائے جو سلسلہ آصفیہ کے لقب سے مقرب ہو اور وابستگان دولت آصفیہ کی جو تصنیفات خلعت قبول پائیں وہ اس سلسلہ میں داخل ہو جائیں۔

جناب نواب صاحب ممدوح کو علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کی طرف ابتداء سے جو

الغاث و توجہ رہی ہے اور جس کی بہت سی محسوس یاد دہائیں اس وقت موجود ہیں اس کے لحاظ سے جناب ممدوح نے اس درخواست کو نہایت خوشی سے منظور کیا۔ چنانچہ کئی برس سے یہ مبارک سلسلہ قائم ہے اور ہمارے شمس العلماء کی کتاب تمدن عرب جس کی شہرت عالمگیر ہو چکی ہے اسی سلسلہ کا ایک پیش ہما کو ہر ہے۔

خاکسار کو ۱۸۹۱ء میں جناب ممدوح کی پیش گاہ سے عطیہ ماہوار کی جو سند عطا ہوئی اس میں یہ بھی درج تھا کہ خاکسار کی تمام آئندہ تصنیفات اس سلسلے میں داخل کی جائیں۔

اسی بناء پر یہ ناچیز تصنیف بھی اس مبارک سلسلے میں داخل ہے۔

جلد اول کے آخر میں اسلامی دنیا کا ایک نقشہ شامل ہے جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر بنو امیہ کے زمانے تک ہر عہد کی فتوحات کا خاص خاص رنگ دیا گیا ہے۔ جس کے دیکھنے سے بیک نظر معلوم ہو سکتا ہے کہ ہر خلیفہ کے وقت میں دنیا کا کس قدر حصہ اسلام کے حلقہ میں شامل ہو گیا۔ یہ نقشہ اصل میں جرمین کے چند لائق پروفیسروں نے تیار کیا تھا۔ لیکن چونکہ وہ ہماری کتاب کے بیانات سے پورا پورا مطابق نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے ہم نے اصل کتاب کے حاشیہ میں موقع بموقع ان اختلافات کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

شبلی نعمانی

مقام اعظم گڑھ دسمبر ۱۸۹۸ء

حصہ اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے ہمہ درپردہ نمان راز تو بے خبر انجام و آغاز تو

الحمد للہ رب العلمین والصلوة علی رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین

تمہید۔ تاریخ کا عنصر

تہن کے زمانے میں جو علوم و فنون پیدا ہو جاتے ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جن کا یہی پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ تہن کے زمانے میں وہ ایک موزوں قالب اختیار کر لیتا ہے اور پھر ایک خاص نام یا لقب مشہور ہو جاتا ہے۔ مثلاً استدلال اور اثبات دعا کے طریقے ہمیشہ سے موجود تھے اور عام و خاص سب ان سے کام لیتے تھے۔ لیکن جب ارسطو نے ان جزئیات کو ایک خاص وضع سے ترتیب دیا تو اس کا نام منطق ہو گیا اور وہ ایک مستقل فن بن گیا۔ تاریخ و تذکرہ بھی اسی قسم کا فن ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں انسانوں کا کوئی گروہ موجود تھا، تاریخ و تذکرہ بھی ساتھ ساتھ تھے۔ کیونکہ فخر و ترجیح کے موقعوں پر لوگ اپنے اسلاف کے کارنامے خواہ مخواہ بیان کرتے تھے۔ تفریح اور گرمی صحبت کیلئے مجالس میں چھٹی لڑائیوں اور معرکوں کا ذکر ضرور کیا جاتا تھا۔ باپ دادا کی تقلید کے لیے پرانی عادات و رسوم کی یادگاریں خواہ مخواہ قائم رکھی جاتی تھیں۔ اور یہی چیزیں تاریخ و تذکرہ کا سرمایہ ہیں۔ اس بناء پر عرب 'عجم' آثار ہندی، افغانی، مصری، یونانی، غرض دنیا کی تمام قومیں فن تاریخ کی قابلیت میں ہمہ سہری کا دعویٰ کر سکتی ہیں۔

عرب کی خصوصیت

لیکن اس عموم میں عرب کو ایک خصوصیت خاص حاصل تھی۔ عرب میں خاص خاص باتیں ایسی پائی جاتی تھیں جن کو تاریخی سلسلے سے تعلق تھا۔ اور جو قوموں میں نہیں پائی جاتی تھیں۔ مثلاً انساب کا چرچا جس کی یہ کیفیت تھی کہ بچہ بچہ اپنے آباؤ اجداد کے نام اور ان کے رشتے نامی دس دس بار بار پشتوں تک محفوظ رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ انسانوں سے گزر کر گھوڑوں اور اونٹوں کے نسب نامے محفوظ رکھے جاتے تھے یا ایام العرب جس کی بدولت عکاظ کے سالانہ میلے میں قومی کارناموں کی روایتیں سلسلہ سلسلہ ہزاروں لاکھوں آدمیوں تک پہنچ جاتی تھیں یا شاعری جس کا یہ حال تھا کہ اونٹ چرانے والے بدو جن کو لکھنے پڑھنے سے کچھ سروکار نہ تھا۔ اپنی زبان آوری کے سامنے تمام عالم کو بچ بچتے تھے۔ اور در حقیقت جس سادگی اور اصلیت کے ساتھ وہ واقعات اور جذبات کی تصویریں کھینچ سکتے تھے دنیا میں کسی قوم کو یہ بات کبھی نصیب نہیں ہوئی۔

عرب میں تاریخ کی ابتداء

اس بناء پر عرب میں جب تہن کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے تاریخی تصنیفات وجود میں آئیں۔ اسلام سے بہت پہلے بادشاہانِ جبروت نے تاریخی واقعات قلمبند کرائے اور وہ مدت تک محفوظ رہے۔ چنانچہ ابن ہشام نے کتاب التاجان میں تصریح کی ہے کہ میں نے ان تالیفات سے فائدہ اٹھایا اسلام کے عہد میں زبانی روایتوں کا ذخیرہ ابتداء ہی میں پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن چونکہ تالیف و تصنیف کا سلسلہ عموماً ایک مدت کے بعد قائم ہوا۔ اس لئے کوئی خاص کتاب اس فن میں نہیں لکھی گئی۔ لیکن جب تالیف کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلی کتاب جو لکھی گئی تاریخ کے فن میں تھی۔

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ المتوفی ۴۰ ہجری کے زمانے میں عبید بن شریہ ایک شخص تھا جس نے جاہلیت کا زمانہ دیکھا اور اس کو عرب و عجم کے اکثر معرکے یاد تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو شعراء سے بلایا اور کاتب اور محرر متعین کئے کہ جو کچھ وہ بیان کرتا جائے قلم بند کرتے جائیں۔ علامہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں اس کی متعدد تالیفات کا ذکر کیا ہے۔ جن میں سے ایک کتاب کا نام کتاب الملوک والاخبار الماضین لکھا

نام مصنف	تصنیف	کیفیت
نجیح مدنی	غزوات نبوی	
نصر بن مزاحم کوفی	کتاب الجمل یعنی حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کی لڑائی کا حال	
سینف بن عمر الاسدی	کتاب الفتوح الکبیر	نمایات مشہور مؤرخ ہے
معمر بن راشد کوفی	کتاب المغازی	امام بخاری کے استاد الاستاذ تھے
ابو العتویٰ و سب بن و سب	کتاب صفۃ النبی و کتاب فضائل الانصار	۱۔ صفہ میں انتقال کیا
عبد اللہ بن سعد زہری المعنی	فتوحات خالد بن ولید	
۳۸۰ ہجری		
ابو الحسن علی بن محمد بن عبد اللہ المدائنی		اس نے آنحضرتؐ اور خلفائے حالات میں کثرت سے کتابیں لکھیں اور نئے نئے عنوان اختیار کئے
احمد بن حارث خزاز	کتاب المغازی اسما و الحانہ و کتابہم	دراستی کا شاگرد تھا
عبد الرحمن بن عبدہ	مناقب قریش	نمایات ثقہ اور مستند مؤرخ تھا
عمرو بن شہ المعنی	کتاب امراء الکوفہ کتاب امراء البصرة	مشہور مؤرخ تھا

قدما کی جو تصنیفات آج موجود ہیں

اگرچہ یہ تصنیفات آج ناپید ہیں۔ لیکن اور کتابیں جو اسی زمانے میں یا اس کے بعد قریب تر زمانے میں لکھی گئیں۔ ان میں ان تصنیفات کا بہت کچھ سراہا یہ موجود ہے۔ چنانچہ ہم ان کے نام ان کے مصنفین کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ المعولہ ۳۳۳ ہجری و المعنی ۳۶۷ ہجری یہ نمایات نامور اور

۱۔ نجیح بن عبد الرحمن المعنی قریب ۳۵۰۔ ۲۔ سینف بن عمرو کوفی ظیفہ ہارون رشید کے زمانہ میں فوت ہوا (تذیبہ ۳۵۰ صفحہ ۲۶۹)۔ ۳۔ معمر بن راشد کوفی ۳۵۰ (تذیبہ ۳۵۰ صفحہ ۲۶۹)۔ ۴۔

ہے 'غالباً یہ وہ کتاب ہے جس کا مسند امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے تیار ہوا تھا۔ عبیدہ کے بعد عوانہ بن الحکم المعنی ۳۵۷ ہجری کا نام ذکر کرنے کے قابل ہے۔ جو اخبار و انساب کا بڑا بہر تھا۔ اس نے عام تاریخ کے علاوہ خاص بنو امیہ اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں ایک کتاب لکھی۔ ۳۵۷ ہجری میں ہشام بن عبد الملک کے حکم سے عجم کی نہایت مفصل تاریخ کا ترجمہ پہلوی سے عربی میں کیا گیا۔ اور یہ پہلی کتاب تھی جو غیر زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئی۔

سیرۃ نبوی ﷺ میں سب سے پہلی تصنیف

۳۳۳ ہجری میں جب تفسیر حدیث 'فقد و فیو کی تدوین شروع ہوئی تو اور علوم کے ساتھ تاریخ و اہل میں بھی مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ چنانچہ محمد بن اسحاق المعنی ۳۵۷ ہجری نے منصور عباسی کے لیے خاص سیرۃ نبوی پر ایک کتاب لکھی جو آج بھی موجود ہے۔ ہمارے معجزین کا دعویٰ ہے کہ فن تاریخ کی یہ پہلی کتاب ہے۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ اس سے پہلے موسیٰ بن عقبہ المعنی ۳۵۷ ہجری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی قلم بند کئے تھے۔ موسیٰ نمایات ثقہ اور محقق شخص تھے اور صحابہ کا زمانہ پایا تھا۔ اس لئے ان کی یہ کتاب محدثین کے دائرے میں بھی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ (مغازی موسیٰ بن عقبہ ۳۵۷ ہجری میں یورپ میں چھپ گئی ہے۔ موسیٰ بن عقبہ کے لئے تذیبہ ۳۵۷ ہجری شرح صحیح بخاری دیکھو)

اس کے بعد فن تاریخ نے یہ نمایات ترقی کی اور بڑے بڑے نامور مؤرخ پیدا ہوئے جن میں ابو عمنہ کلبی و اقدی زیادہ مشہور ہیں۔ ان لوگوں نے نمایات عمدہ اور جدید عنوانوں پر کتابیں لکھیں۔ مثلاً کلبی نے افواج اسلام و قریش کے پیشے 'قبائل عرب کے مناظرات' جاہلیت اور اسلام کے احکام کا توازن 'ان مضامین پر مستقل رسالے لکھے 'رفتہ رفتہ اس سلسلے کو نمایات وسعت ہوئی۔ یہاں تک کہ چوتھی صدی تک ایک دفتر بے پایاں تیار ہو گیا اور بڑی خوبی کی بات یہ تھی کہ ہر صاحب قلم کا موضوع اور عنوان جدا تھا۔

اس دور میں بے شمار مؤرخ گزرے ہیں۔ ان میں سے جن لوگوں نے باقیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حالات میں کتابیں لکھیں ان کی مختصر فہرست یہ ہے۔

۱۔ مغازی عمر ابن خطاب کا ایک قلمی نسخہ کوفی خط میں موجود ہے۔

مستند مصنف ہے۔ محدثین بھی اس کے اعتماد اور اعتبار کے قائل ہیں۔ تاریخ میں اس کی مشہور کتاب معارف ہے۔ جو مصروفیہ میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ یہ کتاب اگرچہ نہایت مختصر ہے، لیکن اس میں ایسی مفید معلومات ہیں جو بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملتیں۔

احمد بن داؤد ابو حنیفہ دیوبندى المتوفى ۸۸ھ ہجری یہ بھی مشہور مصنف ہے۔ تاریخ میں اس کی کتاب کا نام الاخبار الطوال ہے۔ اس میں خلیفہ مقسم باللہ تک کے حالات ہیں۔ خلفاء راشدین کی فتوحات میں سے عجم کی فتح کو تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ کتاب یورپ میں بمقام لیڈن ۸۸۵ھ عیسوی میں چھپی ہے۔

محمد بن سعد کاتب الواقدي المتوفى ۲۳۰ھ ہجری نہایت ثقہ اور معتد مؤرخ ہے، اگرچہ اس کا استاد واقدي ضعیف الروایہ ہے۔ لیکن خود اس کے ثقہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں، اس نے ایک کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین و تبع تابعین کے حالات میں نہایت بسط و تفصیل سے دس بارہ جلدوں میں لکھی ہے۔ اور تمام واقعات کو محدثانہ طور پر بہ سند صحیح لکھا ہے۔ یہ کتاب طبقات ابن سعد کے نام سے مشہور ہے۔ میں نے اس کا قلمی نسخہ دیکھا ہے۔ اب جرمنی میں بڑے اہتمام سے چھپ رہی ہے۔

احمد بن ابی یعقوب بن واضح کاتب عباسی۔ یہ تیسری صدی کا مؤرخ ہے۔ مجھ کو اس کے حالات رجال کی کتابوں میں نہیں ملے۔ لیکن اس کی کتاب خود شہادت دیتی ہے کہ وہ بڑے پایہ کا مصنف ہے، چونکہ اس کو دولت عباسیہ کے دربار سے تعلق تھا۔ اس لیے تاریخ کا اچھا سرمایہ بہم پہنچا سکا ہے۔ اس کی کتاب جو ”تاریخ یعقوبی“ کے نام سے مشہور ہے، یورپ میں بمقام لیڈن ۸۸۵ھ عیسوی میں چھاپی گئی ہے۔

احمد بن یحییٰ البلاذری المتوفى ۹۰ھ ہجری ابن سعد کا شاگرد اور المتوکل باللہ عباسی کا درباری تھا۔ اس کی وسعت نظر اور صحت روایت محدثین کے گروہ میں بھی مسلم ہے۔ تاریخ و رجال میں اس کی دو کتابیں مشہور ہیں۔ فتوح البلدان و انساب الاشراف، پہلی کتاب کا یہ طرز ہے کہ بلاد اسلامیہ میں سے ہر ہر صوبہ یا ضلع کے نام سے الگ الگ عنوان قائم کئے ہیں۔ اور ان کے متعلق ابتدائے فتح سے اپنے عہد تک کے حالات لکھے ہیں۔ دوسری کتاب تذکرے کے طور پر ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات بھی ہیں۔ فتوح البلدان یورپ میں نہایت اہتمام کے ساتھ چھپی ہے۔ اور انساب الاشراف کا قلمی نسخہ قسطنطنیہ میں نظر سے گزرا ہے۔ (یہ کتاب تقریباً ۱۵۸۵ھ عیسوی میں یوٹم میں چھپ چکی ہے)

۱۔ طبقات ابن سعد کمال ۸ جلدوں میں پہلے ۴۰۰ میں لیڈن میں طبع ہوئی پھر اس کے بعد ۵۵۵ھ میں جرمنی میں طبع ہوئی۔

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفى ۳۲۰ھ ہجری یہ محدث و ثقہ میں بھی امام ہانے جاتے ہیں۔ چنانچہ ائمہ اربعہ کے ساتھ لوگوں نے ان کو مجتہدین کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔ تاریخ میں انہوں نے نہایت مفصل اور بسیط کتاب لکھی ہے جو ۳۳ ضخیم جلدوں میں ہے اور یورپ میں بمقام لیڈن نہایت صحت اور اہتمام کے ساتھ چھپی ہے۔

ابو الحسن علی بن حسین مسعودی المتوفى ۸۶ھ ہجری فن تاریخ کا امام ہے۔ اسلام میں آج تک اس کے برابر کوئی وسیع النظر مؤرخ پیدا نہیں ہوا۔ وہ دنیا کی اور قوموں کی تواریخ کا بھی بہت بڑا ماہر تھا۔ اس کی تمام تاریخی کتابیں ملتیں تو کسی اور تصنیف کی حاجت نہ ہوتی۔ لیکن افسوس ہے کہ قوم کی بذاتی سے اکثر تصانیف ناپید ہو گئیں، یورپ نے بڑی تلاش سے دو کتابیں میاں کیں، ایک موج الذهب اور دوسری کتاب الاشرف والتنبیہ موج الذهب مصر میں بھی چھپ گئی ہے۔

متاخرین کا دور

یہ تصنیفات جس زمانے کی ہیں وہ قدام کا دور کہلاتا ہے، پانچویں صدی کے آغاز سے متاخرین کا دور شروع ہوتا ہے، جو فن تاریخ کے تزلزل کا پہلا قدم ہے۔ متاخرین میں اگرچہ بیشتر مؤرخ گزرے جن میں سے ابن اثیر، سعلانی، ذہبی، ابو الفدا، نویری، سیوطی وغیرہ نے نہایت شہرت حاصل کی۔ لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں نے تاریخ کے ساتھ ساتھ من حیث الفن کوئی احسان نہیں کیا۔

قدما کی خصوصیتیں

قدما کی جو خصوصیات تھیں، کھودیں اور خود کوئی نئی بات پیدا نہیں کی۔ مثلاً قدام کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ ہر تصنیف نئی معلومات پر مشتمل ہوتی تھی۔ متاخرین نے یہ طرز اختیار کیا کہ کوئی قدیم تصنیف سامنے رکھ لی اور بغیر اس کے کہ اس پر کچھ اضافہ کر سکیں، تغیر اور اختصار کے ساتھ اس کا قالب بدل دیا۔ تاریخ ابن الاثیر کو علامہ ابن خلدون نے من خیار التواریخ کہا ہے اور حقیقت میں اس کی قبولیت عام نے قدیم تصنیفیں ناپید کر دیں۔ زمانہ کا اشتراک ہے ایک بات بھی اس میں طبری سے زیادہ نہیں مل سکتی، اسی طرح ابن الاثیر کے بعد جو لوگ پیدا ہوئے انہوں نے اپنی تصنیف کا دار صرف ابن الاثیر رکھا۔ وہ علم جرا

۱۔ یہ مکتبہ العصر بغداد سے ۸۳۵ھ میں شائع ہوئی۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ متاخرین نے قدامت کی کتابوں کا جو اختصار کیا۔ اس طرح کیا کہ جہاں جو بات چھوڑ دی وہی اس تمام واقعہ کی روح تھی۔ چنانچہ ہماری کتاب کے دوسرے حصے میں اس کی بہت سی مثالیں آئیں گی۔

قدما میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ تمام واقعات کو حدیث کی طرح مستند متصل نقل کرتے تھے متاخرین نے یہ التزام بالکل چھوڑ دیا۔ ایک اور خصوصیت قدما میں یہ تھی کہ وہ اگرچہ کسی عہد کی معاشرت و تمدن پر جدا عنوان نہیں قائم کرتے تھے لیکن نمٹا ان جزئیات کو لکھ جاتے تھے جن سے تمدن و معاشرت کا کچھ کچھ پتہ چلتا تھا۔ متاخرین نے یہ خصوصیت بھی قائم نہ رکھی۔

لیکن اس عام نکتہ چینی میں ابن خلدون کا نام شامل نہیں ہے۔ اس نے فلسفہ تاریخ کا فن ایجاد کیا۔ اور اس پر نہ صرف متاخرین بلکہ مسلمانوں کی کل قوم ناز کر سکتی ہے۔ اسی طرح اس کا شاگرد علامہ مقریزی بھی نکتہ چینی کی بجائے مسج و ستائش کا مستحق ہے۔

بہر حال الفاروق کی تالیف کے لئے جو سرمایہ کام آسکتا تھا وہی قدامت کی تفصیلات تھیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخ و تذکرے کے فن نے جو آج ترقی کی ہے اس کے لحاظ سے یہ بے بہا خزانے بھی چنداں کار آمد نہیں اس اجمال کی تفصیل سمجھنے کے لئے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ فن تاریخ کی ماہیت اور حقیقت کیا ہے۔

تاریخ کی تعریف

تاریخ کی تعریف ایک بڑے مصنف نے یہ کی ہے کہ فطرت کے واقعات نے انسان کے حالات میں جو تغیرات پیدا کئے ہیں اور انسان نے عالم فطرت پر جو اثر ڈالا ہے ان دونوں کے مجموعہ کا نام تاریخ ہے۔ ایک اور حکیم نے یہ تعریف کی ہے ان حالات اور واقعات کا پتہ لگانا جن سے یہ دریافت ہو کہ موجودہ زمانہ گزشتہ زمانے سے کیوں ٹکری طور نتیجہ کے پیدا ہو گیا ہے۔ یعنی چونکہ یہ مسلم ہے کہ آج دنیا میں جو تمدن معاشرت خیالات اور مذاہب موجود ہیں سب گزشتہ واقعات کے نتائج ہیں جو خواہ مخواہ ان سے پیدا ہونے چاہئے تھے اس لئے ان گزشتہ واقعات کا پتہ لگانا اور ان کو اس طرح ترتیب دینا جس سے ظاہر ہو کہ موجودہ واقعہ گزشتہ واقعات سے کیوں ٹکریا ہوا۔ اسی کا نام تاریخ ہے۔

تاریخ کے لئے کیا کیا چیزیں لازم ہیں

ان تعریفات کی بناء پر تاریخ کے لئے دو باتیں لازم ہیں۔

ایک یہ کہ جس عہد کا حال لکھا جائے اس زمانے کے ہر قسم کے واقعات قلم بند کئے جائیں یعنی تمدن معاشرت اخلاق عادات مذہب ہر چیز کے متعلق معلومات کا سرمایہ دیا گیا جائے۔

دوسرے یہ کہ تمام واقعات میں سبب اور سبب کا سلسلہ تلاش کیا جائے۔

قدیم تاریخوں کے نقص اور ان کے اسباب

قدیم تاریخوں میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں رعایا کے اخلاق و عادات اور تمدن و معاشرت کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں آتا فرمانروائے وقت کے حالات ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں بھی فتوحات اور خانہ جنگیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ یہ نقص اسلامی تاریخوں تک ہی محدود نہیں بلکہ ایشیائی تاریخوں کا بھی انداز تھا اور ایسا ہونا مختصائے انصاف تھا ایشیا میں ہمیشہ شخصی سلطنتوں کا رواج رہا۔ اور فرمانروائے وقت کی عظمت و اقتدار کے آگے تمام چیزیں بیچ ہوتی تھیں اس کا لازمی اثر یہ تھا کہ تاریخ کے صفحوں میں شاہی عظمت و جلال کے سوا اور کسی چیز کا ذکر نہیں آیا۔ اور چونکہ اس زمانے میں قانون اور قاعدہ جو کچھ تھا بادشاہ کی زبان تھی۔ اس لئے سلطنت کے اصول اور آئین کا بیان کرنا بھی گویا بے فائدہ تھا۔

واقعات میں سلسلہ اسباب پر توجہ نہ کرنے کا بڑا سبب یہ ہوا کہ فن تاریخ ہمیشہ ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو فلسفہ اور عقلیات سے آشنا نہ تھے اس لئے فلسفہ تاریخ کے اصول و نتائج پر ان کی نظر نہیں پڑ سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث و سیر میں روایات کا پتہ ہمیشہ درایت سے بھاری رہا۔ بلکہ انصاف یہ ہے کہ درایت سے جس قدر کام لیا گیا نہ لئے جانے کے برابر تھا۔ آخر میں ابن خلدون نے فلسفہ تاریخ کی بنیاد ڈالی اور اس کے اصول و آئین منضبط کئے لیکن اس کو صرف اس قدر فرصت نہ ملی کہ اپنی تاریخ میں ان اصولوں سے کام لے سکے۔ اس کے بعد مسلمانوں میں علمی تنزل کا ایسا سلسلہ قائم رہا کہ کسی نے پھر اس طرف خیال بھی نہ کیا۔

ایک بڑا سبب جس کی وجہ سے تاریخ کا فن نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ تمام قوموں میں ناتمام رہا۔ یہ ہے کہ تاریخ میں جو واقعات مذکور ہوتے ہیں ان کو مختلف فنون سے رابطہ ہوتا

ہے۔ مثلاً لڑائی کے واقعات فن حرب سے انتظامی امور قانون سے اخلاقی تذکرے علم اخلاق سے تعلق رکھتے ہیں۔ مؤرخ اگر ان تمام امور کا ماہر ہو تو واقعات کو علمی حیثیت سے دیکھ سکتا ہے۔ ورنہ اس کی نظر اسی قسم کی سرسری اور سطحی ہوگی۔ جیسی کہ ایک غامی کی ہو سکتی ہے اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی عمدہ عمارت پر ایک ایسے واقعہ لگا کر انشاء پر داز کا گزر ہو جو انجینئری کے فن سے ناواقف ہے تو گو وہ اس عمارت کا بیان ایسے دلکش پیرایہ میں کرے گا جس سے عمارت کی رفعت اور وسعت اور ظاہری حسن و خوبی کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے۔ لیکن اگر اس میں خاص انجینئری کے علمی اصول اور اس کی باریکیاں وضوح پائی جائیں تو نہ مل سکیں گی۔ یہی سبب ہے کہ تاریخوں میں حالات جنگ کے ہزاروں صفحے پڑھ کر بھی فن جنگ کے اصول پر کوئی معتد بہ اطلاع نہیں حاصل ہوتی۔

انتظامی امور کے ذکر میں قانونی حیثیت کا اسی وجہ سے پتہ نہیں لگتا کہ مؤرخین خود قانون دان نہ تھے، اگر خوش قسمتی سے تاریخ کا فن ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا ہوتا۔ جو تاریخ کے ساتھ فن جنگ، اصول قانون، اصول سیاست اور علم اخلاق سے بھی آشنا ہوتے تو آج یہ فن کہاں سے کہاں تک پہنچا ہوتا۔

یہ بحث اس لحاظ سے تھی کہ قدیم تاریخوں میں تمام ضروری واقعات مذکور نہیں ہوتے۔ اور جس قدر ہوتے ہیں ان میں اسباب و علل کا سلسلہ نہیں ملتا، لیکن ان کے علاوہ ایک اور ضروری بحث ہے، وہ یہ کہ جو واقعات مذکور ہیں خود ان کی صحت پر کہاں تک اعتبار ہو سکتا ہے۔

واقعات کی صحت کا معیار

واقعات کے جانچنے کے صرف دو طریقے ہیں۔

روایت و روایت۔ روایت سے یہ مراد ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کے ذریعے سے بیان کیا جائے جو خود اس واقعہ میں موجود تھا۔ اور اس سے لے کر اخیر راوی تک روایت کا سلسلہ متصل بیان کیا جائے۔ اس کے ساتھ تمام راویوں کی نسبت تحقیق کیا جائے کہ وہ صحیح الروایہ اور ضابط تھے یا نہیں۔

روایت سے یہ مراد ہے کہ اصول عقلی سے واقعہ کی تنقید کی جائے۔

روایت

اس امر پر مسلمان بے شبہ فخر کر سکتے ہیں کہ روایت کے فن کے ساتھ انہوں نے جس

قدر اتنا کیا کسی قوم نے کبھی نہیں کیا تھا۔ انہوں نے ہر قسم کی روایتوں میں مسلسل سند کی جستجو کی اور راویوں کے حالات اس تفحص اور تلاش سے ہم پہنچائے کہ ان کو ایک مستقل فن بنادیا جو فن رجال کے نام سے مشہور ہے۔ یہ توجہ اور اہتمام اگرچہ اصل میں احادیث نبوی کے لئے شروع ہوا تھا۔ لیکن فن تاریخ بھی اس فیض سے محروم نہ رہا۔ طبری، فتوح البلدان، طبقات ابن سعد وغیرہ میں تمام واقعات، سند متصل مذکور ہیں۔ یورپ نے فن تاریخ کو آج کمال کے درجہ پر پہنچا دیا ہے۔ لیکن اس خاص امر میں وہ مسلمان مؤرخوں سے بہت پیچھے ہیں۔ ان کو واقعہ لگا کر نقد اور غیر نقد ہونے کی کچھ پروا نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ وہ جس و تعدیل کے نام سے بھی آشنا نہیں۔

درایت

درایت کے اصول بھی اگرچہ موجود تھے۔ چنانچہ ابن حزم، ابن القیم، خطابی، ابن عبد البر، نے متعدد روایتوں کی تنقید میں ان اصولوں سے کام لیا ہے۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ اس فن کو جس قدر ترقی ہوئی چاہئے تھی نہیں ہوئی۔ اور تاریخ میں تو اس سے بالکل کام نہیں لیا گیا، البتہ علامہ ابن خلدون نے جو آٹھویں صدی ہجری میں گزرا ہے جب فلسفہ تاریخ کی بنیاد ڈالی تو درایت کے اصول نہایت نکتہ سنجی اور باریک بینی کے ساتھ مرتب کئے۔ چنانچہ اپنی کتاب کے دباچے میں لکھتا ہے۔

ان الاخبار اذا اعتمد فيها على مجرور النقل لم تحكم اصول
العادة و قواعد السياسة وطبيعة العمران والا حوال في
الاجتماع الانساني ولا قيس الغائب منها بالشاهد والحاضر
بالذاهب فيها لم يؤمن فيها من العتور۔

”خبروں میں اگر صرف روایت پر اعتبار کر لیا جائے اور عادت کے اصول اور سیاست کے قواعد اور انسانی سوسائٹی کے ارتقا کا لحاظ اچھی طرح نہ کیا جائے اور غائب کو حاضر پر، اور حال کو گزشتہ پر نہ قیاس کیا جائے تو اکثر لغزش ہوگی۔“

علامہ موصوف نے تصریح کی ہے کہ واقعہ کی تحقیق کے لئے راویوں کی جرح و تعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں۔ کیونکہ ابن عبد البر قرطبی، مفتی ۳۳۰۔

اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے۔ علامہ موصوف نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ موقعوں میں امکان سے امکان عقلی مراد نہیں بلکہ اصول عادت اور قواعد تمدن کی رو سے ممکن ہونا مراد ہے۔

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ جو نقص قدیم تاریخوں کے متعلق بیان کئے گئے ان کی آج کماں تک خلافی کی جاسکتی ہے۔ یعنی ہم اپنی کتاب (الفاروق) میں کس حد تک اس کمی کو پورا کر سکتے ہیں۔ اگرچہ یہ امر بالکل صحیح ہے کہ جو کتابیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں مستقل حیثیت سے لکھی گئی ہیں ان میں ہر قسم کے ضروی واقعات نہیں ملتے لیکن اور قسم کی تصنیفوں سے ایک حد تک اس کی خلافی ہو سکتی ہے۔ مثلاً ”الاحکام السلطانیہ“ لابن الوردی مقدمہ ابن خلدون و کتاب الخراج سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق حکومت اور آئین انتظام کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف الوقیع سے خاص سیّد وقصا کے متعلق ان کا طریق معلوم ہوتا ہے کتاب الاوائل لابن ہلال العسکری و محاسن الوسائل الی الاخبار الاوائل میں ان کی اولیات کی تفصیل ہے۔ عقد الفرید و کتاب البیان و التبيين للجاحظ میں ان کے خطبے منقول ہیں۔ کتاب العمدۃ لابن رشیق التبریزی سے ان کا شاعرانہ مذاق معلوم ہوتا ہے۔ میدانی کتاب الاثبات میں ان کے حکیمانہ متولے نقل کئے ہیں۔ ابن جوزی نے سیرۃ العرین میں ان کے اخلاق و عادات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں ان کے فہم اور اجتہاد پر اس مجتہدانہ طریقے سے بحث کی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ (ان تصنیفات میں سے کتاب الاوائل اور کتاب العمدۃ کا قلمی نسخہ میرے کتب خانہ میں موجود ہے۔ سیرۃ العرین اخبار القضاۃ اور محاسن الوسائل کے نسخے خطیہ کے کتب خانہ میں موجود ہیں اور میں نے ان سے ضروی عباراتیں نقل کر لی ہیں۔ باقی کتابیں چھپ چکی ہیں۔ اور میرے پاس موجود ہیں۔)

یہ تمام تصنیفات میرے پیش نظر ہیں اور میں نے ان سے فائدہ اٹھایا ہے ریاض النضو للجب البصری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات تفصیل سے ملتے ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اسی کتاب کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے۔ لیکن اس میں نہایت کثرت سے موضوع اور ضعیف روایتیں مذکور ہیں۔ اس لئے میں نے دانستہ اس سے اجراز کیا۔

واقعات کی تحقیق و تنقید کے لئے درایت کے اصول سے بہت بڑی مدد مل سکتی ہے۔ درایت کا فن ایک مستقل فن بن گیا ہے اور اس کے اصول و قاعدے نہایت خوبی سے

منضبط ہو گئے ہیں۔ ان میں سے جو اصول ہمارے کام آسکتے ہیں حسب ذیل ہیں۔

- ① واقعہ مذکورہ اصول عادت کی رو سے ممکن ہے یا نہیں؟
 - ② اس زمانے میں لوگوں کا میلان عام واقعہ کے مخالف تھا یا موافق؟
 - ③ واقعہ اگر کسی حد تک غیر معمولی ہے تو اسی نسبت سے ثبوت کی شہادت زیادہ قوی ہے یا نہیں؟
 - ④ اس امر کی تفتیش کہ راوی جس چیز کو واقعہ ظاہر کرتا ہے اس میں اس کی قیاس و رائے کا کس قدر حصہ شامل ہے؟
 - ⑤ راوی نے واقعہ کو جس صورت میں ظاہر کیا وہ واقعہ کی پوری تصویر ہے یا اس امر کا احتمال ہے کہ راوی اس کے ہر پہلو پر نظر نہیں ڈال سکا۔ اور واقعہ کی تمام خصوصیتیں نظر میں نہ آسکیں۔
 - ⑥ اس بات کا اندازہ کہ زمانے کے امتداد اور مختلف راویوں کے طریقہ ادا نے روایت میں کیا کیا اور کس کس قسم کے تغیرات پیدا کر دیئے ہیں۔
- ان اصولوں کی صحت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکا۔ اور ان کے ذریعے سے بہت سے مخفی راز معلوم ہو سکتے ہیں۔ مثلاً آج جس قدر تاریخیں متداول ہیں ان میں غیر قوموں کی نہایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نہایت سخت احکام منقول ہیں۔ لیکن جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ یہ اس زمانے کی تصنیفیں ہیں جب اسلامی گروہ میں تعصب کا مذاق پیدا ہو گیا تھا اور اسی کے ساتھ قدیم زمانہ کی تصنیفات پر نظر ڈالی جائے جن میں اس قسم کے واقعات بالکل نہیں یا بہت کم ہیں۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر تعصب آنا گیا اسی قدر روایتیں خود بخود تعصب کے سانچے میں ڈھلتی گئی ہیں۔

اصول درایت سے جن امور کا پتہ لگ سکتا ہے

تمام تاریخوں میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا کہ عیسائی کسی وقت اور کبھی ناقوس نہ بجائے پائیں۔ لیکن قدیم کتابوں (کتاب الخراج طبری وغیرہ) میں اصول درایت سے جن امور کا پتہ لگ سکتا ہے یہ روایت اس قید کے ساتھ منقول ہے کہ جس وقت مسلمان نماز پڑھتے ہوں اس وقت عیسائی ناقوس نہ بجائیں ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا کہ قبیلہ ثعلب کے عیسائی اپنے بچوں کو

اصطلاح نہ دیتے پائیں۔ لیکن یہی روایت تاریخ طبری میں ان الفاظ سے مذکور ہے کہ ”جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہوں ان کے بچوں کو زبردستی اصطلاح نہ دیا جائے۔“

یا مثلاً بہت سی تاریخوں میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحقیر و تذلیل کے لئے عیسائیوں کو خاص لباس پر مجبور کیا تھا۔ لیکن زیادہ تر متذقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ صرف اس قدر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عیسائیوں کو ایک خاص لباس اختیار کرنے کی ہدایت کی تھی۔ تحقیر کا خیال راوی کا قیاس ہے چنانچہ اس کی مفصل بحث آگے آئے گی۔

یا مثلاً وہ روایتیں جو تاریخی ہونے کے ساتھ مذہبی حیثیت بھی رکھتی ہیں۔ ان میں یہ خصوصیت صاف محسوس ہوتی ہے کہ جس قدر ان میں تنقید ہوتی گئی ہے اسی قدر مشتبہ اور مشکوک باتیں کم ہوتی گئی ہیں۔ مذکورہ قرطاس، سفید بنی ساعدہ کے واقعات ابن عساکر، ابن سعد، بیہقی، مسلم، بخاری سب نے نقل کئے ہیں۔ لیکن جس قدر ان بزرگوں کے اصول اور شدت احتیاط میں فرق مراتب ہے۔ اسی نسبت سے روایتوں میں مشتبہ اور نزاع انگیز الفاظ کم ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ خود مسلم و بخاری میں فرق مراتب کا یہ اثر موجود ہے۔ چنانچہ اس کا بیان ایک مناسب موقع پر تفصیل سے آئے گا۔

ان ہی اصول عقلی کی بناء پر مختلف قسم کے واقعات میں صحت و اعتبار کے مدارج بھی مختلف قائم کرنے ہوں گے مثلاً یہ مسلم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے واقعات سو برس کے بعد تحریر میں آئے اس بناء پر یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ معرکوں اور لڑائیوں کی نہایت جزئی تفصیلات مثلاً صف آرائی کی کیفیت فریقین کے سوال و جواب، ایک ایک ہماور کی معرکہ آرائی، پہلوانوں کے واؤ جیج اس قسم کی جزئیات کی تفصیل کا رجحان یقین تک نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن انتظامی امور اور قواعد حکومت چونکہ مدت تک محسوس صورت میں موجود رہے۔ اس لئے ان کی نسبت جو واقعات منقول ہیں وہ بے شبہ یقین کے لائق ہیں۔ اکبر نے ہندوستان میں جو آئین اور قاعدے جاری کئے ایک ایک پھر ان سے واقف ہے۔ اور ان کی نسبت شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ جس کی یہ وجہ نہیں کہ حدیث کی طرح اس کے لئے قطعی روایتیں موجود ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ انتظامات مدت تک قائم رہے۔ اور اکبر کے نام سے ان کو شہرت تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبے اور حکمت آمیز مقولے جو منقول ہیں ان کی نسبت یہ قیاس کرنا چاہئے کہ جو فقرے زیادہ تر پر اثر اور فصیح و بلیغ ہیں وہ ضرور صحیح ہیں۔ کیونکہ

ایک فصیح مقرر کے وہ فقرے ضرور محفوظ رہ جاتے ہیں اور ان کا مدت تک چہ چار رہتا ہے، جن میں کوئی خاص قدرت اور اثر ہوتا ہے۔ اسی طرح خطیبوں کے وہ جملے ضرور قابل اعتبار ہیں جن میں احکام شرعیہ کا بیان ہے۔ کیونکہ اس قسم کی باتوں کو لوگ فقہ کی حیثیت سے محفوظ رکھتے ہیں۔

جو واقعات اس زمانے کے مذاق کے لحاظ سے چنداں قابل ذکر نہ تھے اور باوجود اس کے ان کا ذکر آجاتا ہے ان کی نسبت سمجھنا چاہئے کہ اصل واقعہ اس سے زیادہ ہوگا۔ مثلاً ہمارے مؤرخین رزم بزم کی معرکہ آرائیوں اور رنگینوں کے مقابلے میں انتظامی امور کے بیان کرنے کے بالکل عادی نہیں ہیں بائیں ہمہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں عدالت، پولیس، بندوبست، موسم شکاری وغیرہ کا نمٹنا جو ذکر آجاتا ہے اس کی نسبت یہ خیال کرنا چاہئے کہ جس قدر قلبند ہوا اس سے بہت زیادہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زہد و تقشف، سخت مزاجی اور سخت گیری کی نسبت یہ سب کچھ روایتیں مذکور ہیں۔ اور بے شبہ اور صحابہ کی نسبت یہ اوصاف ان میں زیادہ تھے لیکن اس کے متعلق تمام روایتوں کو صحیح نہیں خیال کرنا چاہئے۔ جو حلیہ الاولیاء ابن عساکر، کنز العمال، ریاض النضرہ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ چونکہ اس قسم کی روایتیں عموماً گری محفل کا سبب ہوتی تھیں۔ اور عوام ان کو نہایت شوق سے سنتے تھے۔ اس لئے خود بخود ان میں مبالغہ کا رنگ آتا گیا ہے۔ اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ جو کتابیں زیادہ مستند اور معتبر ہیں ان میں یہ روایتیں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ اسی لئے میں نے اس قسم کی جو روایتیں اپنی کتاب میں نقل کی ہیں ان میں بڑی احتیاط کی ہے۔ اور ریاض النضرہ و ابن عساکر و حلیہ الاولیاء وغیرہ کی روایتوں کو بالکل نظر انداز کیا ہے۔

آخر میں طرز تحریر کے متعلق کچھ لکھنا بھی ضروری ہے۔ آج کل کی اعلیٰ درجہ کی تاریخیں جنہوں نے قبول عام حاصل کیا ہے فلسفہ اور انشاء پر دازی سے مرکب ہیں۔ اور اس طرز سے بیحد کر اور کوئی طرز مقبول عام نہیں ہو سکتا۔ لیکن درحقیقت تاریخ اور انشاء پر دازی کی حدیں بالکل جدا جدا ہیں ان دونوں میں جو فرق ہے وہ نقشہ اور تصویر کے فرق سے مشابہ ہے۔ نقشہ کھینچنے والے کا یہ کام ہے کسی حصہ زمین کا نقشہ کھینچنے تو نہایت دیدہ ریزی کے ساتھ اس کی وسعت، شکل، سمت، جہت، اطراف، اضلاع ایک ایک چیز کا احاطہ کرے۔ بخلاف اس کے مستور صرف ان خصوصیتوں کو لے گا یا ان کو زیادہ نمایاں صورت میں دکھائے گا جن میں

کوئی خاص انجمن تھی ہے اور جن سے انسان کی قوت منفعت پر اثر پڑتا ہے مثلاً رستم و سہراب کی داستان کو ایک مؤرخ لکھے گا تو سادہ طور پر واقعہ کی تمام جزئیات بیان کر دے گا۔ لیکن ایک انشاء پردازان جزئیات کو اس طرح ادا کرے گا کہ سہراب کی مظلومی و بیکی اور رستم کی ندامت و حسرت کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے اور واقعہ کے دیگر جزئیات بانوہو سامنے ہونے سے نظر نہ آئیں۔

مؤرخ کا اصلی فرض یہ ہے کہ وہ سارا واقعہ نگاری کی حد سے تجاوز نہ کرنے پائے۔ یورپ میں آجکل جو بڑا مؤرخ گذرا ہے اور جو طرز حال کا موجد ہے وہ بھی ہے اس کی تعریف ایک پروفیسر نے ان الفاظ میں کی ہے۔

”اس نے تاریخ میں شاعری سے کام نہیں لیا۔ وہ نہ ملک کا ہمدرد نہ مذہب اور قوم کا طرفدار ہوا۔ کسی واقعہ کے بیان کرنے میں مطلق پتہ نہیں لگتا کہ وہ کن باتوں سے خوش ہوتا ہے اور اس کا ذاتی اعتقاد کیا ہے۔“

یہ امر بھی بتا دینا ضروری ہے کہ اگرچہ میں نے واقعات میں اسباب و علل کے سلسلے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس باب میں یورپ کی بے اعتدالی سے احتراز کیا ہے۔ اسباب و علل کے سلسلے پیدا کرنے کے لیے اکثر جگہ قیاس سے کام لینا پڑتا ہے اس لئے مؤرخ کو اجتہاد اور قیاس سے چارہ نہیں۔ لیکن یہ اس کا لازمی فرض ہے کہ وہ قیاس اور اجتہاد کو واقعہ میں اس قدر ٹھوٹ کر دے کہ کوئی شخص وہ دونوں کو الگ کرنا چاہے تو نہ کر سکے۔ اہل یورپ کا عام طرز یہ ہے کہ وہ واقعہ کو اپنے اجتہاد کے موافق کر کے پیش کرتے ہیں اور انداز سے لکھتے ہیں کہ وہ واقعہ بالکل ان کے اجتہاد کے قالب میں ڈھل جاتا ہے اور کوئی شخص قیاس اور اجتہاد کو واقعہ سے الگ نہیں کر سکتا۔

اس کتاب کی ترتیب اور اصول تحریر کے متعلق چند امور لحاظ رکھنے کے قابل ہیں۔

① بعض واقعات مختلف حیثیتیں رکھتے ہیں اور مختلف عنوانوں کے تحت میں آسکتے ہیں۔ اس لئے اس قسم کے واقعات کتاب میں مکرر آگئے ہیں اور ایسا ہونا ضروری تھا۔ لیکن یہ التزام رکھا گیا ہے کہ جس خاص عنوان کے نیچے وہ واقعہ لکھا گیا ہے وہاں اس عنوان کی حیثیت زیادہ تر دکھائی گئی ہے۔

② کتابوں کا حوالہ زیادہ تر انہیں واقعات میں دیا گیا ہے جو کسی حیثیت سے قابل تحقیق

تھے اور کوئی خصوصیت خاص رکھتے تھے۔

③ جو کتابیں روایت کی حیثیت سے کم رتبہ مثلاً ازالت الخفاء و ریاض النضرۃ وغیرہ ان کا جہاں حوالہ دیا ہے اس بناء پر دیا ہے کہ خاص ایسی روایت کی تصدیق اور مستحکم کتابوں سے کر لی گئی ہے۔ غرض کئی برس کی سعی و محنت اور تلاش و تحقیق کا جو نتیجہ ہے وہ قوم کے سامنے ہے۔

من کہ یک چند زدم مر خوشی برب
کس چہ دانہ کہ دریں پندہ چہ سودا کردم
بیکرے تازہ کہ خواہم بہ عزیزان بنمید
لختے انفق خوش نیز تماشا کردم
مخل از یاد دوشین نیا سودہ ہنوز
بادہ خند ترا دوش بہ مینا کردم
باز خواہم کہ دم در تن اندیشہ دواں
من کہ در یوزہ فیض ادم عینی کردم
عنش نکند حکمت ز شریعت می جست
لختے از نسوہ مدح القدس الما کردم
شاد راز کہ کس پندہ ز دیش مگرفت
کہ از بند قبائش بہ فسون وا کردم
بسکہ ہر بار مگر بار گذشت زیں راہ
دشت معنی ہمہ پر لولے ولا نہ کردم

نام و نسب کن رشد و تربیت

سلسلہ نسب یہ ہے عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزی بن مراح بن عبد اللہ بن قریظ بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔

اہل عرب عموماً عدنان یا قحطان کی اولاد ہیں، عدنان کا سلسلہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تک پہنچتا ہے، عدنان کے نیچے گیارہویں پشت میں فہر بن مالک بڑے صاحبِ اقدار تھے ان کی اولاد ہے جو قریش کے لقب سے مشہور ہے قریش کی نسل میں سے دس شخصوں نے اپنے زورِ لیاقت سے بڑا امتیاز حاصل کیا، اور ان کے احساب سے دس جدا نامور قبیلے بن گئے یعنی ہاشم، امیہ، نوفل، عبدالدار، اسد، تیم، مخزوم، عدی، بنی، بنی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عدی کی اولاد سے ہیں، عدی کے دوسرے بھائی مرہ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد سے ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلسلہ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھویں پشت میں جا کر مل جاتا ہے قریش چونکہ خانہ کعب کے مجاور بھی تھے اس لئے دنیاوی جاہ و جلال کے ساتھ مذہبی عظمت کا جھنڈ بھی ان پر سایہ افکن تھا۔ تعلقات کی وسعت اور کام کے پھیلاؤ سے ان لوگوں کے کاروبار کے مختلف صیغے پیدا ہو گئے تھے اور ہر صیغے کا اہتمام جدا تھا۔ مثلاً خانہ کعب کی نگرانی، حجاج کی خبر گیری، سفارت، شیخ قبائل کا انتخاب، فصل، مقدمات، مجلس شورا وغیرہ وغیرہ، عدی جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جدا اعلیٰ تھے ان صیغوں میں سفارت کے صیغے کے افسر تھے یعنی قریش کو کسی قبیلے کے ساتھ کوئی معاملہ پیش آتا تو یہ سفیر بن کر جایا کرتے اس کے ساتھ متافروہ کے معرکوں میں ثالث بھی ہوا کرتے تھے عرب میں دستور تھا کہ برابر کے دو رئیسوں میں سے کسی کو افضلیت کا دعویٰ ہوتا تو ایک لائق اور باہر شاس ثالث مقرر کیا جاتا۔ اور دونوں اس کے سامنے اپنی اپنی ترجیح کے دلائل بیان کرتے کبھی کبھی ان جھگڑوں کو اس قدر طول ہوتا کہ مہینوں معرکے قائم رہتے جو لوگ ان معرکوں میں حکم مقرر کئے جاتے ان میں معاملہ فہمی کے علاوہ فصاحت اور زورِ تقریر کا جو ہر بھی دور کا ہو تائبہ دونوں منصب عدی کے خاندان میں نہ بعد نسل چلے آتے تھے۔

۱۔ یہ تمام تفصیل مقدار التریب باب فضائل عرب میں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جد امجد

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا نفیل بن عبد العزی نے اپنے اسلاف کی طرح ان خدمتوں کو نہایت قابلیت سے انجام دیا، اور اس وجہ سے بڑے عالی رتبہ لوگوں کے مقدمات ان کے پاس فیصلہ کرنے کے لئے آتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد عبد المطلب اور حرب بن اُمیہ میں جب ریاست کے دعویٰ پر نزاع ہوئی تو دونوں نے نفیل ہی کو حکم مانا نفیل نے عبد المطلب کے حق میں فیصلہ کیا۔ اور اس وقت حرب کی طرف مخاطب ہو کر یہ جملہ کئے۔

اتنا لرو جلا ھوا طول منک فامتہ واوسم و سامتہ واعظم منک
ھامتہ واکثر منک ولدًا و اجزل منک سفدًا وانی لا اقول ھذا
وانک لبعید الغضب رفیع الصوت فی العرب جلد المریدۃ
لجبل العشیرۃ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے برادرِ عم زاد

نفیل کے دو بیٹے تھے عمرو، خطاب، عمرو معمولی لیاقت کے آدمی تھے لیکن ان کے بیٹے زید جو نفیل کے پوتے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا زاد بھائی تھے نہایت اعلیٰ درجہ کے شخص تھے وہ ان ممتاز بزرگوں میں تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بحث سے پہلے اپنے اجتہاد سے بت پرستی کو ترک کر دیا تھا۔ اور موحد بن گئے تھے ان میں زید کے سوا باقیوں کے یہ نام ہیں۔ قیس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل۔

زید بت پرستی اور رسومِ جاہلیت کو علانیہ برا کہتے تھے اور لوگوں کو دینِ ابراہیمی کی ترغیب دلاتے تھے اس پر تمام لوگ ان کے دشمن ہو گئے جن میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد خطاب سب سے زیادہ سرگرم تھے خطاب نے اس قدر ان کو تنگ کیا کہ وہ آخر مجبور ہو کر مکہ معظمہ سے نکل گئے اور حراء میں جا رہے تاہم کبھی کبھی چھپ کر کعبہ کی زیارت کو آتے زید کے اشعار آج بھی موجود ہیں۔ جن سے ان کے اجتہاد اور روشن ضمیری کا اندازہ ہو سکتا ہے، دو شعر یہ ہیں۔

أَنَا وَاحِدًا أَمِ الْفَرْجِ

۲۔ زید کا مفصل حال اسد القلاب کتاب الادا کل اور معارف ابنِ حجر میں ملے گا۔

ادین اذا تقسمت الامور
ترکت اللات والعزى جميعا
كذلك يفعل الرجل البصير

ایک خدا کو مانویا ہزاروں کو؟ جبکہ امور تقسیم ہو گئے۔ میں نے لات اور عزی (بتوں کے نام تھے) سب کو خیر یاد کیا اور سمجھا کہ آوی ایسا ہی کرتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے والد خطاب

خطاب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد قریش کے ممتاز آدمیوں میں سے تھے قبیلہ عدی اور بنو عبد الشمس میں مدت سے عداوت چلی آتی تھی اور چونکہ بنو عبد الشمس کا خاندان بڑا تھا اس لئے غلبہ انہیں کو رہتا تھا عدی کے تمام خاندان نے جس میں خطاب بھی شامل تھے مجبور ہو کر سہم کے واسطے میں پناہ لی اس پر بھی مخالفوں نے لڑائی کی دھمکی دی تو خطاب نے یہ اشعار کہے۔

ابو عدی ابو عمر وودونی
رجال لا یبھتھا الوعد
رجال من بنی سہم بن عمرو
الی ایما تھم یلوی الطرید

کل آٹھ شعر ہیں اور علامہ ارنزی نے تاریخ مکہ میں ان کو جہاں نقل کیا ہے عدی کا تمام خاندان مکہ معظمہ میں مقام سفا میں سکونت رکھتا تھا۔ لیکن جب انہوں نے بنو سہم سے تعلق پیدا کیا تو مکانات بھی انہی کے ہاتھ چلنے لگے۔ لیکن خطاب کے متعدد مکانات سفا میں باقی رہے جن میں سے ایک مکان حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وراثت میں پہنچا تھا۔ یہ مکان سفا اور مہوہ کے بیچ میں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ڈھاکر حاجیوں کو اترنے کے لئے میدان بنادیا۔ لیکن اس کے متعلق بعض دکانیں مدت تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان کے قبضے میں رہیں۔ خطاب نے متعدد شادیاں اونچے گھرانوں میں کیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماں کا نام ختمہ تھا ابن ہشام بن المغیرہ کی بیٹی تھیں مخیرہ اس رجب کے آوی تھے کہ جب قریش کسی سے لڑنے کے لئے جاتے

تھے توفیق کا اہتمام انہی کے متعلق ہوتا تھا۔ اسی مناسبت سے ان کو صاحب الاعتد کا لقب حاصل تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہی کے پوتے تھے مخیرہ کے بیٹے ہشام بھی جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتا تھے۔ ایک ممتاز آدمی تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ولادت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور روایات کے مطابق ہجرت نبوی سے ۳۰ برس قبل پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت اور بچپن کے حالات بالکل نامعلوم ہیں۔ حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں عمرو بن عامر کی زبانی ایک روایت نقل کی ہے کہ میں چند احباب کے ساتھ ایک جملہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ دفعۃً ایک غل اٹھا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ خطاب کہ گھر بیٹا پیدا ہوا ہے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیدا ہونے پر غیر معمولی خوشی کی گئی تھی۔ ان کے سن رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں اور کیونکر معلوم ہوتے اس وقت کس کو خیال تھا کہ یہ جوان آگے چل کر فاروق اعظم ہونے والا ہے تاہم نہایت تحقیص اور تلاش سے کچھ کچھ حالات بہم پہنچے جن کا نقل کرنا ناموزوں نہ ہو گا۔

سن رشد

سن رشد کو پہنچ کر ان کے باپ خطاب نے ان کو جو خدمت سپرد کی وہ اونٹوں کو چرانا تھا۔ یہ شغل اگرچہ عرب میں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ قومی شعار تھا لیکن خطاب نہایت بے رحمی کے ساتھ ان سے سلوک کرتے تمام تمام دن اونٹ چرانے کا کام لیتے اور جب کبھی تھک کر دم لینا چاہتے تو سزا دیتے۔ جس میدان میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ مصیبت انگیز خدمات انجام دینی پڑتی تھی۔ اس کا نام فہنان تھا۔ جو مکہ معظمہ کے قریب قدید سے ۴۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ خلافت کے زمانے میں ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اوجھر سے گذر ہوا تو ان کو نہایت عبرت ہوئی، تب دیدہ ہو کر فرمایا کہ اللہ اکبر ایک وہ زمانہ تھا کہ میں زندہ کا کرت پئے ہوئے اونٹ چرایا کرتا تھا اور تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا۔ آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا میرے اوپر کوئی حاکم نہیں۔ (طبقات ابن سعد)

شباب کا آغاز ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے جو شرفائے عرب میں عموماً معمول تھے عرب میں اس وقت جن چیزوں کی تعلیم دی جاتی تھی اور جو لازمہ شرافت خیال کی جاتی تھیں 'نسب دانی' 'سپہ گری' 'پهلوانی اور مقررہی' 'خمی'

نسب دانی کا فن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان میں موروثی چلا آتا تھا، جا عہ نے کتاب البیان والتبيين میں بتصریح لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے باپ اور وادان نقل تینوں بڑے نساب تھے، غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان میں جیسا کہ ہم ابھی لکھ آئے ہیں سفارت اور متافرتیہ دونوں منصب موروثی چلے آتے تھے اور ان کے انجام دینے کے لئے نساب کا جاننا سب سے مقدم امر تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نساب کا فن اپنے باپ سے سیکھا۔ جا عہ نے تصریح کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب نساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تھے تو ہمیشہ اپنے باپ خطاب کا حوالہ دیتے تھے۔

پہلوانی اور کشتی کے فن میں بھی کمال حاصل تھا، یہاں تک کہ عکاظ کے دنگل میں معرکے کی کشتیاں لڑتے تھے، عکاظ جبل عرفات کے پاس ایک مقام تھا جہاں سال کے سال اس غرض سے میلہ لگتا تھا کہ عرب کے تمام اہل فن جمع ہو کر اپنے کمالات کے جوہر دکھاتے تھے اس لئے وہی لوگ یہاں پیش ہو سکتے تھے جو کسی فن میں کمال رکھتے تھے، تا بعد، نزیانی، حسان بن ثابت، قیس بن ساعدہ، غنماء، جن کو شاعری اور ملکہ تقریر میں تمام عرب مانتا تھا، اسی تعلیم گاہ کے تعلیم یافتہ تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف میں یہ سند روایت نقل کی ہے کہ عکاظ کے دنگل میں کشتی لڑا کرتے تھے اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فن میں پورا کمال حاصل کیا تھا۔

شہسواری کی نسبت ان کا کمال عموماً مسلم ہے چنانچہ جا عہ نے لکھا ہے کہ وہ گھوڑے پر اچھل کر سوار ہوتے تھے اور اس طرح جم کر بیٹھتے تھے کہ جلد بدن ہو جاتے تھے۔ قوت تقریر کی نسبت اگرچہ کوئی مصرح شہادت موجود نہیں لیکن یہ امر تمام مبارخین نے اتفاق لکھا ہے کہ اسلام لانے سے پہلے قریش نے ان کو سفارت کا منصب دے دیا تھا۔ اور یہ منصب صرف اس شخص کو مل سکتا تھا جو قوت تقریر اور معاملہ فہمی میں کمال رکھتا تھا۔

اس کتاب کے دوسرے حصے میں ہم نے اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شاعری کا نہایت عمدہ مذاق رکھتے تھے اور تمام مشہور شعراء کے چیدہ اشعار ان کو یاد تھے اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ یہ مذاق انہوں نے جاہلیت میں ہی عکاظ کی تعلیم گاہ میں حاصل کیا ہو گا۔ کیونکہ اسلام لانے کے بعد وہ مذہبی اشغال میں ایسے محو ہو گئے

۱۔ طبقات ابن سعد (مطبوعہ مصر) صفحہ ۲۰۲۔ ۲۔ نساب الاشراف، ردھم میں شائع ہوئی ہے۔

تھے کہ اس قسم کے چرچے بھی چنداں پسند نہیں کرتے تھے۔ اسی زمانے میں انہوں نے لکھنا شروع کیا بھی سیکھ لیا تھا۔ اور یہ وہ خصوصیت تھی جو اس زمانے میں بہت کم لوگوں کو حاصل تھی، علامہ بلاذری نے یہ سند لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو قریش کے تمام قبیلے میں عمل آرمی تھے۔ جو لکھنا جانتے تھے، ان میں ایک عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ (فتح البلدان بلاذری صفحہ ۴)

ان فنون سے فارغ ہو کر وہ فکر معاش میں مصروف ہوئے، عرب میں معاش کا ذریعہ زیادہ تر تجارت تھا، اس لئے انہوں نے بھی یہی شغل اختیار کیا۔ اور یہی شغل ان کی بہت بڑی ترقیوں کا سبب ہوا، وہ تجارت کی غرض سے دور دور ملکوں میں جاتے تھے۔ اور بڑے بڑے لوگوں سے ملتے تھے، خود داری، بلند حوصلگی، تجرید کاری، معاملہ دانی، یہ تمام اوصاف جو ان میں اسلام لانے سے قبل پیدا ہو گئے تھے، سب انہی فنون کی بدولت تھے، ان فنون کے حالات اگرچہ نہایت دلچسپ اور نتیجہ خیز ہوں گے لیکن انفسوس ہے کہ کسی مؤرخ نے ان پر توجہ نہیں کی۔ علامہ مسعودی نے اپنی مشہور کتاب مروج الذهب میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ :

ولعمر بن الخطاب اخبار كثير في اسفاره في الجاهلية والى الشام

والعراق مع كثير من ملوك العرب والمعجم وقد اتينا على

مبسوطها في كتابنا اخبار الزمان والكتب الاوسط

”عمر بن خطاب نے جاہلیت کے زمانے میں عراق اور شام کے جو سفر

کئے ان فنون میں جس طرح وہ عرب و عجم کے بادشاہوں سے ملے

اس کے متعلق بہت سے واقعات ہیں جن کو میں نے تفصیل کے

ساتھ اپنی کتاب اخبار الزمان اور کتاب الاوسط میں لکھا ہے۔“

علامہ موصوف نے جن کتابوں کا حوالہ دیا اگرچہ وہ فن تاریخ کی جان ہیں۔ لیکن قوم کی ہمدانی سے مدت ہوئی ناپید ہو چکی ہیں، میں نے صرف اس غرض سے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان حالات کا پتہ لگ سکے، قسطنطنیہ کے تمام کتب خانے چھان مارے۔ لیکن کچھ کامیابی نہ ہوئی۔

محمد ثبن عساکر نے تاریخ دمشق میں جس کی بعض جلدیں میری نگاہ سے گذری ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سفر کے بعض واقعات لکھے ہیں۔ لیکن ان میں کوئی دلچسپی نہیں۔

مختصر یہ کہ حکاک کے محرکوں اور تجارت کے تجربوں نے ان کو تمام عرب میں روشناس کر دیا اور لوگوں پر ان کی قابلیت کے جوہر روز بروز کھلتے گئے یہاں تک کہ قبیلہ نے ان کو سفارت کے منصب پر مامور کر دیا۔ قبائل میں جب کوئی پرخطر معاملہ پیش آتا تو انہی کو سفیر بنا کر بھیجتے۔

قبول اسلام اور ہجرت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ستائیسواں سال تھا کہ عرب میں آفتاب رسالت طلوع ہوا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اسلام کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھرانے میں زید کی وجہ سے توحید کی آواز بالکل ناموس نہیں رہی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعید اسلام لائے۔ سعید کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن فاطمہ سے ہوا تھا۔ اس تعلق سے فاطمہ بھی مسلمان ہو گئیں اسی خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیم بن عبد اللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی تک اسلام سے بیگانہ تھے۔ ان کے کانوں میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے۔ یہاں تک کہ قبیلے میں جو لوگ اسلام لاپکے تھے ان کے دشمن بن گئے۔ لیکن ان کے خاندان میں ایک کثیر تھی جس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کو بے تحاشہ مارتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے ذرا دم لے لوں تو پھر ماروں گا۔ لیکن ان کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا تھا زور کو بے دریغ نہیں کرتے تھے۔ لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جس کو چڑھ جاتا تھا اترتا نہ تھا۔ ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بدلہ نہ کر سکے۔ آخر مجبور ہو کر فیصلہ کیا کہ (خود یا اللہ) خود بانی اسلام کا قصد پاک کروں، تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے۔ کارکنانِ قضا نے کہا۔ ع

آند تھل یادے کہ مامی خواہیم

راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبد اللہ مل گئے۔ ان کے تیر دیکھ کر پوچھا خیر تو ہے؟ بولے کہ ”محمّد کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔“ انہوں نے کہا کہ ”پہلے اپنے گھر کی خبر لو، خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لاپکے ہیں۔“ فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے۔ وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں۔ اور قرآن کے اجزاء چھپائے لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا کہ یہ کیا آواز تھی۔ بہن نے کہا کہ کچھ نہیں۔ بولے کہ نہیں میں سن پکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گربان ہو گئے۔ اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبر لی۔ یہاں تک کہ ان کا بدن لہو لہان ہو گیا۔ اسی حالت میں

ان کی زبان سے نکلا کہ ”عمرو! جو بن آئے کرو۔ لیکن اسلام اس دل سے نہیں نکل سکتا۔“ ان الفاظ نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل پر خاص اثر کیا۔ بسن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ ان کے بدن سے خون جاری تھا۔ یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی فرمایا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ۔ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قرآن کے اجزاء لا کر سامنے رکھ دیئے۔ اٹھا کر دیکھا تو یہ سورۃ تھی۔

سبح للہ ما فی السموات والارض وهو العزيز الحکیم۔

ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے امنوا باللہ ورسولہ تب بے اختیار پکار اٹھے کہ

اشھدان لا الہ الا اللہ واشھدان محمدًا رسول اللہ۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارقم کے مکان میں جو کوہ صفا کی فلی میں واقع تھا پناہ گزین تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکھٹ گئے تھے۔ اور اس تازہ واقعہ کی کسی کو اطلاع نہ تھی اس لئے صحابہ کو تردد ہوا۔ لیکن حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آنے دو۔ مخلصانہ آیا ہے۔ تو بہتر ورنہ اسی کی تمنا سے اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا ”کیوں عمر کس ارادہ سے آیا ہے؟“ نبوت کی پر وعب توازن نے ان کو کپکپا دیا ”نصایت خضوع کے ساتھ عرض کیا کہ ”ایمان لانے کے لئے“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے۔ اور ساتھ ہی تمام اصحاب نے مل کر زور سے اللہ اکبر کا نغمہ مارا کہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

(ساب الاشراف بلاذری و طبقات ابن سعد واسد الغابہ ابن مبارک و ذیل ابن الاثیر)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ میں نیا دور پیدا کر دیا۔ اس وقت تک ۳۰۰۰۰ آدمی اسلام لائے تھے۔ عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہ سید الشہداء نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ تاہم اپنے مذہبی فرائض طمانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے۔ اور کعبہ میں تو نماز پڑھنا بالکل ناممکن تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام کے ساتھ وفتحیہ حالت بدل گئی۔ انہوں نے اپنا اسلام ظاہر کیا کافروں نے اول اول ان پر بڑی شدت کی۔ لیکن وہ برابر ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی ”ابن ہشام نے اس واقعہ کو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی زبانی ان الفاظ میں روایت کیا۔

فلما سلم عمر قاتل لربشاً حتی صلی عند الکعبۃ وصلیامعہ
”جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے تو قریش سے لڑے یہاں
تک کہ کعبہ میں نماز پڑھی اور ان کے ساتھ ہم نے بھی پڑھی۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام کا واقعہ سنہ نبوی کے چھٹے سال میں واقع ہوا۔

ہجرت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہجرت

اہل قریش ایک مدت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کو بے پروائی کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔ لیکن اسلام کو جس قدر شیوع ہوتا جاتا تھا ان کی بے پروائی غصہ اور ناراضی سے بدلتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ جب ایک جماعت کثیر اسلام کے حلقے میں آگئی تو قریش نے زور اور قوت کے ساتھ اسلام کو مٹانا چاہا۔ حضرت ابوطالب کی زندگی تک تو علانیہ کچھ نہ کر سکے۔ لیکن ان کے انتقال کے بعد کفار ہر طرف سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جس جس مسلمان پر قابو ملا اس طرح ستانا شروع کیا کہ اگر اسلام کے جوش اور وارفتگی کا اثر نہ ہوتا تو ایک شخص بھی اسلام پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ حالت پانچ چھ برس تک رہی اور یہ زمانہ اس سختی سے گذرا کہ اس کی تفصیل ایک نیا بیت درد انگیز داستان ہے۔

اسی اثناء میں مدینہ منورہ کے ایک معزز گروہ نے اسلام قبول کر لیا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جن لوگوں کو کفار کے ستم سے نجات نہیں مل سکتی وہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں سب سے پہلے ابو سلمہ عبد اللہ بن اسہل رضی اللہ تعالیٰ عنہم پھر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مؤذن اور عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت کی، ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہیں آدمیوں کے ساتھ مدینہ کا قصد کیا، صحیح بخاری میں ۱۰۰۰ کا عدد مذکور ہے۔ لیکن ناموں کی تفصیل نہیں ”ابن ہشام نے بعضوں کے نام لکھے اور وہ یہ ہیں۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جن لوگوں نے ہجرت کی

زید بن خطاب، سعید بن زید بن خطاب، خنیس بن حذافہ، سہمی، عمو بن سراقہ، عبد اللہ بن سراقہ، واقد بن عبد اللہ تمیمی، خولی بن ابی خولی، مالک بن ابی خولی، ایاس بن بکیر، عاقل بن بکیر، عامر بن بکیر، خالد بن بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان میں سے زید حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی سعید بیچے، خنیس داماد اور باقی دوست احباب تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قیام گاہ

مدینہ منورہ کی وسعت چونکہ کم تھی، مہاجرین زیادہ تر قبائلیں (جو مدینہ سے دو تین میل ہے) قیام کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہیں رفاہ بن عبد المنذر کے مکان پر ٹھہرے۔ قبائلیوں کو عوامی بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ان کے قریب گاہ کا نام عوامی ہی لکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد اکثر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ہجرت کی۔ یہاں تک کہ (۳۳ھ) سہری جبری نبوی میں جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ چھوڑا اور آفتاب رسالت مدینہ کے افق سے طالع ہوا۔

مہاجرین اور انصار میں اخوت

مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کے رہنے سنے کا انتظام کیا، انصار کو بلا کر ان میں اور مہاجرین میں برادری قائم کی جس کا اثر یہ ہے کہ جو مہاجر جس انصاری کا بھائی بن جاتا انصاری مہاجر کو اپنی جائیداد، اسباب، نقدی تمام چیزوں میں سے کچھ آدھا بانٹ دیتا تھا، اس طرح تمام مہاجرین اور انصار بھائی بھائی بن گئے، اس رشتہ کے قائم کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طریقین کے رتبہ اور حیثیت کا فرق مراتب ملحوظ رکھتے تھے، یعنی جو مہاجر جس درجے کا ہو یا اسی درجے کے انصاری کو لڑکا بھائی بناتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلامی بھائی

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جس کا بھائی قرار دیا، ان کا نام عثمان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا، جو قبیلہ بنو سالم کے سردار تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک چھوٹے بہنوئی ابن ہشام صحابہ امین تھے، مقدس مقام انصاری (۳۳ھ) میں عثمان کی بجائے اس بن خولی کا نام لکھا ہے لیکن وجہ یہ کہ خود علامہ موصوف نے اسباب میں ابن سعد کے حوالے سے عثمان ہی کا نام لکھا ہے اور اس بن خولی کا جہاں حال لکھا ہے حضرت عثمان غنی کا ذکر نہیں کیا۔

تشریف لانے پر بھی اکثر صحابہ نے قبائلیں میں قیام رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہیں مقیم رہے۔ لیکن یہ معمول کر لیا کہ ایک دن ٹانگہ دے کر بالائے اترام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے اور دن بھر خدمت اقدس میں حاضر رہتے۔ ٹانگہ کے دن یہ بندوبست کیا تھا کہ ان کے برادر اسلامی عثمان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر روایت کرتے تھے، چنانچہ بخاری نے متعدد ابواب مثلاً باب العلم، باب الزکاة وغیرہ میں شمع اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

مدینہ پہنچ کر اس بات کا وقت آیا کہ اسلام کے فرائض و ارکان محدود اور معین کئے جائیں کیونکہ مکہ معظمہ میں جان کی حفاظت ہی سب سے بڑا فرض تھا، یہی وجہ تھی کہ زکوٰۃ روزہ، نماز جمعہ، نماز عیدین، صدقہ فطر کوئی چیز وجود میں نہیں آئی تھی۔ نمازوں میں بھی یہ اختصار تھا کہ مغرب کے سوا باقی نمازوں میں صرف دو دو رکعتیں تھیں۔ یہاں تک کہ اعلان کا طریقہ بھی نہیں معین ہوا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انتظام کرنا چاہا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں نماز کے اعلان کے لئے بوق اور ناقوس کا رواج تھا۔ اس لئے صحابہ یہی رائے دی، ابن ہشام نے روایت کی ہے کہ یہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز تھی۔ بہر حال یہ طرزیر بحث تھا، اور کوئی رائے قرار نہیں پائی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آٹکے اور انہوں نے کہا کہ ایک آوی اعلان کرنے کے لئے کیوں نہ مقرر کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری کتاب الاذان)

اذان کا طریقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق قائم ہوا

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان نماز کا دیباچہ اور اسلام کا بڑا شعار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اس سے زیادہ کیا فخری بات ہو سکتی ہے کہ یہ شعار اعظم انہی کی رائے کے موافق قائم ہوا۔

سن ۴۳۳ ہجری تا وفات رسول اللہ ﷺ

غزوات و دیگر حالات

سن ۴۳۳ ہجری سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعات اور حالات درحقیقت سیرۃ نبوی کے اجزاء ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو لڑائیاں پیش آئیں غیر قوموں سے جو معاہدات عمل میں آئے وقتاً فوقتاً جو انتظامات جاری کئے گئے، اشاعت اسلام کے لئے جو تدبیریں اختیار کی گئیں ان میں سے ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرکت کے بغیر انجام پایا ہو، لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر تمام واقعات پوری تفصیل کے ساتھ لکھے جائیں تو کتاب کا یہ حصہ سیرۃ نبوی سے بدل جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ کارنامے گو کہ تھے لیکن چونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ حالات سے وابستہ ہیں، اس لئے جب قلمبند کئے جائیں گے تو تمام واقعات کا عنوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہی قرار پائے گا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارنامے نمونہ ذکر میں آئیں گے۔ اس لئے ہم نے مجبوراً یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ یہ واقعات نہایت اختصار کے ساتھ لکھے جائیں۔ اور جن واقعات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاص تعلق ہے ان کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا جائے۔ اس صورت میں اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارنامے نمایاں ہو کر نظر نہ آئیں گے۔ کیونکہ جب تک کسی واقعہ کی پوری تصویر نہ دکھائی جائے اس کی اصل شان قائم نہیں رہتی تاہم اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی۔

اب ہم اختصار کے ساتھ ان واقعات کو لکھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ کو ہجرت کی تو قریش کو خیال ہوا کہ اگر مسلمانوں کا جلد استیصال نہ کرویا جائے تو وہ زور پکڑ جائیں گے۔ اس خیال سے انہوں نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں۔ تاہم ہجرت کے دوسرے سال تک کوئی قابل ذکر معرکہ نہیں ہوا، صرف اس قدر ہوا کہ دو تین دفعہ قریش چھوٹے چھوٹے گروہ کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبریا کر ان کو روکنے کے لئے تھوڑی تھوڑی سی

فوجیں بھیجیں اور وہ وہیں رک گئے۔

غزوہ بدر سن ۴۳۳ ہجری (۶۳۳ء)

۴ ہجری (۶۳۳ء) میں بدر کا واقعہ پیش آیا جو نہایت مشہور معرکہ ہے۔ اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ ابوسفیان جو قریش کا سردار تھا تجارت کا مال لے کر شام سے واپس آ رہا تھا کہ راہ میں یہ (غلط) خبر سن کر کہ مسلمان اس پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، قریش کے پاس قاصد بھیجا اور ساتھ ہی تمام مکہ آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ خبر سن کر تین سو آدمیوں کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ عام مؤرخین کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ سے لکنا صرف قافلہ کے لوٹنے کی غرض سے تھا۔ لیکن یہ امر محض غلط ہے۔ قرآن مجید جس سے زیادہ کوئی قطعی شہادت نہیں ہو سکتی، اس میں جہاں اس واقعہ کا ذکر ہے یہ الفاظ ہیں۔

كما اخرجك ربك من بيتك بالحق وان فريقاً من المؤمنين لكارهون
بجادلونك في الحق بعد ما تبين كانما يساوقون الى
الموت وهم ينظرون واذ يمدكم الله احدى الطالفتين انهما
لكم وتودون ان غير ذات الشوكه تكون لكم -

”بسیا کہ تجھ کو تیرے پروردگار نے تیرے گھر (مدینہ) سے سچائی پر نکالا اور جنگ مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا وہ تجھ سے سچی بات پر جھگڑتے تھے۔ بعد اس کے سچی بات ظاہر ہو گئی گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور وہ اس کو دیکھ رہے ہیں اور جب کہ خدا وہ گروہوں میں سے ایک کا تم سے وعدہ کرتا تھا اور تم چاہتے تھے کہ جس گروہ میں کچھ زور نہیں ہے وہ ہاتھ آئے“

① جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے لکنا چاہا تو مسلمانوں کا ایک گروہ ہچکچاتا تھا۔ اور سمجھتا تھا کہ موت کے منہ میں جانا ہے۔

② مدینہ سے نکلنے کے وقت کافروں کے دو گروہ تھے ایک غیر ذات الشوکہ، یعنی ابوسفیان کا کاروان تجارت اور دوسرا قریش کا گروہ جو مکہ سے حملہ کرنے کے لئے سرسلمان کے ساتھ نکل چکا تھا۔

اس کے علاوہ ابوسفیان کے قافلہ میں ۴۰ آدمی تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

مدینے سے تین سو بہادروں کے ساتھ نکلے تھے۔ تین سو آدمی ۳۰ آدمی کے مقابلہ کو کسی طرح موت کے منہ میں جانا نہیں خیال کر سکتے تھے۔ اس لئے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قافلے کے لوٹنے کے لئے نکلے تو خدا ہرگز قرن مجید میں یہ نہ فرما تا کہ مسلمان ان کے مقابلے کو موت کے منہ میں جانا سمجھتے تھے۔

بہر حال ۸ رمضان ہجری کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۳۳ آدمیوں کے ساتھ جن میں سے ۸۳ مہاجرین اور باقی انصار تھے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ قریش کے ساتھ جمعیت تھے جن میں بڑے بڑے مشہور بہادر شریک تھے مقام بدر میں جو مدینہ منورہ سے قریب ۶ منزل ہے معرکہ ہوا۔ اور کفار کو شکست ہوئی۔ مسلمانوں میں سے ۳۰ آدمی شہید ہوئے جن میں ۶ مہاجر اور ۸ انصار تھے قریش کی طرف ۵۰ مقتول اور اسی گرفتار ہوئے۔ مقتولین میں ابو جہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ اور بڑے بڑے رؤسائے مکہ تھے اور ان کے قتل ہونے سے قریش کا زور ٹوٹ گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ اس معرکہ میں رائے و تدبیر جاننا بڑی پیامدگی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و پاؤں رہے۔ لیکن ان کی شرکت کی مخصوص خصوصیات یہ ہیں۔

① قریش کے تمام قبائل اس معرکہ میں آئے۔ لیکن بنو عدی یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبیلے میں سے ایک شخص بھی شریک جنگ نہ نہیں ہوا اور یہ امر جہاں تک قیاس کیا جاسکتا ہے صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رعب و ادب کا اثر تھا۔

② حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کے قبیلے اور خلفاء کے ۴ آدمی شریک جنگ تھے جن کے نام یہ ہیں۔ زید بن حارثہ، عروہ بن مسعود، واقد بن عبد اللہ، خلی بن ابی خلی، عامر بن ربیعہ، عامر بن بکیر، خالد بن بکیر، ایاس بن بکیر، عاقل بن بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم

③ سب سے پہلے جو شخص اس معرکہ میں شہید ہوا وہ صحیح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام تھا۔ (ابن ہشام صفحہ ۴۵۵)

④ عاصی بن ہشام بن مغیرہ جو قریش کا ایک معزز سردار اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ماموں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ (ابن جریر صفحہ ۵۵۹، استیاب)

یہ بات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصوصیات میں شمار کی گئی ہے کہ اسلام کے معاملات میں قربت اور محبت کا اثر ان پر کبھی غالب نہیں آسکتا تھا۔ چنانچہ یہ واقعہ اس کی

۱ طبری ۱۰۱ ص ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶، ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱، ۱۶۶۲، ۱۶۶۳، ۱۶۶۴، ۱۶۶۵، ۱۶۶۶، ۱۶۶۷، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۷۰، ۱۶۷۱، ۱۶۷۲، ۱۶۷۳، ۱۶۷۴، ۱۶۷۵، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۷۹، ۱۶۸۰، ۱۶۸۱، ۱۶۸۲، ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، ۱۶۹۱، ۱۶۹۲، ۱۶۹۳، ۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۱۶۹۶، ۱۶۹۷، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۱۷۰۶، ۱۷۰۷، ۱۷۰۸، ۱۷۰۹، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۳، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵، ۱۷۱۶، ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، ۱۷۱۹، ۱۷۲۰، ۱۷۲۱، ۱۷۲۲، ۱۷۲۳، ۱۷۲۴، ۱۷۲۵، ۱۷۲۶، ۱۷۲۷، ۱۷۲۸، ۱۷۲۹، ۱۷۳۰، ۱۷۳۱، ۱۷۳۲، ۱۷۳۳، ۱۷۳۴، ۱۷۳۵، ۱۷۳۶، ۱۷۳۷، ۱۷۳۸، ۱۷۳۹، ۱۷۴۰، ۱۷۴۱، ۱۷۴۲، ۱۷۴۳، ۱۷۴۴، ۱۷۴۵، ۱۷۴۶، ۱۷۴۷، ۱۷۴۸، ۱۷۴۹، ۱۷۵۰، ۱۷۵۱، ۱۷۵۲، ۱۷۵۳، ۱۷۵۴، ۱۷۵۵، ۱۷۵۶،

اور کوئی دشمن مدینہ پر چڑھ آئے تو مسلمانوں کی مدد کریں گے۔ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے فوجیاب آئے تو ان کو ڈر پیدا ہوا کہ مسلمان نور پکڑ کر ان کے برابر کے حریف نہ بن جائیں۔ چنانچہ خود چھیڑ شروع کی۔ اور کہا کہ "قریش والے فن حرب سے نا آشنا تھے۔ ہم سے کام پڑتا تو ہم دکھا دیے کہ لڑنا اس کو کہتے ہیں" تو یہاں تک پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو معاہدہ کیا تھا توڑ ڈالا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال ۶ ہجری میں ان پر چڑھائی کی۔ اور بالآخر وہ گرفتار ہو کر مدینہ سے جلا وطن کر دیئے گئے۔ اسلام کی تاریخوں میں یہودیوں سے لڑائیوں کا جو ایک متصل سلسلہ نظر آتا ہے اس کی ابتداء اسی سے ہوئی تھی۔

غزوہ سویق

قریش بدر میں شکست کھا کر انتقام کے جوش میں بیتاب تھے۔ ابوسفیان نے عہد کر لیا تھا کہ جب تک بدر کا انتقام نہ لوں گا غسل تک نہ کروں گا۔ چنانچہ فوجیاب ہجری میں دو سو شتر سواروں کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچ کر دھوکے سے دو مسلمانوں کو پکڑا۔ اور ان کو قتل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے تعاقب کیا۔ لیکن ابوسفیان نکل گیا تھا۔ اس قسم کے چھوٹے چھوٹے واقعات اور بھی پیش آتے رہے یہاں تک کہ شوال ۶ ہجری (۶۳۵ء) میں جنگ احد کا مشہور واقعہ ہوا۔

غزوہ احد سمر ہجری

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل اور دیگر مت سے سرداران قریش نے ابوسفیان سے جا کر کہا کہ اگر تم مصارف کا ذمہ اٹھاؤ تو اب بھی بدر کا انتقام لیا جاسکتا ہے۔ ابوسفیان نے قبول کیا۔ اور اسی وقت حملہ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ کنانہ اور قریظہ کے تمام قبائل بھی ساتھ ساتھ ہو گئے۔ ابوسفیان ان کا سپہ سالار بن کر بڑے سروسامان کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوا۔ اور ماہ شوال بدھ ۱۰ھ مدینہ منورہ کے قریب پہنچ کر مقام کیا۔ آنحضرت کی رائے تھی کہ مدینہ میں ٹھہر کر قریش کا حملہ روکا جائے۔ لیکن صحابہ نے نہ مانا اور آخر مجبور ہو کر جمعہ کے دن مدینہ سے نکلے، قریش کی تعداد تین ہزار تھی جس میں ۴۰۰ سوار اور ۴۰۰ زہ پوش تھے۔ میمنہ کے اشرף خالد بن الولید اور میسرہ کے عکرمہ بن ابی جہل تھے۔ (اس وقت تک یہ دونوں

صاحب اسلام نہیں لائے تھے) اور کل ۴۰۰ آدمی تھے جن میں سوزہ پوش اور صرف دو سوار تھے۔ مدینہ سے قریب تین میل پر احد ایک پہاڑ ہے۔ اس کے دامن میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جبر کو ۵۰ تیر اندازوں کے ساتھ فوج کے عقب پر متعین کیا کہ اوہر سے کفار حملہ نہ کرنے پائیں، ۵۰ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی، سب سے پہلے زہر نے اپنی رکاب کی فوج کو لے کر حملہ کیا۔ اور قریش کے میمنہ کو شکست دی، پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو دجانہ دشمن کی فوج میں گھس گئے۔ اور ان کی صفیں الٹ دیں۔ لیکن فتح کے بعد لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے، تیر اندازوں نے سمجھا کہ اب معرکہ ختم ہو چکا ہے اس خیال سے وہ بھی لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ تیر اندازوں کا ہٹنا تھا کہ خالد نے دفعتاً عقب سے بڑے زور و شور کے ساتھ حملہ کیا، مسلمان چونکہ ہتھیار ڈال کر غنیمت میں مصروف ہو چکے تھے۔ اس ناگہانی زد کو نہ روک سکے، کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھریوں اور تیروں کی بوچھاڑ کی۔ یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے۔ پیشانی پر زخم کیا اور رخساروں میں مفری کڑیاں چبھ گئیں۔ اس کے ساتھ آپ ایک گڑھے میں گر پڑے۔ اور لوگوں کی نظر سے چھپ گئے، اس برہمی میں یہ غل پڑ گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہارے گئے۔ اسی خبر نے مسلمانوں کے اشتعال کو متزلزل کر دیا۔ اور جو جہاں تھا وہیں سرا سیمہ ہو کر رہ گیا۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخیر تک کس قدر صحابہ ثابت قدم رہے صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف سات انصار اور دو قریشی یعنی سعد اور طلحہ رہ گئے تھے۔ نسائی اور بیہقی میں بسند صحیح معقول ہے کہ گیارہ انصار اور طلحہ کے سوا اور کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں رہا تھا۔ محمد بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۳۳ تو میں کا نام لیا ہے۔ اسی طرح اور بھی مختلف روایات ہیں۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ان روایات میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ لوگ جب اوہر اوہر پھیل گئے تو کافروں نے دفعتاً عقب سے حملہ کیا۔ اور مسلمان سرا سیمہ ہو کر جو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ پھر جس طرح موقع ملا گیا لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔

تمام روایات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو کچھ تو ایسے سرا سیمہ ہوئے کہ انہوں نے مدینہ آکر دم لیا۔ کچھ لوگ

جان پر کھیل کر لڑتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جینا بیکار ہے۔ بعضوں نے مجبور مایوس ہو کر سپردال وی کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس تیسرے گروہ میں تھے، علامہ طبری میں بسند متصل جس کے روات حید بن سلمہ، محمد بن اسحاق، قاسم بن عبد الرحمن بن رافع ہیں۔ روایت کی ہے کہ اس موقع پر جب انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور چند مہاجرین اور انصار کو دیکھا کہ مایوس ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ تو پوچھا کہ بیٹھے کیا کرتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ نے جو شہادت پائی۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے کہ رسول اللہ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے تم بھی انہی کی طرح لڑ کر مر جاؤ۔ یہ کہہ کر کفار پر حملہ آور ہوئے۔ اور شہادت حاصل کی۔ قاضی ابویوسف نے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی نقل کیا ہے کہ انس بن نضر میرے پاس سے گزرنے اور مجھ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گزری۔ میں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ آپ شہید ہوئے۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ شہید ہوئے تو ہونے خدا تو زندہ ہے۔ یہ کہہ کر تلواریں میان سے کھینچ لی۔ اور اس قدر لڑے کہ شہادت حاصل کی۔ ابن ہشام میں ہے کہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس واقعہ میں ستر زخم کھائے۔

طبری کی روایت میں یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں میں طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بھی ہے۔ اور یہ مسلم ہے کہ اس معرکہ میں ان سے زیادہ کوئی ثابت قدم نہیں رہا تھا۔ ہر حال یہ امر تمام روایتوں سے ثابت ہے کہ سخت برہمی کی حالت میں بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان جنگ سے نہیں ہٹے۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ ہونا معلوم ہوا تو فوراً خدمت میں پہنچے، طبری اور سیرت ہشام میں ہے۔

للماعرف المسلمون رسول الله نهضوا ونهض نحو الشعب
معه علي بن ابي طالب وابو بكر ابي قتاده وعمر بن الخطاب
وطهين عبيد الله الزبير بن العوام والعمار بن صمة

”پھر جب مسلمانوں نے رسول اللہ کو دیکھا تو آنحضرت کے پاس پہنچے اور آپ لوگوں کو لے رک پہاڑ کے درہ پر چڑھ گئے اس وقت آپ کے ساتھ حضرت علی، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر

بن العوام اور حارث بن صمت رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔“

علامہ بلاذری صرف ایک مؤرخ ہیں جنہوں نے انساب الاشراف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں یہ لکھا ہے۔

وكان ممن انكشف يوم احد فغلر له

”یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں میں تھے جو احد کے دن بھاگ گئے تھے۔ لیکن خدا نے ان کو معاف کر دیا۔“

علامہ بلاذری نے ایک اور روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اپنی خلافت کے زمانے میں لوگوں کے روزینے مقرر کئے تو ایک شخص کے روزینے کی نسبت لوگوں نے کہا اس سے زیادہ مستحق آپ کے فرزند عبد اللہ ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نہیں کیونکہ اس کا باپ احد کی لڑائی میں ثابت قدم رہا تھا۔ اور عبد اللہ کا باپ (یعنی حضرت عمر) نہیں رہا تھا۔ لیکن یہ روایت قطع نظر اس کے درایت غلط ہے کیونکہ معرکہ جملہ سے بھاگنا ایک ایسا ننگ تھا جس کو کوئی شخص علانیہ تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ اصول روایت کے لحاظ سے بھی ہم اس پر اعتبار نہیں کر سکتے، علامہ موصوف نے جن روایات کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے ان میں عباس بن عبد اللہ البکسائے اور فیض بن اسحاق ہیں اور دونوں مجہول الحال ہیں۔ اس کے علاوہ اور تمام روایتیں اس کے خلاف ہیں۔

اس بحث کے بعد ہم پھر اصل واقعہ کی طرف آتے ہیں۔

خالد ایک دست فوج کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھے، رسول اللہ اس وقت تمیں (۳۰) صحابہ کے ساتھ پہاڑ پر تشریف رکھتے تھے۔ خالد کو آنا دیکھ کر فرمایا کہ خدا یا۔ یہ لوگ یہاں تک نہ آئے پائیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند مہاجرین اور انصار کے ساتھ آگے بڑھ کر حملہ کیا اور ان لوگوں کو ہٹا دیا۔ ابوسفیان سالار قریش کے قریب پہنچ کر پکارا کہ اس گروہ میں محمد ہیں یا نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا کہ کوئی جواب نہ دے۔ ابوسفیان نے پھر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا نام لے کر کہا کہ یہ دونوں اس مجمع میں ہیں یا نہیں؟ اور جب کسی نے کچھ جواب نہ دیا تو بولا کہ ”خود یہ لوگ مارے گئے“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رہا نہ گیا، پکار کر کہا ”اود ثمن خدا! ہم

سب زندہ ہیں" ابوسفیان نے کہا اعلیٰ اعلیٰ "اے بھل (ایک بت کا نام تھا) بلند ہو" رسول اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا جواب اللہ اعلى واجل یعنی خدا بلند و درترکبہ (بیرت ہشام ص ۵۵ و طبری ص ۴۵)

حضرت حفصہؓ کا عقد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ

اس سال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں۔ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح جاہلیت میں خنیس بن خذافہ کے ساتھ ہوا۔ خنیس کے انتقال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خواہش کی کہ حفصہؓ کو اپنے نکاح میں لائیں۔ انہوں نے کچھ جواب نہ دیا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی وہ بھی چپ رہے۔ کیونکہ ان دونوں صاحبوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ سمر جبری شعبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا۔

واقعہ بنو نضیر ۴ ہجری (۶۳۶ء)

۴ ہجری (۶۳۶ء) میں بنو نضیر کا واقعہ پیش آیا، اور ہم لکھ آئے ہیں کہ مدینہ منورہ میں یہود کے جو قبائل آباد تھے۔ آنحضرت نے ان سے صلح کا معاہدہ کر لیا تھا۔ ان میں سے بنو قینقاع نے بدر کے بعد نقص عمد کیا اور اس جرم میں مدینہ سے نکال دیئے گئے۔ دو سرا قبیلہ بنو نضیر کا تھا۔ یہ لوگ بھی اسلام کے سخت دشمن تھے۔ ۴ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک معاملے میں استقانت کے لئے حضرت عمر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ساتھ لے کر ان کے پاس گئے، ان لوگوں نے ایک شخص کو جس کا نام عمرو بن جاش تھا آواز کیا کہ چمت پر چڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر پتھر کی سل گرا دے۔ وہ چمت پر چڑھ چکا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہو گئی، آپ اٹھ کر چلے آئے۔ اور کہلا بھیجا کہ تم لوگ مدینہ سے نکل جاؤ انہوں نے انکار کیا۔ اور مقابلے کی تیاریاں کیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر قابو پا کر جلاوطن کر دیا۔ چنانچہ ان میں سے کچھ شام کو چلے گئے کچھ خیبر

میں جا کر آباد ہوئے۔ اور وہاں حکومت قائم کر لی۔ (طبری ص ۵۵)

خیبر والوں میں اسلام بن ابی التتقیق، کنانہ بن الربیع اور جلی بن اخطب بڑے بڑے معزز سردار تھے۔ یہ لوگ خیبر میں پہنچ کر مطمئن ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انتقام لینا چاہا، مکہ معظمہ میں جا کر قریش کو ترغیب دی، قبائل عرب کا دورہ کیا اور تمام ممالک میں ایک آگ لگا دی۔

جنگ خندق یا احزاب ۵ ہجری (۶۳۷ء)

چند روز میں دس ہزار آدمی قریش کے علم کے نیچے جمع ہو گئے۔ اور شوال ۵ ہجری میں ابوسفیان کی سپہ سالاری میں اس سیلاب نے مدینہ کا رخ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر نکل کر سلعہ کے آگے ایک خندق تیار کرائی، عرب میں خندق کا رواج نہ تھا۔ اس لئے کفار کو اس کی کچھ تدبیر بن نہ آئی، مجبوراً محاصروں کے ہر طرف فوجیں بھیلادیں اور رسد وغیرہ بند کر دی، ایک مہینے تک محاصروں کا کفار کبھی کبھی خندق میں اتر کر حملہ کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غرض سے خندق کے اوپر اور کچھ فاصلہ پر اکابر صحابہ کو متعین کر دیا تھا کہ دشمن ادھر سے نہ آئے پائیں، ایک حصے پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ متعین تھے۔ چنانچہ یہاں ان کے نام کی ایک مسجد آج بھی موجود ہے۔ ایک دن کافروں نے حملہ کا ارادہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زہیر کے ساتھ آگے بڑھ کر روک دیا۔ اور ان کی ہمت درہم برہم کر دی۔ ایک اور دن کافروں کے مقابلے میں اس قدر ان کو مصروف رہنا پڑا کہ عصر کی نماز قضا ہوتے ہوئے رہ گئی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اگر عرض کیا کہ آج کافروں نے نماز پڑھنے تک کا موقع نہ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے بھی اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی۔

اس لڑائی میں عمرو بن عبدو عرب کا مشہور بہادر جو ۵۵ سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا، اس کے مارے جانے کے بعد ادھر تو قریش میں کچھ بیوی پیدا ہوئی، ادھر فہیم بن مسعود نے جو اسلام لائے تھے اور کافروں کو ان کے اسلام کی خبر نہ تھی۔ جو تونو سے قریش اور یہود میں پھوٹ ڈلوادی، مختصر یہ کہ کفر کا ابر سیاہ جو مدینہ کے افق پر چھا گیا تھا روز بروز چھٹا گیا۔ اور چند روز کے بعد مطلع بالکل صاف ہو گیا۔

مدینہ سے ماہ ایک ہوا۔ یہ واقعہ شوالی اللہ صاحب نے ازالۃ الغما میں لکھا ہے۔ لیکن میں نے کسی کتاب میں اس کی سند نہیں پائی۔

واقعہ حدیبیہ ۱۶ ہجری (۶۳۸ء)

۱۶ ہجری میں آنحضرت نے صحابہ کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت کا قصد کیا۔ اور اس غرض سے کہ قریش کو لڑائی کا شبہ نہ ہو۔ حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ چلے۔ ذوالحلیفہ (مدینہ سے چھ میل پر ایک مقام ہے) پہنچ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیال ہوا کہ اس طرح چلنا مصلحت نہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی۔ اور آپ نے ان کی رائے کے موافق مدینہ سے ہتھیار منگوا لئے۔ جبکہ مکہ معظمہ دو منزل رہ گیا تو مکہ سے بشر بن سفیان نے اگر خبر دی کہ "تمام قریش نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں قدم نہ رکھتے دیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ اکابر صحابہ میں سے کسی کو سفارت کے طور پر بھیجیں کہ ہم کو لڑنا مقصود نہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس خدمت پر مامور کرنا چاہا۔ انہوں نے عرض کی کہ قریش کو مجھ سے سخت عداوت ہے اور میرے خاندان میں وہاں کوئی میرا حامی موجود نہیں۔ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عزیز و اقارب وہ ہیں ہیں اس لئے ان کو بھیجنا مناسب ہو گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ بھیجا۔ قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روک رکھا۔ اور جب کئی دن گزر گئے تو یہ مشہور ہو گیا کہ وہ شہید کر دئے گئے۔ رسول اللہ نے یہ سن کر صحابہ سے جو تعداد میں چودہ سو تھے جہاد پر بیعت لی۔ اور چونکہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی تھی یہ واقعہ بیعت الشجرہ کے نام سے مشہور ہوا۔ قرآن مجید کی اس آیت میں "لقد رضي الله عن المؤمنين اذ يبايعونك تحت الشجرة" اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور آیت کی مناسبت سے اس کو بیعت رضوان بھی کہتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت سے پہلے لڑائی کی تیاری شروع کر دی تھی۔ صحیح بخاری (غزوہ حدیبیہ) میں ہے کہ حدیبہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ کو بھیجا کہ فلاں انصاری سے گھوڑا مانگ لائیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہر نکلے تو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے جہاد پر بیعت لے رہے ہیں۔ انہوں نے بھی جا کر بیعت کی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس واپس آئے تو دیکھا کہ وہ ہتھیار سجا رہے ہیں۔ عبداللہ نے ان سے بیعت کا واقعہ بیان کیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی وقت اٹھے اور جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔

قریش کو اصرار تھا کہ رسول اللہ مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتے۔ بڑے رو بہ دل کے

بعد ان شرائط پر معاہدہ ہوا کہ اس دفعہ مسلمان لٹے واپس جائیں۔ اگلے سال آئیں۔ لیکن تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں، معاہدہ میں یہ شرط بھی داخل تھی کہ دس برس تک لڑائی موقوف رہے۔ اور اس اثناء میں اگر قریش کا کوئی آدمی رسول اللہ کے ہاں چلا جائے تو رسول اللہ اس کو قریش کے پاس واپس بھیج دیں۔ لیکن مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص قریش کے ہاتھ آجائے تو ان کو ہتھیار ہو گا کہ اس کو اپنے پاس روک لیں۔ اخیر شرط چونکہ بظاہر کافروں کے حق میں زیادہ مفید تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہایت اضطراب ہوا۔ معاہدہ ابھی لکھا نہیں جا چکا تھا کہ وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے اور کہا کہ اس طرح دس برس کی صلح کی جائے۔ انہوں نے سمجھایا کہ رسول اللہ جو کچھ کہتے ہیں اسی میں مصلحت ہوگی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تسکین نہیں ہوئی خود رسول اللہ کے پاس گئے۔ اور اس طرح بات چیت کی۔

یا رسول اللہ! کیا آپ رسول خدا نہیں ہیں؟

رسول اللہ! بے شک ہوں۔

حضرت عمر! کیا ہمارے دشمن مشرک نہیں ہیں؟

رسول اللہ! ضرور ہیں۔

حضرت عمر! پھر ہم اپنے مذہب کو کیوں ذلیل کریں۔

رسول اللہ! میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کے خلاف نہیں کرتا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ گفتگو اور خصوصاً انداز گفتگو اگرچہ خلاف ادب تھا، چنانچہ بعد میں ان کو سخت ندامت ہوئی۔ اور اس کے کفارہ کے لئے روزے رکھے، نقلیں پڑھیں، خیرات دی، غلام آزاد کئے، تاہم سوال و جواب کی اصل بناء اس نکتہ پر تھی کہ رسول کے کون سے افعال انسانی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور کون سے رسالت کے منصب سے۔ چنانچہ اس کی مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصے میں آنے گی۔

غرض معاہدہ صلح لکھا گیا اور اس پر بڑے بڑے اکابر صحابہ کے جن میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی داخل تھے دستخط ثبت ہوئے۔ معاہدہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ راہ میں سورۃ فتح نازل ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ مجھ پر وہ سورہ نازل ہوئی جو مجھ کو دنیا کی تمام چیزوں سے

زیادہ محبوب ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے یہ کہتیں پڑھیں **انالله وانا الیه راجعون**۔

(صحیح بخاری واقعہ حدیث)

محمد ثنین نے لکھا ہے کہ اس وقت تک مسلمان اور کفار بالکل الگ الگ رہتے تھے۔ صلح ہو جانے سے آپس میں میل جول ہوا۔ اور رات دن کے چرچے سے اسلام کے مسائل اور خیالات روز بروز پھیلنے لگے۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ دوسرے کے اندر اندر جس کثرت سے لوگ اسلام لائے ۸ برس قبل کی وسیع مدت میں نہیں لائے تھے۔ جس بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی تھی اور ابتداء حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قسم میں نہ آسکی وہ یہی مصلحت تھی۔ اور اسی بناء پر خدا نے سورہ فتح میں اس صلح کو فتح کے لحاظ سے تعبیر کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی بیویوں کو طلاق دینا

اس زمانے تک کافرو عورتوں کو عقد نکاح میں رکھنا جائز تھا۔ لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی **ولا تمسکوهن بحصم الکوا** تو یہ امر ممنوع ہو گیا اس بناء پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دونوں بیویوں کو جو کافرو تھیں طلاق دے دی۔ ان میں سے ایک کا نام قریبہ اور دوسری کا ام کلثوم بنت جریل تھا۔ ان دونوں کو طلاق دینے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیلہ سے جو ثابت بن ابی الاصلح کی بیٹی تھیں نکاح کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند عاصم انہی کے بطن سے تھے۔ اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین اور والیان ممالک کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے۔

جنگ خیبر ۶ ہجری (۶۲۹ء)

۶ ہجری میں خیبر کا مشہور معرکہ پیش آیا۔ اوپر تم پڑھ آئے ہو کہ قبیلہ بنو نضیر کے یہودی جو مدینہ منورہ سے نکالے گئے تھے خیبر میں جا کر آباد ہوئے انہی میں سے سلام و کنانہ وغیرہ نے ۶ ہجری میں قریش کو جا کر بھڑکایا۔ اور ان کو مدینہ پر چڑھالائے۔ اس تدبیر میں اگرچہ ان کو ناکامی ہوئی۔ لیکن انتقام کے خیال سے وہ باز نہ آئے۔ اور اس کی تدبیریں کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ۶ ہجری میں قبیلہ بنو سہد نے ان کی اعانت پر آمادگی ظاہر کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر معلوم ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا۔ بنو سہد بھاگ گئے۔ اور پانچ سو اونٹ غنیمت میں ہاتھ آئے۔ پھر قبیلہ غطفان کو آمادہ کیا۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی

۱۔ فتح الباری منہجہ صریحہ ص ۳۰۰ ذکر حدیث ۲۔ طبری و اقصا ص ۵۹۔ ۳۔ مواہب لدنیہ ذکر قتلی ذکر سریہ

اللہ علیہ وسلم خیبر کی طرف بڑھے تو سب سے پہلے اسی قبیلہ نے سد راہ ہونا چاہا۔ ان حالات کے لحاظ سے ضروری تھا کہ یہودیوں کا زور توڑ دیا جائے ورنہ مسلمان ان کے خطرے سے مطمئن نہیں ہو سکتے تھے۔

غرض ۶ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو پیدل اور دو سو سواروں کے ساتھ خیبر کا رخ کیا۔ خیبر میں یہودیوں نے بڑے مضبوط قلعے بنائے تھے مثلاً حصن ناعم، حصن قوم، حصن صعب و طح اور سلام۔ یہ سب قلعے جلد از جلد فتح ہو گئے۔ لیکن و طح و سلام جن پر عرب کا مشہور بہادر مرحب قابض تھا۔ آسانی سے فتح نہیں ہو سکتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ لیکن وہ ناکام آئے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مامور ہوئے۔ وہ برابر دو دن جا کر لڑے۔ لیکن دونوں دن ناکام رہے۔ آنحضرت نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جو حملہ تو رہو گا اگلے دن تمام اکابر صحابہ علم نبوی کی امید میں بڑے مسلمان سے ہتھیار جمع کر آئے۔ ان میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے اور ان کا خود بیان ہے کہ میں نے کبھی اس موقع کے سوا علم ہداری اور افسری کی آرزو نہیں کی، لیکن قضا و قدر نے یہ فخر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اٹھا رکھا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی طرف توجہ نہیں کی۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر علم ان کو عنایت کیا۔ مرحب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا اور اس کے قتل پر اس معرکہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ خیبر کی زمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدوں کو تقسیم کر دی۔ چنانچہ ایک کھڑا جس کا نام شمع تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا۔ چنانچہ صحیح مسلم باب الوقف میں یہ قصہ بہ تفصیل مذکور ہے۔ اور اسلام کی تاریخ میں یہ سلا وقف تھا جو عمل میں آیا۔

اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ۳۰ کومیل کے ساتھ قبیلہ ہوازن کے مقابلے کو بھیجا۔ ان لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد سنی تو بھاگ نکلے اور کوئی معرکہ پیش نہیں آیا۔

۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ حدیبیہ میں جو صلح قرار پائی تھی اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ قبائل عرب میں جو چاہے قریش کا ساتھ دے۔ اور جو چاہے اسلام کے سایہ امن میں آئے۔ چنانچہ قبیلہ خزاعہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خاندان بنو بکر نے قریش کا ساتھ دیا۔ ان دونوں قبیلوں میں مدت سے ان بن تھی۔ اور مدت سے

معمر کے ہو چکے تھے لڑائی کا سلسلہ جاری تھا کہ حدیبیہ کی صلح وقوع میں آئی اور شرائط معاہدہ کی رو سے دونوں قبیلے لڑائی سے دست بردار ہو گئے۔ لیکن چند روز بعد بنو بکر نے نقض عہد کیا۔ اور قریش نے ان کی اعانت کی۔ یہاں تک کہ خراہ نے حرم میں جا کر پناہ لی۔ تب بھی ان کو پناہ نہ ملی خراہ نے جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا، ابوسفیان کو یہ خبر معلوم ہوئی تو پیش بندی کے لئے مدینہ منورہ پہنچا اور آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر قریش کی طرف سے تجدید صلح کی درخواست کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہ دیا وہ اٹھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا کہ آپ اس معاملے کو طے کر دیجئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سختی سے جواب دیا کہ وہ بالکل ناامید ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی تیاریاں شروع کیں۔ اور رمضان ۸ ہجری میں ۲ ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے، مقام مرالنہر ان میں نزول اجلال ہوا۔ تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گچر پر سوار ہو کر مکہ کی طرف چلے، ادھر سے ابوسفیان آیا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے کہا، آمیں تجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امن دلاؤں، ورنہ آج تیری خیر نہیں، ابوسفیان نے غنیمت سمجھا اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہو لیا راہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سامنا ہوا۔ ابوسفیان کو ساتھ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خیال کیا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی سفارش کے لئے جا رہے ہیں۔ یہی تیزی سے بڑھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ مدوتوں کے بعد اس دشمن اسلام پر قابو ملا ہے۔ اجازت دیجئے کہ اس کی گردن مار دوں۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ”عمرو! اگر عبد مناف کے خاندان سے نہ ہوتا، اور تمہارے قبیلہ کا آدمی ہوتا تو تم اس کی جان کے خواہاں نہ ہوتے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ خدا کی قسم میرا باپ خطاب اسلام لانا تو مجھ کو اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی اس وقت ہوتی تھی۔ جب آپ اسلام لائے تھے“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سفارش قبول کی۔ اور ابوسفیان کو امن دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑے جاہ جلال سے مکہ میں داخل ہوئے اور در کعبہ پر کھڑے ہو کر نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا۔ جو بعینہ تاریخوں میں منقول ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر مقام صفار لوگوں سے بیعت لینے کے لئے تشریف فرما ہوئے لوگ جوق در جوق آتے تھے اور بیعت کرتے جاتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

عہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب لیکن کسی قدر نیچے بیٹھے تھے۔ جب عورتوں کی باری آئی تو چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیگانہ عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کرتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ تم ان سے بیعت لو چنانچہ عورتوں نے انہی کے ہاتھ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔

غزوہ حنین

اسی سال ہوازن کی لڑائی پیش آئی جو غزوہ حنین کے نام سے مشہور ہے۔ ہوازن عرب کا مشہور اور معزز قبیلہ تھا۔ یہ لوگ ابتداء سے اسلام کی ترقی کو رقابت کی نگاہ سے دیکھتے آتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے ارادہ سے مدینہ سے نکلے تو ان لوگوں کو گمان ہوا کہ ہم پر حملہ کرنا مقصود ہے۔ چنانچہ اسی وقت جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور جب یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ پہنچے تو مکہ پر حملہ کے لئے بڑے ساندہ سلمان سے روانہ ہو کر حنین میں ڈیرے بٹوالے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سنی تو بارہ ہزار کی جمیعت کے ساتھ مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے حنین میں دونوں فوجیں صف آراء ہوئیں مسلمانوں نے پہلے حملہ میں ہوازن کو شکست دیا۔ لیکن مال غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہوئے تو ہوازن نے حملہ کیا۔ اور اس قدر تیرہ سائے کہ مسلمانوں میں ہلچل مچ گئی۔ اور بارہ ہزار آدمیوں سے معدودے چند..... کے سوا باقی سب بھاگ نکلے۔ اس معرکہ میں جو صحابہ ثابت قدم رہے ان کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے۔ اور ان میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل ہیں۔ چنانچہ علامہ طبری نے صاف تصریح کی ہے۔ محمد بن اسحاق جو امام بخاری کے شیوخ حدیث میں داخل ہیں۔ اور مغازی و سیر کے امام مانے جاتے ہیں۔ کتاب المغازی میں لکھا ہے کہ ”وہا بنی ہذیل جنہم یمن و انصار و اہل بیت بازمانہ بودند مثل ابوبکر و علی و عمر و عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم“ لڑائی کی صورت بجز کر پھر بیان گئی۔ یعنی مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ اور ہوازن کے چھ ہزار آدمی گرفتار ہوئے۔

۸ ہجری میں خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر صحابہ کو تہاری کا حکم دیا ”اور چونکہ یہ نہایت سختی اور عسرت کا لمحہ تھا“ حنین کے چھپے ایک آدمی کا نام ہے جو مکہ معظمہ سے نو سو میل ہے۔ یہ تاریخ طبری۔ کہ صحیح مسلم غزوہ حنین۔ جو ابن اسحاق کی اصل کتاب میں ہے میں دیکھی۔ لیکن اس کا ایک نہایت قدیم ترجمہ فارسی زبان میں صبی لکھتے گزرا ہے اور عبارت منقولہ اسی سے ماخوذ ہے ”یہ ترجمہ ۱۰۰۰ میں مدینہ زکی کے علم کے کیا کیا تھا۔ اور اس ایک نہایت قدیم نسخہ الہ آباد کے کتب خانہ عام میں موجود ہے۔

زمانہ قبلہ اس لئے لوگوں کو زوال سے اعانت کی ترفیب دلائی۔ چنانچہ اکثر صحابہ نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقع پر تمام مال و اسباب میں سے اہل اللہ کو بخش دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش نہ کیا۔ غرض اسلحہ اور رسد کا سامان دھیا کیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے روانہ ہوئے لیکن مقام تبوک میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خیر غلط تھی۔ اسی لئے چند روز قیام فرما کر واپس آئے۔

اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انزواج مطہرات سے ناراض ہو کر ان سے علیحدگی اختیار کی۔ اور چونکہ لوگوں کو آپ کے طرز عمل سے یہ خیال ہوا تھا کہ آپ نے انزواج کو طلاق دے دی اس لئے تمام صحابہ کو نہایت رنج و افسوس تھا۔ تاہم کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ کہنے سننے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضر ہونا چاہا۔ لیکن بار بار اذن مانگتے پر بھی اجازت نہ ملی۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پکار کر دربان سے کہا کہ ”شاید رسول اللہ کو یہ گمان ہے کہ میں حنفہ (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ) کی سفارش کے لئے آیا ہوں خدا کی قسم اگر رسول اللہ حکم دیں تو میں جا کر حنفہ کی گردن لٹا دوں۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً بلایا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ ”کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انزواج کو طلاق دے دی؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”نہیں“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ تمام مسلمان مسجد میں سو گوار بیٹھے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں تو انہیں یہ مشورہ سناؤں اس واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تقرب کا اندازہ ہو سکتا ہے چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہی واقعات کے سلسلے میں ایک موقع پر کہا کہ ”عمر! تم ہر چیز میں دخل ہو گئے یہاں تک کہ اب انزواج میں بھی دخل دینا چاہتے ہو۔“

۱۔ ہجری (۶۳۱ء) میں تمام اطراف عرب سے نہایت کثرت سے سفارتیں آئیں۔ اور ہزاروں لاکھوں آدمی اسلام کے حلقے میں آئے۔ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے لئے مکہ معظمہ کا قصد کیا اور یہ حج آپ کا آخری حج تھا۔ ۲۔ ہجری (۶۳۲ء) ماہ صفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یومئیں کے مقابلے کے لئے اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مامور کیا۔ اور تمام اکابر صحابہ کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ جاکیں لوگ تیار ہو چکے تھے کہ اخیر صفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے اور تجویز ملتوی ہو گئی۔

۳۔ ترمذی و ابو داؤد میں واقعہ فضائل ابو بکر کے تحت میں منقول ہے۔ لیکن غزوہ کی تعبیر نہیں ہے۔ ۴۔ صحیح مسلم باب العام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوایت مشہور ۳۳ دن بیمار رہے۔ یہی سبب صحیح ان کی تعداد دس دن بیان کی ہے۔ سلیمان حمیری نے بھی مغازی میں یہی تعداد لکھی ہے۔ بیماری کی حالت یکساں نہ تھی کبھی بخار کی شدت ہو جاتی تھی اور کبھی اس قدر افتادہ ہو جاتا تھا کہ مسجد میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے یہاں تک عین وفات کے دن نماز فجر کے وقت طبیعت اس قدر بحال تھی کہ آپ دروازے تک آئے اور پردہ اٹھا کر لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا نہایت محظوظ ہوئے اور تبسم فرمایا۔

قرطاس کا واقعہ

بیماری کا بڑا مشہور واقعہ قرطاس کا واقعہ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ نے وفات سے تین روز پہلے قلم اور روایات طلب کیا۔ اور فرمایا کہ ”میں تمہارے لئے ایسی چیز لکھوں گا کہ تم اسکو گمراہ نہ ہو گے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو درد کی شدت ہے اور ہمارے لئے قرآن کافی ہے۔ حاضرین میں سے بعضوں نے کہا کہ ”رسول اللہ ہمکی باتیں کر رہے ہیں۔“ (نحوۃ پائند) روایت میں جبر کا لفظ ہے جس کے معنی ہڈیاں کے ہیں۔

یہ واقعہ بظاہر تعجب انگیز ہے۔ ایک محض کہہ سکتا ہے کہ اس سے گستاخی اور سرکشی ہوگی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بستر مرگ پر ہیں اور امت کے درد و فخری کے لحاظ سے فرماتے ہیں کہ ”لاؤ میں ایک ہدایت نامہ لکھ دوں جو تم کو گمراہی سے محفوظ رکھے۔ یہ ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچانے کے لئے جو ہدایت ہوگی وہ منصب نبوت کے لحاظ سے ہوگی۔ اور اس لئے اس میں سو و خطا کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ ہاں جو اس کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر وائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ ضرورت نہیں ہم کو قرآن کافی ہے۔ طویہ کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو ہڈیاں سے تعبیر کیا تھا۔ (نحوۃ پائند)

یہ اعتراض ایک مدت سے چلا آتا ہے۔ اور مسلمانوں کے دو مختلف گروہ نے اس پر بڑی طبع آزمائی کی ہیں۔ لیکن چونکہ اس بحث میں غیر متعلق باتیں چھڑ گئیں۔ اور اصول و روایت سے کسی نے کام نہیں لیا۔ اس لئے مسئلہ نامفصل رہا اور عجیب عجیب بیچارہ بحثیں پیدا ہو گئیں۔ یہاں تک کہ یہ مسئلہ چھڑ گیا کہ بغیر سے ہڈیاں ہونا ممکن ہے۔ کیونکہ ہڈیاں انسانی عوارض میں ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عوارض انسانی سے بری نہ تھے۔

یہاں دراصل یہ امر غور طلب ہے کہ جو واقعہ جس طریقے سے روایتوں میں منقول ہے اس سے کسی امر پر استناد ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس بحث کے لئے پہلے واقعات ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

- ① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کم پیش ۳۰ دن تک بیمار رہے۔
- ② کافہ و قلم دوات طلب کرنے کا واقعہ جمعرات کے دن کا ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں بہترین مذکور ہے اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شنبہ کے دن انتقال فرمایا۔ اس لئے اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چار دن تک زندہ رہے۔
- ③ اس تمام مدت بیماری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اور کوئی واقعہ اختلاف جو اس کا کسی روایت میں کہیں مذکور نہیں۔

④ اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے لیکن یہ حدیث یاد جو اس کے بہت سے طریقوں سے مسمیٰ ہے (چنانچہ صرف صحیح بخاری میں سات طریقوں سے مذکور ہے) یا اس حدیث بجز عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ کسی حدیث کے متعلق ایک آیت بھی منقول نہیں۔

⑤ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر اس وقت صرف ۳۰ برس کی تھی۔

⑥ اسے بڑھ کر یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس موقع پر عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود موجود نہ تھے اور یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ انہوں نے کس سے سنا۔ بخاری باب کتاب العلم میں یہ حدیث مذکور ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ واقعہ میں موجود تھے اس لئے محدثین نے اس پر بحث کی ہے اور یہ دلیل نقل فقہیہ ثابت کیلئے کہ موجود نہ تھے دیکھو صحیح البخاری باب کتاب العلم

⑦ تمام روایتوں میں مذکور ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کافہ قلم مانگا تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوائیں کر رہے ہیں۔ علامہ قرطبی نے یہ تاویل کی ہے اور اس پر ان کا تاثر ہے کہ تم کوئی نے یہ لفظ انکار و استہجاب کے طور پر کہا تھا۔ یعنی یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرنی چاہئے تھا انوار۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قتل ہڈیاں تو نہیں کہ اس پر لحاظ نہ کیا جائے یہ تاویل گنتی ہوئی ہے لیکن بخاری و مسلم کی بعض روایتوں میں ایسے الفاظ ہیں جن میں اس تاویل کا احتمال نہیں۔ مثلاً

حجر حجر (روایت) یا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجر (صحیح مسلم)

اب سب سے پہلے یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ جب اور کوئی واقعہ یا قرینہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال و حواس کا کہیں کسی روایت میں مذکور نہیں تو صرف اس قدر کہنے سے کہ "قلم دوات لاؤ" لوگوں کو ہڈیاں کا کیونکر خیال پیدا ہو سکتا تھا؟ فرض کر لو کہ انبیاء سے

ہڈیاں سرزد ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے یہ تو معنی نہیں کہ وہ معمولی بات بھی کہیں تو ہڈیاں بھی جائے ایک پیغمبر کا وفات کے قریب یہ کہنا کہ قلم دوات لاؤ میں ایسی چیزیں لکھ دوں کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو اس میں ہڈیاں کی کیا بات ہے؟ یہ روایت اگر خواہ مخواہ صحیح سمجھی جائے تب بھی اس قدر بہر حال تسلیم کرنا ہو گا کہ راوی نے روایت میں دو واقعات چھوڑ دیے ہیں جن سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوش میں نہیں ہیں اور بیہوشی کی حالت میں قلم دوات طلب فرما رہے ہیں۔ پس ایسی روایت سے جس میں راوی نے واقعہ کی نہایت ضروری خصوصیتیں چھوڑ دیں۔ کسی واقعہ پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے۔ اس کے ساتھ جب ان امور کا لحاظ کیا جائے کہ اتنے بڑے عظیم الشان واقعہ میں تمام صحابہ میں سے صرف حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے راوی ہیں۔ اور یہ کہ ان کی عمر اس وقت ۳۰-۳۳ برس کی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ واقعہ کے وقت موجود نہ تھے۔ تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس روایت کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ کسی کو تاہ نظر یہ امر گراں گزرے کہ بخاری اور مسلم کی حدیث پر شبہ کیا جائے لیکن اس کو سمجھنا چاہئے کہ بخاری اور مسلم کے کسی راوی کی نسبت یہ شبہ کرنا کہ وہ واقعہ کی پوری ہیئت محفوظ نہ رکھ سکا اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہڈیاں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت گستاخی کا الزام لگایا جائے۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کے بعد چار دن تک زندہ رہے۔ اور اس اثنا میں منافق قباہی ہدایتیں اور وصیتیں فرمائیں، عین وفات کے دن آپ کی حالت اس قدر سنبھل گئی تھی کہ لوگوں کو بالکل صحت کا گمان ہو گیا تھا۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی خیال سے اپنے مکان کو جو مدینہ منورہ سے دو میل پر تھا واپس چلے گئے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفات کے وقت تک موجود رہے۔ آنحضرت نے پھر رجب الاول ہجری دو شنبہ کے دن دوپہر کے وقت حضرت عائشہ کے گھر میں انتقال فرمایا۔ شنبہ کو دوپہر اڑھنے پر مدفون ہوئے۔ جماعت اسلام کو آپ کے وفات سے جو صدمہ ہوا اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ عام روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر خود رفتہ ہوئے کہ مسجد نبوی میں جا کر اعلان کیا کہ "جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرت نے وفات پائی اس کو قتل کر دوں گا"

۱۔ اتارنے کے بعد سبوں نے یہ مضمون آفرینی کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کا یہ فرمانا کہ میں قلم دوات لاؤں گا قرینہ تھا۔ لیکن ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ جس کے معنی لکھوانے کے بھی آتے ہیں۔ اور یہ حجاز عموماً شائع ذراغ ہے۔ ۲۔ طبری صفحہ ۳۰۳

لیکن قرآن اس روایت کی تصدیق نہیں کرتے، ہمارے نزدیک چونکہ مدینے میں کثرت سے منافقین کا گروہ موجود تھا۔ جو فتنہ پردازی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا شکر تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصلحتاً اس خبر کو پھیلنے سے روکا ہو گا۔ اسی واقعہ نے روایتوں کے تغیرات سے مختلف صورت اختیار کر لی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں اس قسم کی تصریحات موجود ہیں جو ہمارے اس قیاس کے مطابق نہیں ہو سکتیں۔

سقیفہ بنی ساعدہ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت اور حضرت عمرؓ کا استخلاف

یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہو گئی۔ اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کی جائے۔ کس کے قیاس میں آسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو ان کے عشق و محبت کا دعویٰ ہو وہ ان کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں۔ اور اس بندہ دست میں مصروف ہوں کہ مسند حکومت اوروں کے قبضہ میں نہ آجائے۔

تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل ان لوگوں (حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے سرزد ہوا جو آسمان اسلام کے مہولہ تسلیم کئے جاتے ہیں، اس فعل کی ناگواری اس وقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فطری تعلق تھا، یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و خاندان بنی ہاشم ان پر فطری تعلق کا پورا پورا اثر ہوا اور اس وجہ سے آنحضرت کے دروغم اور تجہیز و تکفین سے ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی۔

ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب حدیث و سیر سے بظاہر اسی قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو بکرؓ و آنحضرت کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے۔ یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ کر خلافت کے باب میں انصار سے معرکہ آزمائی کی۔ اور اس طرح ان کو ششوں میں مصروف رہے کہ گویا ان پر کوئی حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا۔ یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بزرگ منوانا چاہا، گو بنو ہاشم نے آسانی سے ان کی خلافت تسلیم نہیں کی۔ لیکن اس بحث میں جو غور طلب باتیں ہیں وہ یہ ہیں۔

① کیا خلافت کا سوال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے بھیڑا تھا؟

② کیا یہ لوگ خود اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے تھے؟

(۳) کیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بنو ہاشم خلافت کی فکر سے بالکل فارغ تھے؟
(۴) ایسی حالت میں جو کچھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے کیا وہ کرنا چاہئے تھا یا نہیں؟

پہلی دو بحثوں کی نسبت ہم نہایت مستند کتاب ابو یعلیٰ کی عبارت نقل کرتے ہیں جس سے واقعہ کی کیفیت بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔

يَسْمَعُ فِي مَنْزِلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَجَلَ
يَتَأَذَّى مِنْ وَرَاءِ الْعِدْرِ أَنْ أَخْرَجَ إِلَى بَابِ الْخُطَابِ فَقُلْتُ الْبِكَ
عَنِّي فَلَمَّا عَمِلَ مَشَا عَمِلَ بِمَنْزِلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ قَدْ حَدَّثَ امْرَأَتَانِ الْأَنْصَارُ اجْتَمَعُوا فِي سَفِيْفَةِ
سَاعِدَةِ فَادِرٍ كَوْهَمٍ أَنْ يَحْدُثُوا أَمْرًا يَكُونُ فِيهِ حَرْبٌ فَقُلْتُ لَا يَنْبَغِي
بِكَرَاطِطُكَ.

”حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خانہ مبارک میں بیٹھے تھے کہ وقتاً دو بار کے پیچھے سے ایک آدمی نے توانہی کہ ابن الخطاب (حضرت عمرؓ) ذرا باہر آؤ میں نے کہا چلو ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بندوبست میں مشغول ہیں اس نے کہا کہ ایک حادثہ پیش آیا ہے۔ یعنی انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے ہیں۔ اس لئے جلد پہنچ کر ان کی خبر لو ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی باتیں کر انھیں جس سے لڑائی پھڑپھڑ جائے۔ اس وقت میں نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ چلو۔“

اس سے ظاہر ہو گیا کہ نہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے خلافت کی بحث کو چھیڑ دیا تھا اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ کو جانا چاہتے تھے۔

تیسری بحث کی کیفیت یہ ہے کہ اس وقت جماعت اسلامی کو تین گروہوں میں تقسیم کی جاسکتی تھی ۱) بنو ہاشم جس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شامل تھے ۲) مہاجرین کے رئیس و افسر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے ۳) انصار جن کے شیخ القیید سعد بن عبادہ تھے۔ ان تینوں میں سے ایک گروہ بھی خلافت کے خیال سے خالی نہ تھا۔ انصار نے اپنا ارادہ ظاہر کر دیا تھا۔ بنو ہاشم کے خیالات ذیل کی روایت سے معلوم ہوں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکان سے باہر نکلے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ کا مزان کیسا ہے چونکہ آنحضرت کی ظاہری حالت بالکل سنبھل گئی تھی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ خدا کے فضل و کرم سے آپ اچھے ہو گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کی قسم تم تین دن کے بعد غلامی کرو گے۔ میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ عظیم موت کے قریب کس طرح حفر ہو رہا ہے۔ کو چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد منصب (خلافت) کس کو حاصل ہو گا۔ اگر ہم اس کے مستحق ہیں تو رسول اللہ ہمارے لئے وصیت فرما دیں گے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں نہ پوچھوں گا کیونکہ اگر پوچھنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا تو پھر آئندہ کوئی امید نہ رہے گی۔ (صحیح بخاری باب مرض النبی مع فتح الباری)

اس روایت سے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال تو صاف معلوم ہوتا ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک یقین نہ تھا اس لئے انہوں نے کوئی تحریک کرنا مناسب نہیں سمجھا اس کے علاوہ اپنے انتخاب کئے جانے پر مجبور نہ تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں ایک مجمع ہوا تھا جس میں تمام بنو ہاشم اور ان کے اتباع شریک تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پیشرو تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی روایت ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الحداد باب رم النبی)

كَانَ مِنْ خِيَرَاتِهِمْ تَوَلَّى اللَّهُ نَبِيَهُمْ أَنْ الْأَنْصَارُ خَالِفُونَا
وَاجْتَمَعُوا بِمَنْزِلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفِيْفَةِ
بَنِي سَاعِدَةِ وَخَالَفَ عَنَّا عَلِيٌّ
وَالزُّبَيْرُ مِنْ مَعْهُمَا وَاجْتَمَعَ الْمُهَاجِرُونَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ.

”ہماری سرگذشت یہ ہے کہ جب خدا نے اپنے پیغمبر کو انھیں لیا تو انصار نے قابضہ ہماری مخالفت کی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور علی اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے ساتھیوں نے بھی مخالفت کی۔ اور مہاجرین ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جمع

ہوئے۔

یہ تقریر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بہت بڑے مجمع میں کی تھی جس میں سینکڑوں صحابہ موجود تھے اسلئے اس بات کا گمان نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے کوئی امر خلاف واقع کہا ہو ورنہ یہ لوگ ان کو وہیں ٹوکتے۔ امام مالک کی روایت میں یہ واقعہ اور صاف ہو گیا ہے۔ اس کے یہ الفاظ ہیں۔

وان عليا والزير ومن كان معها تغفلوا في بيت فاطمة بنت

رسول الله (صحیح البخاری شرح حدیث کبریٰ)

”اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے وہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں ہم سے الگ ہو کر جمع ہوئے۔“

تاریخ طبری میں ہے۔

وتخلف علي والزير واختارط الزير سيفه وقال لا اعمله حتى

يباع علي۔ (تاریخ طبری صفحہ ۸۲۰)

”اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علیہ کی اختیار کی اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تلوار میان سے کھینچ لی اور کہا جب تک علی کے ہاتھ پر بیعت نہ کی جائے میں تلوار میان میں نہ ڈالوں گا۔“

ان تمام روایتوں سے صاف یہ نتائج نکلتے ہیں کہ

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ہی خلافت کے باب میں تین گروہ ہو گئے

(۱) انصار (۲) مہاجرین (۳) بنو ہاشم

② مہاجرین حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور بنو ہاشم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے۔

③ جس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر سقیفہ کو چلے گئے تھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے چلے آئے تھے۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں بنو ہاشم کا مجمع ہوا تھا۔

سقیفہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نہ جانا اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غم و الم میں مصروف تھے اور ان کو ایسے پروردگار پر خلافت کا خیال نہیں آ سکا تھا۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ سقیفہ میں مہاجرین اور انصار جمع تھے۔ اور ان دونوں گروہ میں سے کوئی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دعویٰ کی تائید نہ کرتا۔ کیونکہ مہاجرین حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیشوا تسلیم کرتے تھے۔ اور انصار کے رئیس سعد بن عبادہ تھے۔

آخر بحث یہ ہے کہ جو کچھ ہوا وہ بے جا تھا یا بجایا؟ اس کو ہر شخص جو ذرا بھی اصول تمدن سے واقفیت رکھتا ہو یا آسانی سمجھ سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت وفات پائی مدینہ منورہ منافقوں سے بھرا ہوا تھا جو مدت سے اس بات کے..... خنجر تھے کہ رسول اللہ کا سایہ اٹھ جائے تو اسلام کو پامال کر دیں۔ اس نازک وقت میں آیا یہ ضروری تھا کہ لوگ جزع اور گریہ زاری میں مصروف رہیں یا یہ کہ فوراً خلافت کا انتظام کر لیا جائے۔ اور ایک منظم حالت قائم ہو جائے انصار نے اپنی طرف سے خلافت کی بحث چھیڑ کر حالت کو اور نازک کر دیا۔ کیونکہ قریش جو انصار کو اس قدر حقیر سمجھتے تھے کہ جنگ بدر میں جب انصار ان کے مقابلے کو نکلے تو جبہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا کہ ”محمد! ہم ہاتھوں سے نہیں لڑ سکتے“ کسی طرح انصار کے آگے سر تسلیم غم نہیں کر سکتے تھے۔ قریش پر کیا موقوف ہے تمام عرب کو انصار کی متابعت سے انکار ہوتا چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سقیفہ میں جو خطبہ دیا اس میں صاف اس خیال کو ظاہر کیا اور کہا ”وان العرب لا تعرف هذا الا مرا لا لهذا الحي من قريش“ اس کے علاوہ انصار میں خود گروہ تھے ”اوس اور خزرج اور ان میں باہم اتفاق نہ تھا۔ اس حالت میں ضروری تھا کہ انصار کے دعویٰ خلافت کو دبا دیا جائے اور کوئی لائق شخص فوراً انتخاب کر لیا جائے۔ مجمع میں جو لوگ موجود تھے ان میں سب سے با اثر بزرگ اور معمر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اور فوراً ان کا انتخاب بھی ہو جاتا۔ لیکن لوگ انصار کی بحث و نزاع میں پھنس گئے تھے۔ اور بحث طویل پکڑ کر قریب تھا کہ تلواریں میان سے نکل آئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ رنگ دیکھ کر دفعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا کہ سب سے پہلے میں بیعت کرنا ہوں۔ ساتھ ہی حضرت عثمان ”ابو سعید بن جراح“ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی ہاتھ بڑھائے اور پھر عام خلعت ٹوٹ پڑی۔ اس کاروائی سے ایک اٹھتا ہوا طوفان رک گیا۔

۱۔ ابن الفاروق نے الامام الشافعی میں لکھا ہے کہ اوس صرف پانچ شخصوں نے بیعت کی تھی۔

کیا۔ اور لوگ مطمئن ہو کر کاروبار میں مشغول ہو گئے۔ صرف بنو ہاشم اپنے اوصاف پر رکتے رہے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں وقتاً فوقتاً جمع ہو کر مشورے کرتے رہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیور ان سے بیعت لینی چاہی۔ لیکن بنو ہاشم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا "یا بنت رسول اللہ خدا کی قسم آپ ہم سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ تاہم اگر آپ کے یہاں لوگ اس طرح جمع کرتے رہے تو میں ان لوگوں کی وجہ سے گھر میں آگ لگا دوں گا"۔ اگرچہ سند کے اعتبار سے اس روایت پر ہم اپنا اعتبار ظاہر نہیں کر سکتے کیونکہ اس روایت کے رواۃ کا حال ہم کو معلوم نہیں ہو سکا۔ تاہم روایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمدی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت تیزی اور سرکری کے ساتھ جو کاروائیاں کیں ان میں کو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ کہ انہی بے اعتدالیوں نے اٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا۔ بنو ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اسی وقت جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا۔ اور وہیں خانہ بنگیاں بپا ہو جاتیں جو آگے چل کر جناب علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں واقع ہوئیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی مدت سوا دو برس ہے۔ کیونکہ انہوں نے جمادی الثانی سہر جہی میں انتقال کیا۔ اس عہد میں اگرچہ جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرکت سے انجام پائے۔ تاہم ان واقعات کو ہم القادیق نہیں لکھ سکتے کیونکہ وہ پھر بھی عہد صدیقی کے واقعات ہیں۔ اور اس شخص کا حصہ ہیں جس کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح عمری لکھنے کا شرف حاصل ہو۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اگرچہ مدقوں کے تجزیہ سے یقین ہو گیا تھا کہ خلافت کا بار کراں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور کسی سے اٹھ نہیں سکتا تاہم وہاں وقت کے قریب انہوں نے رائے کا اندازہ کرنے کے لئے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا۔ سب سے پہلے عید الرحمن بن عوف کو بلا کر پوچھا۔ انہوں نے کہا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قابلیت میں کیا کلام ہے۔ لیکن مزاج میں سختی ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "ان کی سختی اس لئے

تھی کہ میں نرم تھا۔ جب کلام انہی پر آپ نے گا تو وہ خود بخود نرم ہو جائیں گے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر پوچھا انہوں نے کہا کہ "میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ عمر کا باطن ظاہر سے اچھا ہے اور ہم لوگوں میں ان کا جواب نہیں"۔ جب اس بات کے چپے ہوئے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ کرنا چاہتے ہیں تو بعضوں کو تردد ہوا۔ چنانچہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر کہا کہ "آپ کے موجود ہوتے ہوئے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ اب وہ خود خلیفہ ہو گئے تو خدا جانے کیا کریں گے۔ اب آپ خدا کے ہاں جاتے ہیں۔ یہ سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیجئے گا" حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "میں خدا سے کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو افسر مقرر کیا جو تیرے بندوں میں سب سے زیادہ اچھا تھا"۔ یہ کہہ کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا۔ اور عہد نامہ لکھوانا شروع کیا۔ ابتداً الی القاطع لکھوائے جا چکے تھے کہ خش آیا، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دیکھ کر یہ الفاظ اپنی طرف سے لکھ دیئے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنا ہوں۔ توڑی دیر بعد ہوش آیا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ کیا لکھا ہے مجھ کو پڑھ کر سناؤ۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھا تو بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور "کہا کہ خدا تم کو جزائے خیر دے" عہد نامہ لکھا جا چکا تھا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلام کو دیا کہ مجمع عام میں سنائے پھر خود بلا خانے پر جا کر لوگوں سے جو نیچے جمع تھے مخاطب ہوئے اور کہا کہ میں نے اپنے کسی بھائی بند کو خلیفہ مقرر نہیں کیا۔ بلکہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر کیا۔ کیا تم لوگ اس پر راضی ہو گے سب نے سمعنا و اطعنا کہا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہایت مٹاڑ اور مفید نصیحتیں کیں جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے محدود دستور العمل کی جگہ کام آئیں۔

خلافت اور فتوحات

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں مدینہ منورہ اور مدینان نبوت کا خاتمہ ہو کر فتوحات ملکی کا آغاز ہو چکا تھا۔ خلافت کے دوسرے ہی برس یعنی سہ ہجری میں عراق میں لشکر کشی ہوئی اور حیرہ کے تمام اضلاع فتح ہو گئے۔ سہ ہجری (۳۳ء) میں شام پر حملہ ہوا۔ اور اسلامی فوجیں تمام اضلاع میں پھیل گئیں۔ ان مہمات کا ابھی آغاز ہی تھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمان خلافت اپنے ہاتھ میں لی تو سب سے ضروری کام یہی مہمات کا انجام دینا تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم ان واقعات کی تفصیل لکھیں یہ بتانا ضروری ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کے فارس و شام سے کیا تعلقات تھے۔

عرب کا نہایت قدیم خاندان جو عرب پایہ کے نام سے مشہور ہے۔ اگرچہ اس کے حالات نامعلوم ہیں تاہم اس قدر ہے کہ عاد اور ثمود نے عراق پر قبضہ کر لیا تھا۔ عرب عہد جو یمن کے فرمانروا تھے ان کی حکومت ایک زمانہ میں بہت زور پکڑ گئی تھی۔ یہاں تک کہ چند بار عراق پر قابض ہو گئے۔ اور سلطنت فارس کے ساتھ ان کو ہمسر کی کا دعویٰ رہا۔

رفتہ رفتہ عرب خود حکومت فارس کے علاقہ میں آباد ہونے شروع ہو گئے۔ بخت نصر نے جو بابل کا بادشاہ تھا۔ اور بیت المقدس کی بربادی نے ان کے نام کو شہرت دے دی ہے۔ جب عرب پر حملہ کیا تو بہت سے قبیلے اس کے مطیع ہو گئے۔ اور اس تعلق سے عراق میں جا کر آباد ہو گئے۔ رفتہ رفتہ معد بن عدنان کی بہت سی نسلیں ان مقامات میں آباد ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ ریاست کی بنیاد پڑ گئی۔ اور چونکہ اس زمانے میں سلطنت فارس میں طوائف الملوکی قائم ہو گئی تھی عربوں نے مستقل حکومت قائم کر لی۔ جس کا پہلا فرمانروا مالک بن قیس عدنانی تھا۔ اس خاندان میں جریرہ الاہرش کی سلطنت نہایت وسیع ہوئی۔ اس کا بھانجا عمربن عدی جو اس کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس نے حیرہ کو دار السلطنت قرار دیا۔ اور عراق کا بادشاہ کہلایا اس دور میں اس قدر تمدن پیدا ہو گیا تھا کہ ہشام کلبی کا بیان ہے کہ میں نے عرب کے زیادہ تر حالات اور فارس و عرب کے تعلقات زیادہ تر انہی کتابوں سے معلوم کیے جو حیرہ میں اس زمانے

۱۔ ہشام کلبی نے یہ تصنیف کتاب التیجان میں کی ہے۔

میں تصنیف ہوئی تھیں۔ اسی زمانے میں ارد شیر بن مالک نے طوائف الملوکی مٹا کر ایک وسیع سلطنت قائم کی اور عمرو بن عدی کو با بکلور ہٹا لیا۔ عمرو بن عدی کا خاندان اگرچہ مدت تک عراق میں فرمانروا رہا۔ لیکن درحقیقت وہ سلطنت فارس کا ایک صوبہ تھا۔

شاہ پور بن ارد شیر جو سلسلہ ساسانیہ کا دوسرا فرمانروا رہا تھا۔ اس کے عہد میں جاز و یمن دونوں با بکلور ہو گئے۔ اور امراء القیس کنندی ان صوبوں کا گورنر مقرر ہوا۔ تاہم مطیع ہو کر رہنا عرب کی فطرت کے خلاف تھا۔ اس لئے جب کبھی موقع ملتا تھا تو بغاوت برپا ہو جاتی تھی چنانچہ شاہ پور و ذی الاکثاف جب صغریٰ میں فارس کے تخت پر بیٹھا تو تمام عرب میں بغاوت پھیل گئی۔ یہاں تک کہ قبیلہ عبدالقیس نے خود فارس پر حملہ کر دیا۔ اور ایاد نے عراق کے صوبے دبا لئے شاہ پور کو بڑے عزم و استقلال کا بادشاہ ہوا۔ اور عرب کی بغاوت کا انتقام لینا چاہا۔ ہجر میں پہنچ کر نہایت خونریزی کی اور قبیلہ عبدالقیس کو برباد کر تا ہوا مدینہ منورہ تک پہنچ گیا۔ رؤسائے عرب جو گرفتار ہو کر اس کے سامنے آتے تھے ان کے شانے اکھڑا ڈال دیتا تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے عرب میں وہ ذوالاکثاف کے لقب سے مشہور ہے۔

سلاطین حیرہ میں سے نعمان بن منذر نے جو کسریٰ پرویز کے زمانہ میں تھا۔ عیسوی مذہب قبول کر لیا۔ اور اس تبدیل مذہب پر یا کسی اور سبب سے پرویز نے اسکو قید کر دیا۔ اور قید ہی میں اس نے وفات پائی، نعمان نے اپنے ہتھیار و غیر وہابی کے پاس امانت رکھوا دیئے جو قبیلہ بکر کا سردار تھا پرویز نے اس سے وہ چیزیں طلب کیں۔ اور جب اس نے انکار کیا تو ہرمزان کو دو ہزار فوج کے ساتھ بھیجا کہ ہرمزان چھین لائے بکر کے تمام قبیلے ذی وقار ایک مقام میں بڑے سرو سامان سے جمع ہوئے۔ اور سخت معرکہ ہوا۔ فارسیوں نے شکست کھائی۔ اس لڑائی میں جناب رسول اللہ بھی تشریف رکھتے تھے۔ اور آپ نے فرمایا کہ

هَذَا اَوَّلُ يَوْمٍ اَنْتَصَفَتِ الْعَرَبُ مِنَ الْمَجُجِ

یعنی ”یہ پہلا دن ہے کہ عرب نے مجھ سے بدلہ لیا۔“

عرب کے تمام شعراء نے اس واقعہ پر بڑے فخر اور جوش کے ساتھ قصیدے اور اشعار لکھے۔ سنہ ۱۶ ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے تو ہاں جو اس کے کہ ان خطوط میں جنگ و جدل کا اشارہ نہ تھا۔ پرویز نے خط پڑھ کر کہا کہ میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے۔ اس پر بھی قناعت نہ کی بلکہ بازان کو جو یمن کا عامل تھا لکھا کہ کسی کو بھیج دو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر کے دیہار میں لائے۔“

اتفاق سے اسی زمانے میں پرویز کو اس کے بیٹے نے ہلاک کر دیا اور معاملہ یہیں تک رہ گیا۔
دوئی سلطنت سے عرب کا جو تعلق تھا یہ تھا کہ عرب کے چند قبیلے سلج و عسنان و جذام وغیرہ شام کے سرحدی اضلاع میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ ان لوگوں نے رفتہ رفتہ شام کے اندر یعنی اضلاع پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور زیادہ قوت و جمعیت حاصل کر کے شام کے بادشاہ کھلانے لگے تھے لیکن یہ لقب خود انکا خاندان ساز لقب تھا۔ ورنہ جیسا کہ مؤرخ ابن الاثیر نے تصریح کی ہے درحقیقت وہ دوئی سلطنت کے صوبہ دار تھے۔

ان لوگوں نے اسلام سے بہت پہلے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا۔ اور اس وجہ سے ان کو رومیوں کے ساتھ ایک قسم کی یگانگت ہو گئی اسلام کا زمانہ آیا تو مشرکین عرب کی طرح وہ بھی اسلام کے دشمن نکلے۔ سنہ ۸ ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو دعوت اسلام کا خط لکھا۔ اور وجہ کلی (جو خط لے کر گئے تھے) واپس آتے ہوئے ارض جذام میں پہنچے تو انہی شامی عربوں نے وجہ پر حملہ کر دیا۔ اور تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ اسی طرح جب رسول اللہ نے حارث بن عمیر کو خط دے کر بصری کے حاکم کے پاس بھیجا تو عمرو بن شریکل نے ان کو قتل کر دیا۔ چنانچہ اس کے انتقام کیلئے رسول اللہ نے سنہ ۸ ہجری میں لشکر کشی کی اور غزوہ موتہ کا واقعہ پیش آیا اس لڑائی میں زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بڑے بڑے وجہ کے صحابہ تھے، شہید ہوئے۔ اور گو خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکمت عملی سے فوج صحیح و سلامت نکل آئی تاہم نتیجہ حقیقت شکست تھا۔

۸ ہجری میں رومیوں نے خاص مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کیں۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود پیش قدمی کر کے مقام تبوک تک پہنچے تو ان کو آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اگرچہ اس وقت عارضی طور سے لڑائی رک گئی لیکن رومی اور عسائی مسلمانوں کی فکر سے کبھی غافل نہیں رہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ مدینہ پر چڑھ نہ آئیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت مشہور ہوا کہ آپ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی تو ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر کہا کہ کچھ تم نے سنا! حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا؟ کہیں عسائی تو نہیں چڑھ آئے۔

اسی حفظ ماقدم کے لئے ۸ ہجری میں رسول اللہ اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

سوار بنا کر شام کی مہم پر بھیجا۔ اور چونکہ ایک عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بڑے بڑے نامور صحابہ مامور ہوئے کہ فوج کے ساتھ جائیں۔ اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی روانہ نہیں ہوئے تھے کہ رسول اللہ نے بیمار ہو کر انتقال فرمایا۔ غرض جب حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو عرب کی یہ حالت تھی کہ دونوں ہمسایہ سلطنتوں کا ہدف بن چکا تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام پر لشکر کشی کی تو فوج سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم میں جو شخص مارا جائے گا شہید ہوگا۔ اور جو بچ جائے گا مدافع عن الدین ہوگا۔ یعنی دین کو اس نے دشمنوں کے حملے سے بچایا ہوگا۔ ان واقعات سے ظاہر ہو گا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کام شروع کیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس کی تکمیل کی اس کے کیا اسباب تھے؟ اس تمہیدی بیان کے بعد ہم اصل مطلب شروع کرتے ہیں۔

فتوحات عراق

فارس کی حکومت کا جو دور جو ساسانی کہلاتا ہے نو شیرازان عادل کی وجہ سے بہت نام آور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسی کا پوتا پرویز تخت نشین تھا۔ اس مغرور بادشاہ کے زمانے تک سلطنت نہایت قوی اور زور آور رہی لیکن اس کے مرنے کے ساتھ دفعۃً ایسی ابتری پیدا ہو گئی کہ ایوان حکومت مدت تک متزلزل رہا۔ شیرازیہ اس کے بیٹے نے کل آٹھ مہینے حکومت کی اور اپنے تمام بھائیوں کو جو کم بیش پندرہ تھے قتل کر دیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اردشیر نے برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا لیکن ڈیڑھ برس کے بعد دوبارہ کے ایک افسر نے اس کو قتل کر دیا۔ اور آپ بادشاہ بن بیٹھا یہ سنہ ۸ ہجری کا بارہواں سال تھا۔ چند روز کے بعد دوبارہ یوں نے اس کو قتل کر کے جو ان شیر کو تخت نشین کیا۔ وہ ایک برس کے بعد قضا کر گیا۔ اب چونکہ خاندان میں بزرگروں کے سوا جو نہایت صغیر السن تھا، اولاد ذکور باقی نہیں رہی تھی۔

۱۔ جغرافیہ نویسوں نے عراق کے حصے کے ہیں یعنی جو حصہ عرب سے ملتا ہے اس کو عراق عرب اور جو حصہ عجم سے ملتا ہے اس کو عراق عجم کہتے ہیں عراق عرب کی حدود اردن ہیں شمال میں بحرہ جنوب میں بحرہ فارس مشرق میں خوزستان اور مغرب میں بحرہ عرب ہے جس کا مشہور شہر موصل ہے اور دار السلطنت اس کا بغداد ہے اور جو حصہ عجم سے ملتا ہے اس میں آباد ہیں وہ حصہ کوثر واسطہ وغیرہ ہیں۔ ۲۔ ہمارے مورخین کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ مہینوں کو عنوان قرار دیتے ہیں لیکن اس میں یہ نقص ہے کہ واقعات کا سلسلہ ٹوٹ پاتا ہے مثلاً وہ اہل ان کی فتوحات لکھتے آتے ہیں کہ سنہ ۸ ہجری میں آپ نے عراق عرب کو فتح کیا اور ان کو اس سنہ کے تمام واقعات لکھتے ہیں۔ اس لئے قتل اس کے کہ اہل ان کی فتوحات تمام ہوں یا موزوں موقع پر ان کا سلسلہ ٹوٹے شام و مصر کے واقعات کو جو اسی سنہ میں پیش آئے تھے چھوڑ دینا ناہج ہے اس لئے میں نے اہل ان کی تمام فتوحات کو ایک جاشام کو ایک جا اور مصر کو ایک جا لکھا ہے۔

پوران دخت کو اس شرط پر تخت نشین کیا گیا کہ یوگرہ سن شعور کو پہنچ جائے گا تو وہی تخت و تاج کا مالک ہوگا۔ (یوگرہ کے بعد حکومت کی ترتیب اور ناموں کی تعیین میں سور میں اس قدر مختلف ہیں کہ دو مورخ بھی باہم متفق نہیں) فردوسی کا بیان سب سے اگلی ہے میں نے لحاظ قدیم العهد اور فارسی النسل ہونے ابو صفیہ دیوری کے بیان کو ترجیح دی ہے)

یورین کے بعد جو انقلابات حکومت ہوتے رہے اس کی وجہ سے ملک میں جا بجا بے امنی پھیل گئی پوران کے زمانے میں یہ مشہور ہو گیا کہ فارس میں کوئی وارث تاج و تخت نہیں رہا۔ برائے نام ایک عورت کو اپوان شانی میں بٹھا رکھا ہے۔ اس خبر کی شہرت کے ساتھ عراق میں قبیلہ وائل کے دو سرداروں شعی شیبانی اور سوید بجلی نے تھوڑی سی جمیعت بہم پہنچا کر عراق کی سرحد حیرہ وابلہ کی طرف غارت گری شروع کی۔ یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا اور خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیف اللہ یمامہ اور دیگر قبائل عرب کی مسامت سے فارس ہو چکے تھے۔ شعی نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عراق پر حملہ کرنے کی اجازت حاصل کی، شعی خود اگرچہ اسلام لائے تھے۔ لیکن اس وقت تک ان کا تمام قبیلہ عیسائی یا بت پرست تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت سے واپس آکر انہوں نے اپنے قبیلہ کو اسلام کی ترغیب دی اور قبیلہ کا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ ان نو مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ نے کر عراق کا رخ کیا۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالد کو مدد کے لئے بھیجا۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عراق کے تمام سرحدی مقام فتح کر لئے۔ اور حیرہ پر علم فتح نصب کیا۔ یہ مقام کوفہ سے تین میل ہے۔ اور چونکہ یہاں نعمان بن منذر نے حوزن ایک مشہور محل بنایا تھا وہ ایک یادگار مقام خیال کیا جاتا تھا۔

عراق کی یہ فتوحات خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بڑے بڑے کارناموں پر مشتمل ہیں، لیکن ان کے بیان کرنے کا یہ محل نہیں تھا۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسامت عراق کا خاتمہ کر دیا ہوتا۔ لیکن چونکہ اور حشام کی مہم درپیش تھی اور جس زور شور سے وہاں عیسائیوں نے لڑنے کی تیاریاں کی تھیں اس کے مقابلے کا وہاں پورا سامان نہ تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ربیع الثانی سہرہ جری (۶۳۳ء) میں خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم بھیجا کہ فوراً حشام کو روانہ ہوں اور شعی کو اپنا جانشین کرتے جائیں اور خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روانہ ہوئے اور عراق کی فتوحات و فتوکے گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر بیٹھے تو سب سے پہلے عراق کی مہم پر توجہ

کی بیعت خلافت کے لئے تمام اطراف و دیار سے پیشا آدمی آئے تھے۔ اور تین دن تک ان کا آنا بندھا رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ اور مجمع عام میں جناد کا وعظ کیا۔ لیکن چونکہ لوگوں کا عام خیال تھا کہ عراق حکومت فارس کا پایہ تخت ہے۔ اور وہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بغیر فتح نہیں ہو سکتا۔ اس لئے سب خاموش رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کئی دن تک وعظ کیا، لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر چونکہ دن اس جوش سے تقریر کی کہ حاضرین کے دل مل گئے۔ شعی شیبانی نے اٹھ کر کہا کہ ”مسلمانو! میں نے مجوسیوں کو آزمایا ہے۔ وہ مو میدان نہیں ہیں عراق کے بڑے بڑے اضلاع کو ہم نے فتح کر لیا ہے۔ اور عجم ہمارا اہلکان گئے ہیں“ حاضرین میں سے ابو عبیدہ ثقفی بھی تھے جو قبیلہ ثقیف کے مشہور سردار تھے وہ جوش میں آکر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ اناللہنا یعنی اس کام کے لئے میں حاضر ہوں۔ ابو عبیدہ کی ہمت نے تمام حاضرین کو گرا دیا۔ اور ہر طرف سے غلغلہ اٹھا کہ ہم بھی حاضر ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ اور مضافات سے ہزار آدمی انتخاب کئے اور ابو عبیدہ کو سپہ سالار مقرر کیا۔

ابو عبیدہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل نہ تھا۔ یعنی صحابی نہ تھے اس وجہ سے ان کی افسری پر کسی کو خیال ہوا۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے آزادانہ کہا کہ ”عمرو! صحابہ میں سے کسی کو یہ منصب دو فوج میں سینکڑوں صحابہ ہیں اور ان کا افسر بھی صحابی ہی ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ ”تم کو جو شرف تھا وہ ہمت اور استقلال کی وجہ سے تھا۔ لیکن اس شرف کو تم نے خود کھودیا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ جو لڑنے سے جی چرائے وہ افسر مقرر کئے جائیں“ تاہم چونکہ صحابہ کی دلجوئی ضروری تھی ابو عبیدہ کو ہدایت کی کہ ان کا ادب ملحوظ رکھنا اور ہر کام میں ان سے مشورہ لینا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں عراق پر جو حملہ ہوا اس نے ایران کو چونکا دیا تھا۔ چنانچہ پوران دخت نے رستم کو جو قرخ زاد گورنر خراسان کا بیٹا اور نہایت شجاع اور صاحب تدبیر تھا دربار میں طلب کیا۔ اور وزیر حرب مقرر کر کے کہا کہ تو سیاہ سپید کا مالک ہے یہ کہہ کر اس کے سر پر تاج رکھا۔ اور دیباہوں کو جن میں تمام امرا اور اخیان سلطنت شامل تھے تاکیدی کہ رستم کی اطاعت سے کبھی انحراف نہ کریں۔ چونکہ اہل فارس اپنی بااقتداری کا نتیجہ دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے دل سے ان احکام کی اطاعت کی اس کا یہ اثر ہوا کہ چند روز میں تمام بد انتظامیاں مٹ گئیں اور سلطنت نے پھر وہی زور و قوت پیدا کی گئی جو ہرگز یورین کے

زمانے میں اس کو حاصل تھی۔

رستم نے پہلے مصریہ کی کہ اضلاع عراق میں ہر طرف ہر کارے اور قریب دو زادیے جنہوں نے مذہبی حیت کا جوش دلا کر تمام ملک میں مسلمانوں کے خلاف بغاوت پھلا دی۔ چنانچہ ابو عبیدہ کے پہنچنے سے پہلے فرات کے تمام اضلاع میں ہنگامہ مچا ہوا گیا اور جو مقلات مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے ان کے ہاتھ سے نکل گئے۔ پورا دن دشت نے رستم کی اعانت کے لئے ایک اور فوج گراں تیار کی۔ اور نری و جابلان کو سپہ سالار مقرر کیا۔ جابلان عراق کا ایک مشہور رئیس تھا۔ اور عرب سے اس کو خاص عداوت تھی۔ نری کسری کا خالہ زاد بھائی تھا۔ اور عراق کے بعض اضلاع قدیم اس کی چاکیر تھے۔ یہ دونوں افسر مختلف راستوں سے عراق کی طرف بڑھے اور ابو عبیدہ اور شعی حیرہ تک پہنچ چکے تھے کہ دشمن کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا۔ مصلحت دیکھ کر فغان کو ہٹ آئے جابلان نمازی پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔

ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس اثناء میں فوج کو سو سامان سے آراستہ کر لیا۔ اور پیش قدمی کر کے خود حملے کے لئے بڑھے۔ نمازی پر دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ جابلان کے میمنہ و میسر پر جو شن شاہ اور موآن شاہ دو مشہور افسر تھے جو بڑی ثابت قدمی سے لڑے لیکن بالآخر شکست کھائی اور عین معرکہ میں گرفتار ہو گئے۔ موآن شاہ ہستی سے اسی وقت قتل کر دیا گیا۔ لیکن جابلان اس حملے سے بچ گیا کہ جس شخص نے اس کو گرفتار کیا تھا وہ اس کو پہچانتا نہ تھا۔ جابلان نے اس سے کہا کہ اس بوجھ میں میں کس کلام کا ہوں، مجھ کو چھوڑ دو، مجھ کو چھوڑ دو، مجھ کو چھوڑ دو، اس نے منکھور کر لیا۔ بعد کو لوگوں نے جابلان کو پہچانا تو غل جپایا کہ ہم ایسے دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ لیکن ابو عبیدہ نے کہا کہ اسلام میں بد عمدی جائز نہیں۔ ابو عبیدہ نے اس معرکہ کے بعد سکر کا رخ کیا۔ جہاں نری فوج لئے پڑا تھا۔ سقاطیہ میں دونوں فوجیں مقابل ہوئیں۔ نری کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا۔ اور خود کسری کے دھماکوں زاد بھائی بندویہ اور تیویہ میمنہ اور میسر پر تھے۔ تاہم خوبی اس وجہ سے لڑائی میں دیر نہ رہا تھا کہ پایہ تخت سے امدادی فوجیں روانہ ہو چکی تھیں۔ ابو عبیدہ کو بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی۔ انہوں نے بڑھ کر جنگ شروع کر دی۔ بہت بڑے معرکے کے بعد نری کو شکست فاش ہوئی۔ ابو عبیدہ نے خود سقاطیہ میں مقام کیا۔ اور تھوڑی سی فوجیں ہر طرف بھیج دیں کہ ایرانیوں نے جہاں جہاں پناہ لی ہے ان کو وہاں سے نکال دیں۔

فرخ اور فراوند جو بادشاہ اور زوادی کی رئیس تھے۔ مطیع ہو گئے۔ چنانچہ اظہار خلوص کے لئے ایک دن ابو عبیدہ کو نہایت عمدہ عمدہ کھانے پکوا کر بھیجے۔ ابو عبیدہ نے دریافت کیا

کہ یہ سلمان کل فوج کے لئے ہے یا صرف میرے لئے؟ فرخ نے کہا کہ اس جلدی میں ساری فوج کا اہتمام نہیں ہو سکتا تھا۔ ابو عبیدہ نے دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ مسلمانوں میں ایک کو دوسرے پر کچھ ترجیح نہیں۔

اس شکست کی خبر سن کر رستم نے موآن شاہ کو جو عرب سے دلی عداوت رکھتا تھا۔ اور جس کو نوشیرواں نے تقدس کے لحاظ سے بمن کا خطاب دیا تھا۔ چار ہزار فوج کے ساتھ اس سلمان سے روانہ کیا کہ درفش کاویانی جو کئی ہزار برس سے کیانی خاندان کی یادگار چلا آتا تھا۔ اور فتح و ظفر کاں باچہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کے سر پر سایہ کرتا جاتا تھا۔ مشرقی فرات کے کنارے ایک مقام پر جس کا نام موحہ تھا۔ دونوں حریف صف آرا ہوئے۔ چونکہ بیچ میں دریا حائل تھا۔ بمن نے کہا سمجھا کہ یا تم اس پار اتر کر لڑو یا ہم آئیں۔ ابو عبیدہ کے تمام سرداروں نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم کو اس طرف رہنا چاہئے۔ لیکن ابو عبیدہ جو شجاعت کے نشے میں سرشار تھے کہا کہ یہ ناموسی کی دلیل ہے۔ سرداروں سے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ جابلان کے میدان میں مجوسی ہم سے آگے بڑھ جائیں۔ موآن شاہ جو پیغام لے کر آیا تھا۔ اس نے کہا کہ ہماری فوج میں عام خیال ہے کہ "عرب مو میدان نہیں ہیں"۔ اس پہلے نے اور بھی اشتعال دلایا۔ اور ابو عبیدہ نے اسی وقت فوج کو کمر بندی کا حکم دے دیا۔ فنی اور سلیط وغیرہ بڑے بڑے افسران فوج اس رائے کے بالکل مخالف تھے اور عظمت و شان میں ان کا رتبہ ابو عبیدہ سے بڑھ کر تھا۔

جب ابو عبیدہ نے اصرار کیا تو ان لوگوں نے کہا کہ اگرچہ ہم کو قطعی یقین ہے کہ اس رائے پر عمل کرنے سے تمام فوج غارت ہو جائے گی۔ تاہم اس وقت تم افسر ہو اور افسری مخالفت ہمارا شیعہ نہیں، غرض کشتیوں کا پل باندھا گیا اور تمام فوج پار اتر کر غنیم سے معرکہ آرام ہوئی۔ پار کا میدان تنگ اور ناموار تھا۔ اس لئے مسلمانوں کو موقع نہیں مل سکتا تھا کہ فوج کو ترتیب سے آراستہ کر سکتے۔

ایرانی فوج کا نظارہ نہایت مبہب تھا، بہت سے کوہ پیکر ہاتھی تھے جن پر گھنے ٹکٹے تھے اور بڑے زور سے بچتے جاتے تھے۔ گھوڑوں پر آہنی پاکھریں تھیں، سوار سمور کی لمبی ٹوپیاں اوڑھے ہوئے صحرائی جانور معلوم ہوتے تھے عرب کے گھوڑوں نے یہ مبہب نظارہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بدگ کر پیچھے ہٹے۔ ابو عبیدہ نے دیکھا کہ ہاتھیوں کے سامنے کچھ زور نہیں چلا۔ گھوڑے سے کود پڑے اور ساتھیوں کو لاکارا کہ جابانڈ ہاتھیوں کو بیچ میں لے لو اور ہودوں کو سواروں سمیت الٹ دو، اس آواز کے ساتھ سب گھوڑوں سے کود پڑے اور ہودوں کی رسیاں کاٹ کر فیل نشینوں کو خاک پر گرا دیا۔ لیکن ہاتھی جس طرف بھٹکتے تھے صف کی صف پس جاتی

تھی۔ ابو عبیدہ یہ دیکھ کر چیل سفید پر جو سب کا سردار تھا حملہ آور ہوئے اور سونے پر تلوار ماری کہ منیک سے الگ ہو گئی با تھی نے بیٹھ کر ان کو زمین پر گرا دیا اور سینے پر پاؤں رکھ دئے کہ ہڈیاں تک چور چور ہو گئیں۔

ابو عبیدہ کے مرنے پر ان کے بھائی علم نے علم ہاتھ میں لیا۔ اور ہاتھی پر حملہ آور ہوئے اس نے ابو عبیدہ کی طرح ان کو بھی پاؤں میں لپیٹ کر مسل دیا۔ اس طرح ساتھ آدمیوں نے جو سب کے سب ابو عبیدہ کے ہم نسب اور خاندان ثقیف سے تھے باری باری سے علم ہاتھ میں لئے اور مارے گئے۔ آخر میں ثنی نے علم لیا۔ لیکن اس وقت لڑائی کا نقشہ بگڑ چکا تھا۔ اور فوج میں بھاگڑ پڑ چکی تھی۔ طروبہ ہوا کہ ایک شخص نے دوڑ کر پل کے تختے توڑ دیئے کہ کوئی شخص بھاگ کر جانے نہ پائے۔ لیکن لوگ اس طرح بدحواس ہو کر بھاگے تھے کہ پل کی طرف راستہ نہ ملا تو دریا میں کود پڑے۔ ثنی نے دوبارہ پل بندھوایا اور سواروں کا ایک دست بھیجا کہ بھاگتوں کو اطمینان سے پار اتار دے۔ خود بھی کچھ فوج کے ساتھ دشمن کا انکاروک کر کھڑے ہوئے اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ ایرانی جو مسلمانوں کو دہاتے آتے تھے رک گئے اور آگے نہ بڑھ سکے۔ تاہم حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ نو ہزار فوج میں سے صرف تین ہزار رہ گئی۔ اسلام کی تاریخ میں میدان جنگ سے فرار نہایت شاذ اور وقوع میں آیا ہے اور اگر کبھی ایسا واقعہ پیش آ بھی گیا تو اس کا عجیب افسوس ناک اثر ہوا ہے۔ اس لڑائی میں جن لوگوں کو یہ ذلت نصیب ہوئی وہ مدت تک خاندان بدوش پھرتے رہے۔ اور شرم سے اپنے گھروں کو نہیں جاتے تھے۔ اکثر رویا کرتے اور لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں یہ خبر پہنچی تو ماتم پڑ گیا۔ لوگ مسلمانوں کی بد قسمتی پر افسوس کرتے تھے۔ اور روتے تھے جو لوگ مدینہ پہنچ کر گھروں میں روپوش تھے۔ اور شرم سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس جا کر ان کو تسلی دیتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ تم اَوْفِیْہِمْ اَللّٰہِ فَنَفِیْہِمْ میں داخل ہو، لیکن ان کو اس سے تسلی نہیں ہوتی تھی۔

یہ واقعہ (حسب بیان بلاذری) ہشت کے دن رمضان سہر ہجری میں واقع ہوا اس لڑائی میں نامور صحابیوں میں سے جو لوگ شہید ہوئے وہ سلیطہ ابو زید انصاری، عقبہ و عبد اللہ، پیران قبیلہ بن قیس، یزید بن قیس، الانصاری، ابو امیہ الغزالی وغیرہ تھے۔

واقعہ بویب رمضان ۱۳ ہجری (۶۳۵ء)

اس فکالت نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت پرہم کیا۔ اور نہایت زور شور

سے حملہ کی تیاریاں کیں۔ تمام عرب میں خطباء اور نقیب بھیج دیئے جنہوں نے پر جوش تقریروں سے تمام عرب میں ایک آگ لگا دی۔ اور ہر طرف سے عرب کے قبائل امنڈ آئے۔ قبیلہ ازد کا سردار حنظل بن سلیم سات سو سواروں کو ساتھ لے کر آیا۔ بنو قحتم کے ہزار آدمی حصین بن معبد کے ساتھ آئے۔ حاتم طائی کے بیٹے عدی ایک جمیت گھیر لے کر پہنچے، اسی طرح قبیلہ رباب بن کنانہ فزیز بن زکریٰ بڑے بڑے جتھے اپنے اپنے سروادوں کے ساتھ آئے، یہ جو ش یہاں تک پہنچا کہ ”منبو تغلب“ کے سروادوں نے جو مذہباً عیسائی تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ ”آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے اس قومی معرکہ میں ہم بھی قوم کے ساتھ ہیں۔ ان دونوں سروادوں کے ساتھ ان کے قبیلے کے ہزاروں آدمی تھے اور عجم کے مقابلہ کے جوش میں لبریز تھے۔

اتفاق سے انہی دنوں جریر بجلی دربار خلافت میں حاضر ہوا، یہ ایک مشہور ہمدرد تھا۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی تھی کہ اپنے قبیلے کا سردار مقرر کر دیا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ درخواست منظور کر لی تھی لیکن جمیل کی نوبت نہیں آئی تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے عرب کے تمام عمال کے نام احکام بھیج دیئے کہ جہاں جہاں اس قبیلے کے آدمی ہوں، تاریخ معین پر اس کے پاس پہنچ جائیں، جریر یہ جمعیت اعظم لے کر دوبارہ مدینہ میں حاضر ہوئے۔

ادھر شئی نے عراق کے تمام سرحدی مقامات پر نقیب بھیج کر ایک بہتی فوج جمع کر لی تھی ایرانی جاسوسوں نے یہ خبریں شامی دربار میں پہنچائیں پوران دخت نے حکم دیا کہ فوج خاصہ سے بارہ ہزار سوار انتخاب کئے جائیں۔ اور مہران بن مویہ ہمدانی افسر مقرر کیا جائے۔ مہران کے انتخاب کی وجہ یہ تھی کہ اسے خود عرب میں تربیت پائی تھی اور اس وجہ سے وہ عرب کے زور قوت کا اندازہ کر سکتا تھا۔ کوفہ کے قریب بویب نام ایک مقام تھا اسلامی فوجوں نے یہاں پہنچ کر ڈیرے ڈالے۔ مہران پایہ تخت سے روانہ ہو کر سیدھا بویب پہنچا اور دریائے فرات کو چھ میں ڈال کر خیمہ زن ہوا۔ صبح ہوتے ہی فرات اتر کر بڑے سرو سامان سے لشکر آرائی شروع کی۔ شئی نے نہایت ترتیب سے صف درست کی 'فوج کے مختلف حصے کر کے بڑے بڑے ناموں کی ماتحتی میں دیئے چنانچہ میمنہ پر ند غور، میسرور، نیر پیدل پر مسعود و انیس پر عاصم، گشت کفرت پر صمد کو مقرر کیا۔ لشکر آراستہ ہو چکا تو شئی نے اس سرے سے اس سرے تک ایک ایک بار چکر لگایا۔ اور ایک ایک علم پاس کھڑے ہو کر کہا "مہادرو! کھنا تمہاری وجہ سے تمام عرب پر بدنامی کا داغ بن آئے۔"

اسلامی فوج کی لڑائی کا یہ قاعدہ تھا کہ سردار تین دفعہ اللہ اکبر کہتا تھا۔ پہلی بکبیر فوج حریف و ہتھیار سے آراستہ ہو جاتی تھی۔ دوسری بکبیر لوگ ہتھیار قتل لیتے تھے۔ اور تیسرے فوج پر حملہ کر دیا جاتا تھا۔ شئی نے دوسری بکبیر میں یہ حکم بھی کہ ایرانیوں نے حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر مسلمان ضبط نہ کر سکے اور کچھ لوگ جوش میں آکر صف سے آگے نکل گئے۔ شئی نے غصے میں آکر ڈاڑھی و انتوں میں دیالی اور پکارے کہ ”خدا کے لئے اسلام کو رسوا نہ کرو“ اس کو آواز کے ساتھ فوراً لوگ پیچھے ہٹے اور جس شخص کی جمل جگہ تھی وہیں آکر جم گیا، چوتھی بکبیر کہہ کر شئی نے حملہ کیا۔

عجمی اس طرح گرجتے ہوئے بڑھے کہ تمام میدان گونج اٹھا، شئی نے فوج کو لٹکارا کہ گھبراتا نہیں یہ ناموسان غل ہے۔ عیسائی سرداروں کو جو ساتھ تھے بلا کر کہا کہ تم اگرچہ عیسائی ہو لیکن ہم قوم ہو۔ اور آج قوم کا معاملہ ہے۔ میں مہران پر حملہ کرتا ہوں تم ساتھ رہنا۔ انہوں نے لبیک کہا، شئی نے ان سرداروں کو دونوں بانوں پر لے کر حملہ کیا۔ اور پہلے حملہ میں مہران کا سینہ توڑ کر قلب میں گھس گئے۔ عجمی دوبارہ سنبھلے اور اس طرح ٹوٹ کر گرنے کہ مسلمانوں کے قدم اکٹڑ گئے۔ شئی نے لٹکارا کہ ”مسلمانو! کہاں جاتے ہو ہمیں یہ ٹھکڑا ہوں۔“ اس آواز کے ساتھ سب پلٹ پڑے شئی نے ان کو سمیٹ کر حملہ کیا۔ عین اس حالت میں مسعود جو شئی کے بھائی اور مشہور بہادر تھے زخم کھا کر گرے۔ ان کی رکاب کی فوج بیدل ہوا چاہتی تھی شئی نے لٹکارا کہ ”مسلمانو! میرا بھائی مارا گیا تو کچھ ہوا نہیں، شرفاء یوں ہی جان دیا کرتے ہیں۔ دیکھو تمہارے علم بھگنے نہ پائیں۔“ خود مسعود نے گرتے گرتے کہا کہ ”میرے مرنے سے بے دل نہ ہونا۔“

دیر تک بڑی محسنان کی لڑائی رہی۔ انس بن ہلال جو عیسائی سردار تھا اور بڑی جانبازی سے لڑ رہا تھا زخم کھا کر گرا، شئی نے خود گھوڑے سے اتر کر اس کو گود میں لیا۔ اور اپنے بھائی مسعود کے برابر لٹا دیا۔ مسلمانوں کی طرف بڑے بڑے افسر مارے گئے لیکن شئی کی ثابت قدمی کی وجہ سے لڑائی کا پلہ اسی طرف بھاری رہا۔ عجم کا قلب خوب جم کر لڑا۔ مگر کل کا کل برباد ہو گیا۔ شہر راز جو ایک مشہور افسر تھا۔ قرط کے ہاتھ سے مارا گیا، تاہم سپہ سالار مہران ثابت قدم تھا۔ اور بڑی بہادری سے تیغ بخت لڑ رہا تھا۔ کہ قبیلہ تغلب کے ایک نوجوان نے تھوڑے سے اس کا کام تمام کر دیا۔ مہران گھوڑے سے گرا تو نوجوان نے اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھا اور فخر کے لہجہ میں پکارا۔ ”میں تغلب کا نوجوان ہوں اور رئیس عجم کا قاتل ہوں۔“

مہران کے قتل پر لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ عجم نہایت احمق سے بھاگے۔ شئی نے فوراً پل کے پاس پہنچ کر رستہ روک لیا کہ عجم بھاگ کر نہ جانے پائیں۔ مولو عین کا بیان ہے کہ کسی لڑائی نے اس قدر بے شمار لاشیں اپنی یادگار میں نہیں چھوڑیں۔ چنانچہ مدتوں کے بعد جب مسافروں کا اوجہ گزر ہوا۔ تو انہوں نے جا بجا ہڈیوں کے انبار پائے۔ اس فتح کا ایک خاص اثر یہ ہوا کہ عربوں پر عجم کا جو رعب چھایا ہوا تھا جاتا رہا۔ ان کو یقین ہو گیا کہ اب سلطنت کسریٰ کے اخیر دن آگئے۔ خود شئی کا بیان ہے کہ اسلام سے پہلے میں بارہا عجم سے لڑ چکا ہوں۔ اس وقت سو عجمی ہزار عرب پر بھاری تھے۔ لیکن آج ایک عرب دس عجمی پر بھاری ہے۔ اس معرکہ کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقہ میں پھیل پڑے۔

جہاں اب بغداد آباد ہے اس زمانے میں وہاں بہت بڑا بازار لگتا تھا شئی نے عین بازار کے دن حملہ کیا۔ بازاری جان بچا کر اوہر اوہر بھاگ گئے اور بے شمار نقد اور اسباب ہاتھ آیا۔ پائے تخت میں یہ خبریں پہنچیں تو سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ”زنابنہ حکومت اور آپس کے اختلافات کا یہی نتیجہ تھا“ اسی وقت پورا دن سخت کو تخت سے اتار کر یزید گرد کو جو سولہ برس کا جوان تھا۔ اور خاندان کسریٰ کا وہی ایک نرینہ یادگار رہا کیا تھا۔ تخت نشین کیا۔ رستم اور نیوز جو سلطنت کے دست بازو تھے۔ آپس میں عداوت رکھتے تھے۔ دیباہیوں نے ان سے کہا کہ اب بھی اگر تم دونوں متفق ہو کر کام نہیں کرتے تو ہم خود تمہارا فیصلہ کئے دیتے ہیں۔ غرض یزید گرد کی تخت نشینی کے ساتھ سلطنت میں نئے سرے سے جان آئی۔ ملکی اور فوجی افسر جہاں جہاں جس کام پر تھے مستعد ہو گئے۔ تمام قلعے اور چھاونیاں مستحکم کر دی گئیں۔ عراق کی آبادیاں جو فتح ہو چکی تھیں عجم کا سارا پاکروہاں بھی بغاوت پھیل گئی۔ اور تمام مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خبریں پہنچیں تو فوراً شئی کو حکم بھیجا کہ فوجوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر عرب کی سرحد کی طرف ہٹ آؤ۔ اور ریجہ و مصر کے قبائل جو عراق کی حدود میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کو طلبی کا حکم بھیج دو کہ تاریخ معین پر جمع ہو جائیں۔

اس کے ساتھ خود بڑے ساز و سامان سے فوجی تیاریاں شروع کیں۔ ہر طرف تیغ و دوڑائے کہ اضلاع عرب میں جہاں جہاں کوئی رئیس صاحب تدبیر، شاعر، خطیب، اہل الرائے ہو۔ فوراً دیباہ خلافت میں آئے، چوتھے جگہ کا زمانہ آچکا تھا۔ خود مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے اور حج سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ہر طرف سے قبائل عرب کا طوفان امنڈ آیا۔ سعد بن ابی وقاص

نے تین ہزار آدمی بھیجے۔ جن میں سے ایک ایک شخص و علم کا مالک تھا۔ حضرت مصدقؑ مدح، قیس، غیلان کے بڑے بڑے سردار ہزاروں کی جمعیت لے کر آئے مشہور قبائل میں سے یمن کے ہزار بنو حمیر و ریاب کے چار ہزار بنو اسد کے تین ہزار آدمی تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج کر کے واپس آئے تو جہاں تک نگاہ جاتی تھی تو میوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ حکم دیا کہ لشکر نماز تہ تیغ سے آراستہ ہو۔ میں خود سپہ سالار بن کر چلوں گا۔ چنانچہ ہر اول پر طلحہ، میمنہ پر زہیر، میسرور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مقرر کیا۔ فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر خلافت کے کاروبار سپرد کئے اور خود مدینہ سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس مستعدی سے ایک عام جوش پیدا ہو گیا۔ اور سب نے مرنے پر کمر بستہ لیں۔ سرار جو مدینہ سے تین میل پر ایک چشمہ ہے وہاں پہنچ کر مقام کیا۔ اور یہ اس سفر کی گویا پہلی منزل تھی۔ چونکہ امیر المومنین کا خود معرکہ جنگ میں جانا بعض مصلحتوں کے لحاظ سے مناسب نہ تھا۔ اس لئے سرار میں فوج کو جمع کر کے تمام لوگوں سے رائے طلب کی۔ عوام نے یک زبان ہو کر کہا کہ امیر المومنین! یہ ہم آپ کے بغیر سر نہ ہوگی۔ لیکن بڑے بڑے صحابہ نے جو معاملہ کا خشیب و فزاز سمجھتے تھے اس کے خلاف رائے دی۔ عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ لڑائی کے دونوں پہلوں ہیں۔ اگر خدا نخواستہ شکست ہوئی اور آپ کو کچھ صدمہ پہنچا تو پھر اسلام کا خاتمہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر ایک پر اثر تقریر کی۔ اور عوام کی طرف خطاب کر کے کہا کہ "میں تمہاری رائے پر عمل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اکابر صحابہ اس رائے سے متفق نہیں"۔ غرض اس پر اتفاق ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود سپہ سالار بن کر نہ جائیں۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ اور کوئی شخص اس بارگراں کے اٹھانے کے قابل نہیں تھا۔ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کی مہمات میں مصروف تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی گئی تو انہوں نے انکار کیا۔ لوگ اسی حیص بیص میں تھے کہ دفعہ عبدالرحمن بن عوف نے اٹھ کر کہا کہ میں نے پالیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کون ابو لے کہ "سعد بن ابی وقاص" رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے مرتبہ کے صحابی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔ ان کی بہادری اور شجاعت بھی آہم تھی۔ لیکن تدبیر جنگ اور سپہ سالاری کی قابلیتوں کی طرف سے اطمینان نہ تھا۔ اس بناء پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی ترسوا تھا۔

لیکن جب تمام حاضرین نے عبدالرحمن بن عوف کی رائے کی تائید کی چاروں چار منظور کیا۔ تاہم احتیاط کے لحاظ سے لشکر کی تمام مہمات قبضہ اختیار میں رکھیں۔ چنانچہ ان معرکوں میں اول سے آخر تک فوج کی نقل و حرکت حملہ کا بندوبست، لشکر کی ترتیب و فوجوں کی تقسیم و فیوض کے متعلق ہمیشہ احکام بھیج رہے تھے۔ اور ایک کام بھی ان کی خاص ہدایت کے بغیر انجام نہیں پاسکتا تھا۔ یہاں تک کہ مدینے سے عراق تک کی فوج کی منزلیں بھی خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے نامزد کر دی تھیں۔ چنانچہ مؤرخ طبری نے نام بنام ان کی تصریح کر دی ہے۔

۱

غرض سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر کا نشان چڑھایا اور مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ ۱۸ منزلیں طے کر کے ثعلبہ پہنچے۔ اور یہاں مقام کیا، ثعلبہ کوفہ سے تین منزل پر ہے اور پانی کی افراط اور موقع کی خوبی کی وجہ سے یہاں مینے کے مینے بازار لگتا تھا۔ تین مینے یہاں قیام رہا۔ مثنیٰ موضع ذی قار میں آٹھ ہزار آدمی لئے پڑے تھے۔ جن میں خاص بکر بن وائل کے چھ ہزار جوان تھے۔ مثنیٰ کو سعد کی آمد کا انتظار تھا کہ ساتھ ہو کر کوفہ پر بڑھیں۔ لیکن جسر کے معرکہ میں جو زخم کھائے تھے بگڑتے گئے اور آخر اسی صدمے سے انتقال کیا۔ سعد نے ثعلبہ سے چل کر مشرف میں ڈیرے ڈالے، یہاں مثنیٰ کے بھائی ان سے آکر ملے اور مثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیئے تھے، سعد سے بیان کئے چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم تھا کہ فوج کا جہاں پڑاؤ ہو وہاں کے تمام حالات لکھ کر آئیں۔ سعد نے اس مقام کا نقشہ، لشکر کا پھیلاؤ، فرود گاہ کا وضع، رسد کی کیفیت ان تمام حالات سے ان کو اطلاع دی وہاں سے ایک مفصل فرمان آیا۔ جس میں بہت سی ہدایتیں اور فوج کی ترتیب کے قواعد تھے۔ سعد نے ان احکام کے موافق پہلے تمام فوج کا جائزہ لیا۔ جو کم و بیش تیس ہزار تھیں۔ پھر میمنہ و میسرور کی تقسیم کر کے ہر ایک پر جدا جدا افسر مقرر کئے۔ فوج کے جدا جدا حصوں اور ان کے افسروں کی تفصیل طبری کے بیان کے موافق ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگی۔

حصہ	نام افسر	مختصر حال
ہر اول	زہد بن عبد اللہ بن قنہ	جاہلیت میں یہ عمر بن کے پادشاہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی قوم کی طرف سے وکیل ہو کر آئے تھے اور اسلام لائے تھے۔

۱ بازار میں نے ثعلبہ اور طبری نے ذور الثعالبہ ہے۔ یہ دونوں مقام آپس میں کراہت تھیں اور بالکل قریب ہیں۔

میت (ایاں حصہ)	عبداللہ بن العاصم	صحابی تھے۔
میسو (ایاں حصہ)	شریح بن السوط	نہروان کوئی تھے، مرتدین کی جنگ میں نہایت شہرت حاصل کی تھی۔
ساقہ (پچلا حصہ)	عاصم بن عمرو التیمی	
طلایع (گشت کی فوج)	سواد بن مالک	
جمود (بے قاعدہ فوج)	سلمان بن عبدالمہالی	
پیل	جمال بن مالک الاسدی	
شترسوار	عبداللہ بن ذی النعمین	
قاضی و خزانچی	عبداللہ بن یحییٰ المہالی	
راہد یعنی رسد و خیمہ کا بندوبست کرنے والے	سلمان قاریؓ	مشہور صحابی ہیں فارس کے رہنے والے تھے۔
حرم	ہلال جہری	
مشی	زید بن ابی سفیان	
طیب		

امراء عشر میں سے سترہ صحابہ تھے جو غزوہ بدر میں شریک تھے، تین سو وہ جو بیحدہ الرضوان میں حاضر تھے، اسی قدر وہ بزرگ جو فتح مکہ میں شریک تھے سات سو ایسے جو صحابہ نہ تھے لیکن صحابہ کی اولاد تھے۔

سعد شراف ہی میں تھے کہ دربار خلافت سے ایک اور فرمان آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ شراف سے آگے بڑھ کر قادیہ (کوہ سے ۳۵ میل پر ایک چھوٹا سا شہر ہے) میں مقام کرو اور اسی طرح مورچے بنانا کہ سامنے عجم کی زمین اور پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں تاکہ فتح ہو تو جہاں تک چاہو بڑھتے جاؤ اور خدا انخواستہ دوسری صورت پیش آئے تو بہت کر پہاڑوں کی پناہ میں آسکو۔

قادیہ نہایت شاداب، نسوں اور پھل کی وجہ سے محفوظ مقام تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاہلیت میں ان مقامات سے اکثر گزرتے تھے اور اس موقع کی بہت اور کیفیت سے واقف تھے۔ چنانچہ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو فرمان بھیجا اس میں قادیہ کا موقع اور

محل بھی مذکور تھا۔ تاہم چونکہ پرانا تجربہ تھا۔ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ قادیہ پہنچ کر سرزمین کا پورا نقشہ لکھ بھیجو کیونکہ میں نے بعض ضروری باتیں اسی وجہ سے نہیں لکھیں کہ موقع اور مقام کے پورے حالات مجھ کو معلوم نہ تھے۔ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت تفصیل سے موقع جنگ کی حدود اور حالات لکھ کر بھیجے۔ دربار خلافت سے روانگی کی اجازت آئی۔ چنانچہ سعد شراف سے چل کر عذیب پہنچے۔ یہاں عجمیوں کا میگزین بنا کر آتا تھا جو مفت ہاتھ آیا۔ قادیہ پہنچ کر سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر طرف ہر کارے دوڑائے کہ غنیم کی خبریں لائیں۔ انہوں نے آگرمیان کیا کہ رستم اپر فرخ زاد جو آرمینیہ کا رئیس ہے سپہ سالار مقرر ہوا ہے۔ اور مدائن سے چل کر ساباط میں ٹھہرا ہے۔ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی وہاں سے جواب آیا کہ لڑائی سے پہلے لوگ سفیر بن کر جائیں اور ان کو اسلام کی رغبت دلائیں۔ سعد نے سردارن قبائل میں سے چودہ نامور اشخاص انتخاب کئے جو مختلف صفتوں کے لحاظ سے تمام عرب میں انتخاب تھے، عطار بن حجاب ۱، شعث بن قیس، عمارت بن حسان، عاصم بن عمر، عمرو بن معدی کرب، مغیوہ بن شعبہ، معنی ۲، بن حارث قعود، قاسم اور ظاہری رعب و اب کے لحاظ سے تمام عرب میں مشہور تھے، نعمان بن مقرن، ہسین ابی رہم، حملہ بن جوحیہ، منطلہ الریح التیمی، فرات بن حیان، العجل عدی بن سہیل، مغیوہ بن زرارہ، عطل و مدیحہ اور حرم و سیاست میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

ساسانیوں کا پائے تخت قدیم زمانے میں اضططحو تھا۔ لیکن نو شیروان نے مدائن کو دارالسلطنت قرار دیا تھا۔ اسی وقت سے وہی پایہ تخت چلا آتا تھا، یہ مقام سعد کی فرودگاہ یعنی قادیہ سے ۳۰-۴۰ میل کے فاصلے پر تھا۔ سزا گھوڑے اڑاتے ہوئے سیدھے مدائن پہنچے۔ رامہیں جدھر سے گزر رہا تھا۔ تماشاہیوں کی بھیڑ لگ جاتی تھی، یہاں تک کہ آستانہ سلطنت کے قریب پہنچ کر ٹھہرے۔ اگرچہ ان کی ظاہری صورت یہ تھی کہ گھوڑوں پر زمین اور ہاتھوں میں ہتھیار نہ تھا۔ تاہم بیباکی اور دلیری ان کے چہروں سے شکتی تھی اور تماشاہیوں پر اس کا اثر پڑتا تھا۔ گھوڑے جو سواری میں تھے رانوں سے لٹکے جاتے تھے اور بار بار زمین پر ٹاپ مارتے تھے۔ چنانچہ ٹاپوں کی آواز یوں گرو کے کان تک پہنچی اور اس نے دریافت کیا کہ یہ کیسی آواز ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے سفر آئے ہیں۔ یہ سن کر بڑے سارو سالان سے دربار سجایا اور سزا کو طلب کیا۔ یہ لوگ عربی جے پٹے کاٹھنوں پر بیٹھی چادریں ڈالے ہاتھوں میں کوڑے لئے موزے چڑھائے دربار میں داخل ہوئے، پچھلے محرکوں نے تمام ایران میں عرب

کی دھاک بٹھادی تھی۔ یزید گرد نے سفیوں کو اس شان سے دیکھا تو اس پر ہشیت طاری ہوئی۔

ایرانی عموماً ہر چیز سے فال لینے کے عادی تھے یزید گرد نے پوچھا کہ عربی میں چادر کو کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ برد (فارسی کے معنی کے لحاظ سے) کہا "جہاں بُرد" پھر کوڑے کی عربی پوچھی۔ ان لوگوں نے کہا کہ "مسطح" وہ سوخت سمجھا اور بولا کہ "پارس واسو خند" ان بدفالیوں پر سارا دربار برہم ہوا جاتا تھا۔ لیکن شاہی آداب کے لحاظ سے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ پھر سوال کیا کہ تم اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ نعمان بن مقرن جو سرگرد تھے جواب دینے کے لئے آگے بڑھے، پہلے مختصر طور پر اسلام کے حالات بیان کئے پھر کہا کہ ہم تمام دنیا کے سامنے وہ چیزیں پیش کرتے ہیں۔ جزیہ یا تلوار یزید گرد نے کہا تم کو یاد نہیں کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ ذلیل اور بد بخت کوئی قوم نہ تھی، تم جب کبھی ہم سے سرکشی کرتے تھے تو سرحد کے زمینداریوں کو حکم بھیج دیا جاتا تھا اور وہ تمہارا اہل نکال دیتے تھے۔

اس پر سب نے سکوت کیا۔ لیکن مغیو بن ذراہ ضبط نہ کر سکے اٹھ کر کہا کہ "یہ لوگ (اپنے رفیقوں کی طرف اشارہ کر کے) رو سائے عرب ہیں۔ علم و قار کی وجہ سے زیادہ کوئی نہیں کر سکتے انہوں نے جو کچھ کہا یہی زبیا تھا۔ لیکن کہنے کے قابل باتیں وہ نہیں۔ ان کو میں بیان کرتا ہوں یہ سچ ہے کہ ہم بد بخت اور گمراہ تھے۔ آپس میں کٹھنہ مارتے تھے۔ اپنی لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔ لیکن خدا نے تعالیٰ نے ہم پر ایک پیغمبر بھیجا جو حسب و نسب میں ہم سے ممتاز تھا اول اول ہم نے اس کی مخالفت کی۔ وہ سچ کہتا تھا تو ہم جھٹلاتے تھے وہ آگے بڑھتا تو ہم پیچھے ہٹتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کی باتوں نے دلوں میں اثر کیا وہ جو کچھ کہتا تھا خدا کے حکم سے کہتا تھا۔ اور جو کچھ کرتا تھا خدا کے حکم سے کرتا تھا اس نے ہم کو حکم دیا کہ اس مذہب کو تمام دنیا کے سامنے پیش کرو۔ جو لوگ اسلام لائیں وہ تمام حقوق میں تمہارے برابر ہیں، جن کو اسلام سے انکار ہو اور جزیہ پر راضی ہوں وہ اسلام کی حمایت میں ہیں۔ جس کو دونوں باتوں سے انکار ہو اس کے لئے تلوار ہے۔" یزید گرد فحشے سے چہاب ہو گیا اور کہا کہ اگر قاصدوں کا قتل جائز ہو تو تم میں سے کوئی زندہ بچ کر نہ جاتا۔ یہ کہہ کر مٹی کا ٹوکرا منگوا دیا۔ اور کہا تم میں سب سے معزز کون ہے؟ عاصم بن عمر نے پیٹھ کر کہا "میں" ملازموں نے ٹوکرا ان کے سر پر رکھ دیا وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے سعد کے پاس پہنچے کہ "فتح مبارک! دشمن نے اپنی زمین خود ہم کو دے دی۔"

اس واقعہ کے بعد کئی مہینے تک دونوں طرف سکوت رہا۔ رستم جو سلطنت فارس کی طرف سے اس مہم پر مامور تھا۔ ساہل میں لشکر لئے پڑا تھا۔ اور یزید گرد کی تاکید پر بھی لڑائی کو ٹالتا جاتا تھا۔ ادھر مسلمانوں کا یہ معمول تھا کہ آس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے تھے اور رسد کے لئے مویشی و فیو لوٹ لاتے تھے۔ اس عرصہ میں بعض بعض رستم اُدھر سے ادھر آگئے۔ ان میں جو شن ماہ بھی تھا جو سرحد کی اخبار نویسی پر مامور تھا۔ اس حالت نے طویل کھینچاؤ رعایا جوق در جوق یزید گرد کے پاس پہنچ کر فریادی ہوئی کہ اب ہماری حفاظت کی جائے ورنہ ہم اہل عرب کے مطیع ہوئے جاتے ہیں۔ چاروٹا چار رستم کو مقابلے کے لئے بڑھنا پڑا۔ ساٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ ساہل سے نکلا اور قادیہ پہنچ کر ڈیرے ڈالے۔ لیکن فوج جن جن مقامات سے گزری ہر جگہ نہایت بے اعتدالیاں کیں۔ تمام افسر شراب پی کر بد مستیاں کرتے تھے اور لوگوں کے ناموس تک کا لحاظ نہیں رکھتے تھے ان باتوں نے عام ملک میں یہ خیال پھیلا دیا کہ سلطنت غم اب فنا ہوتی نظر آتی ہے۔

رستم کی فوجیں جس دن ساہل سے بڑھیں، سعد نے ہر طرف جاسوس بھیلا دئے کہ دم دم کی خبریں پہنچتی رہیں۔ فوج کا رنگ ڈھنگ، لشکر کشی کی ترتیب، اتارے کا رخ ان باتوں کے دریافت کے لئے فوجی افسر متعین کئے۔ اس میں کبھی کبھی دشمن کا سامنا بھی ہو جاتا تھا۔ چنانچہ طلحہ ایک وفد رات کے وقت رستم کے لشکر میں لباس بدل کر گئے، ایک جگہ پیش ہوا گھوڑا تھان پر بندھا دیکھا تلوار سے باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے لٹکال۔ اس عرصہ میں لوگ جاگ اٹھے اور ان کا تعاقب کیا۔ گھوڑے کا سوار ایک مشہور افسر تھا۔ اور ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا اس نے قریب پہنچ کر برہمی کا وار کیا۔ انہوں نے خالی دیا۔ وہ زمین پر گرا انہوں نے جھک کر برہمی ماری کہ سینے کے پار ہو گئی۔ اس کے ساتھ دو سوار تھے ان میں سے ایک ان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور دوسرے نے اس شرط پر امان طلب کی کہ میں قیدی بن کر ساتھ چلتا ہوں اتنے میں تمام فوج میں مل چل پڑ گئی اور لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے لیکن طلحہ لڑتے بھڑتے صاف نکل آئے اور ساتھ ہزار فوج دیکھتی کی دیکھتی وہ گئی۔ قیدی نے سعد کے سامنے اسلام قبول کیا۔ اور کہا کہ دونوں سوار جو طلحہ کے ہاتھ سے مارے گئے۔ میرے ابن عم تھے اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے اسلام کے بعد قیدی کا نام مسلم رکھا گیا اور اس کی وجہ سے دشمن کی فوج کے بہت سے ایسے حالات معلوم ہوئے جو اور کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتے تھے وہ بعد کے تمام معرکوں میں شریک رہا اور ہر موقع پر ثابت

قدیمی اور جانا بازی کے جوہر دکھائے۔

رستم چونکہ لڑنے سے جی چراتا تھا ایک دفعہ اور صلح کی کوشش کی سجد کے پاس پہنچا بھیجا کہ تمہارا کوئی معتمد آدمی آئے تو صلح کے متعلق گفتگو کی جائے مگر یہی عامر کو اس خدمت پر مامور کیا۔ وہ عجیب و غریب وقت سے چلے عقی گیری کی زد میں آئی اور اسی کا ایک ٹکڑا سر سے لپیٹ لیا۔ کمر میں رسی کا چٹکا پانڈھا اور تلوار کے میان پر چھوڑے لیٹ لئے اس وقت کذائی سے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے اور اہل انہوں نے بڑے ساندو سامان سے دوبار سجایا زینا کا فرش زرین گاؤں گئے، حریر کے پردے، صدر میں مرصع تخت، بھی فرش کے قریب آکر گھوڑے سے اترے اور باگ ڈور کو گاؤں گئے سے اٹکا دیا۔

دوباری بے پروائی کی ادا سے اگرچہ کچھ نہ بولے تاہم دستور کے موافق ہتھیار رکھوا لینا چاہا۔ انہوں نے کہا میں بلایا ہوا کیا ہوں تم کو اس طرح میرا آنا منظور نہیں تو میں الٹا پھر جاتا ہوں دوباریوں نے رستم سے عرض کی اس نے اجازت دی۔ یہ نہایت بے پروائی کی ادا سے آہستہ آہستہ تخت کی طرف بڑھے۔ لیکن بر بھی جس سے عصا کا کام لیا تھا۔ اس کی الٹی کو اس طرح فرش میں چبوتے جاتے تھے کہ ہر کلف فرش اور قالین جو پیچھے ہوئے تھے جابجا سے کٹ پھٹ کر بیکار ہو گئے۔ تخت کے قریب پہنچ کر زمین پر نیزہ مارا، جو فرش کو آہ پار کر کے زمین میں گڑ گیا۔ رستم نے پوچھا کہ اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ”اس نے لا کہ خلق کی بجائے خالق کی عبادت کی جائے“ رستم نے کہا میں ارکان سلطنت سے مشورہ کر کے جواب دوں گا۔ دوباری بار بار بھی کے پاس آکر ان کے ہتھیار دیکھتے تھے اور کہتے تھے اسی سامان پر ابراہیم فتح کا ارادہ ہے؟ لیکن جب بھی نے تلوار میان سے نکالی تو آنکھوں میں کلی کوئی سی گئی۔ اور جب اس کے کٹ کی آزمائش کے لئے ڈھالیں پیش کی گئیں تو بھی نے ان کے گلوے اڑا دیئے۔ بھی اس وقت چلے آئے لیکن نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رہا۔

آخر سفارت میں مضبوط گئے اس دن اہل انہوں نے بڑے ٹھاٹھ سے دوبار بتلایا۔ جس قدر عزم اور اصرار تھے تاج پین کر کر سیوں پر بیٹھے خیمے میں دیا و سنجاب کا فرش بچھایا گیا۔ اور خدام اور منصب دار قریب سے دو دیوہ چکے جمار کھڑے ہوئے۔ مضبوط گھوڑے سے اتر کر سیدھے صدر کی طرف بڑھے اور رستم سے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے اس گستاخی پر تمام دوبار برہم ہو گیا۔ یہاں تک کہ چہد اہوں نے بانو پکڑ کر ان کو تخت سے اتار دیا۔ مضبوط نے افسران دوبار کی طرف خطاب کر کے کہا کہ ”میں خود نہیں آیا بلکہ تم نے بلایا تھا۔ اس لئے

مہمان کے ساتھ یہ سلوک زیبانہ تھا۔ تمہاری طرح ہم لوگوں میں یہ دستور نہیں کہ ایک شخص خدا بن بیٹھے اور تمام لوگ اس کے آگے بندہ ہو کر گردن جھکائیں مگر جس کا نام عبود تھا جو کا پاشدہ تھا اس تقریر کا ترجمہ کیا تو سارا دوبار متاثر ہوا۔ اور بعض بعض اٹھ کھڑے کہ ہماری غلطی تھی جو ایسی قوم کو ذلیل سمجھتے تھے، رستم بھی شرمندہ ہوا اور نہ امت مٹانے کو کہا کہ ”یہ نوکروں کی غلطی تھی۔ میرا ایمایا حکم نہ تھا“ پھر بے تکلفی کے طور پر مضبوط نے ترکش سے تیر نکالے اور ہاتھ میں لے کر کہا کہ ”ان تکللوں سے کیا ہوگا؟“ مضبوط نے کہا کہ ”آگ کی تو گو چھوٹی ہے پھر بھی آگ ہے۔“ رستم نے ان کی تلوار کا نیام دیکھ کر کہا ”کس قدر بوسیدہ ہے۔“ انہوں نے کہا کہ ”ہاں لیکن تلوار پر بانڈ ابھی رکھی گئی ہے“ اس نوک جھونک کے بعد معاملے کی بات شروع ہوئی۔ رستم نے سلطنت کی شان و شوکت کا ذکر کر کے اظہار احسان کے طور پر کہا کہ اب بھی واپس چلے جاؤ تو ہم کو کچھ مال نہیں، بلکہ کچھ انعام دلا دیا جائے گا۔ مضبوط نے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ ”اگر اسلام و جزیہ منظور نہیں تو اس سے فیصلہ ہوگا“ رستم غصہ سے بھڑک اٹھا اور کہا کہ آفتاب کی قسم کل تمام عرب کو برباد کر دوں گا۔ مضبوط اٹھ کر چلے آئے اور صلح و آشتی کی تمام امیدوں کا خاتمہ ہو گیا۔

منہ قادسیہ کی جنگ اور فتح

محرم ۳۳ ہجری (۶۳۵ء)

رستم اب تک لڑائی کو برابر ٹالتا جاتا تھا لیکن مضبوط کی گفتگو نے اس کو اس قدر فیرت دلائی کہ اسی وقت کمر بندی کا حکم دیا۔ نہروچ میں حاکم تھی حکم دیا صبح ہوتے ہوتے پاٹ کر سڑک بتا دی جائے۔ صبح تک یہ کام انجام کو پہنچا۔ اور دوپہر سے پہلے پہلے فوج نہر کے اس پار آگئی۔ خود سامان جنگ سے آراستہ ہوا۔ دوہری زرہیں پہنیں سر پر خود رکھا۔ ہتھیار لگائے پھر اسب خاصہ طلب کیا۔ اور سوار ہو کر جوش میں کہا کہ ”کل عرب کو چٹنا چور کر دوں گا“ کسی سپاہی نے کہا ”ہاں اگر خدا نے چاہا“ بولا کہ ”خدا نے نہ چاہا تب بھی۔“

فوج کو نہایت ترتیب سے آراستہ کیا۔ آگے پیچھے صفیں قائم کیں۔ قلب کے پیچھے ہاتھیوں کا قلعہ باندھا، ہوہو جوں اور غمار یوں میں ہتھیار بند سپاہی بٹھائے، سینہ و میسرہ کے پیچھے

۱۔ قادسیہ عراق عرب کا مشہور شہر تھا اور دائن سید کے وسط میں تھا۔ یہاں پہاڑ تھا۔ نقشہ میں اس کو شہر مدائن کے متصل سمجھنا چاہئے

قلعہ کے طور پر ہاتھیوں کے پرے جمائے خبر رسائی کے لئے موقع جنگ سے پاپے تخت تک کچھ کچھ فاصلے پر آدمی بیٹھا دئے جو واقعہ پیش آتا تھا۔ موقع جنگ کا آدمی چلا کر کھتا تھا۔ اور درجہ بدرجہ دائیں تک خبر پہنچ جاتی تھی۔

قادسیہ میں ایک قدیم شاہی محل تھا جو عین میدان کے کنارے پر واقع تھا۔ سعد کو چونکہ عرق النساء کی شکایت تھی اور چلتے پھرنے سے معذور تھے اس لئے فوج کے ساتھ شریک نہ ہو سکے بالا خانے پر میدان کی طرف رخ کر کے تکیہ کے سارے سے بیٹھے اور خالد بن عرظہ کو اپنے بجائے سپہ سالار مقرر کیا۔ تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے۔ یعنی جس وقت جو حکم دینا مناسب ہوتا تھا پرچوں پر لکھوا کر اور گولیاں پھینکا کر خالد کی طرف بھیجتے جاتے تھے۔ اور خالد انہی ہدایتوں کے موافق موقع پر موقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے۔ تمدن کے ابتدائی زمانے میں فن جنگ کا اس قدر ترقی کرنا تعجب کے قابل اور عرب کی تیزی طبع اور لیاقت جنگ کی دلیل ہے۔

فوجیں آراستہ ہو چکیں تو عرب کے مشہور شعراء اور خطیب منوں سے نکلے اور اپنی آتش فشاں سے تمام فوج میں آگ لگادی۔ شعراء میں شامخ، حطیہ، اوس بن مغراء، عبیدہ بن الیاس، عمرو بن معدی کرب اور خطیبوں میں عیس بن یزید، غالب بن ابیہ، اسد بن ہریر، ابی رہم، الجمنی، عاصم بن عمرو، رافع معدی، ربیع بن عامر میدان میں کھڑے تقریریں کر رہے تھے۔ اور فوج کا یہ حال تھا کہ ان پر کوئی جادو کر رہا ہے۔ ان تقریروں کے بعض جملے یاد رکھنے کا قابل ہیں۔

ابن المذہل اسدی کے الفاظ یہ تھے۔

يا معاشر سعد! اجعلوا حصونكم السيف وكونوا عليهم كاسود

الاجم وادرمو العجاج الا بصارو افا اكلت السيوف

فارسلوا الجنادل فانها يوفن لها مال لا يوفن للحميد

”خاندان سعد! تلواروں کو قلعہ بناؤ اور دشمنوں کے مقابلے میں شیر بن کر جاؤ۔ گروہ کی زدہ پین لو اور لگا ہیں نیچی کر لو جب تلواریں تھک جائیں تو تھکوں کی باگ چھوڑ دو کیونکہ تھکوں کو جہاں بار مل جاتا ہے۔ تلواروں کو نہیں ملتا۔“

اس کے ساتھ قاریوں نے میدان میں نکل کر نہایت خوش الحانی اور جوش سے سورۃ جنہ کی آیتیں پڑھنی شروع کیں۔ جس کی تاثیر سے دل مل گئے۔ اور آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

سعد نے قاعدے کے موافق تین نعرے مارے اور چوتھے پر لڑائی شروع ہوئی۔ سب

سے پہلے ایک ایرانی قدر اندازوں باکی قابض بدن کئے، وزیں کمر بند لگائے ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنے میدان میں آیا۔ اوھر سے عمرو بن معدی کرب اس کے مقابلے کو نکلے۔ اس نے حیرت کمان میں جوڑا اور ایسا ٹاکل کر دیا کہ یہ بال بال بچ گئے۔ انہوں نے گھوڑے کو دایا اور قریب پہنچ کر کمر میں ہاتھ ڈال کر معلق اٹھا زمین پر دے پٹکا۔ اور تلوار سے گردن اڑا کر فوج کی طرف مخاطب ہوئے کہ یوں لڑا کرتے ہیں ”لوگوں نے کہا“ ہر شخص معدی کرب کیونکر ہو سکتا ہے۔“

اس کے بعد اور بہادر دونوں طرف سے نکلے اور شجاعت کے جوہر دکھائے۔ پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ ایرانیوں نے بجیلہ کے رسالہ پر جو سب میں ممتاز تھا، ہاتھیوں کو رٹا عرب کے گھوڑوں نے یہ کالے پہاڑ کہاں دیکھے تھے۔ دفعۃً بد کے منتشر ہو گئے۔ پیدل فوج ثابت قدمی سے لڑی۔ لیکن ہاتھیوں کے ریلے میں ان کے پاؤں بھی اکھڑ جاتے تھے۔ سعد نے یہ دھتک دیکھ کر فوراً قبیلہ اسد کو حکم بھیجا کہ بجیلہ کو سنبھالو، طلیحہ نے جو قبیلہ کے سردار اور مشہور بہادری تھے، ساتھیوں سے کہا ”معرن بن اسد نے کچھ سمجھ کر تم سے مدد مانگی ہے۔ تمام قبیلے نے جوش میں آکر باگیں اٹھائیں اور ہاتھوں میں برحییاں لے کر ہاتھیوں پر حملہ آور ہوئے“ ان کی پاموئی سے اگرچہ یہ کالی آندھی ذرا تخفیف گئی لیکن ایرانیوں نے بجیلہ کو چھوڑ کر سارا زور اس طرف دیا۔ سعد نے قبیلہ حاتم کو جو حیرت انگیزی اور نیزہ بازی میں مشہور تھے کھلا بھیجا کہ تم سے ہاتھیوں کی کچھ تدبیر نہیں ہو سکتی؟ یہ سن کر وہ دفعۃً بدھے اور اس قدر تیر بر سائے کہ فیل نشینوں کو گرا دیا۔ پھر قریب پہنچ کر تمام ہودے اور عماریاں الٹ دیں۔ شام تک یہ ہنگامہ رہا۔ جب بالکل تاریکی چھا گئی تو دونوں حریف میدان سے ہٹے۔ قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا اور عربی میں اس کو یوم الارماث کہتے ہیں۔

سعد جس وقت بالا خانہ پر بیٹھے فوج کو لڑا رہے تھے ان کی بی بی سللی بھی ان کے برابر بیٹھی تھیں۔ ایرانیوں نے جب ہاتھیوں کو رٹا اور مسلمان پیچھے ہٹے تو سعد غصے کے مارے جنتاب ہوئے جاتے تھے اور بار بار کوٹیں بدلتے تھے سللی یہ حالت دیکھ کر بے اختیار چلا انھیں کہ ”افسوس آج شفی نہ ہوا“ سعد نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ کر مارا کہ ”شفی ہوتا تو کیا کر لیتا“ سللی نے کہا ”سبحان اللہ یہی اللہ کے ساتھ غیرت بھی“ یہ اس بات پر طعن تھا کہ سعد خود لڑائی میں شریک نہ تھے۔

اگلے دن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے میدان جنگ سے مقتولوں کی

لاشیں اٹھا کر دفن کرائیں اور جس قدر زخمی تھے، مرہم پٹی کے لئے عورتوں کے حوالے کئے پھر فوج کو کمر بندی کا حکم دیا۔ لڑائی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ شام کی طرف سے غبار اٹھا۔ گرد و مٹی تو معلوم ہوا کہ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام سے جو اداوی فوجیں بھیجی تھیں وہ آپہنچیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس زمانے میں عراق پر حملے کی تیاریاں کی تھیں اسی زمانے میں ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو شام کی مہم پر مامور تھے لکھ بھیجا تھا کہ عراق کو جو فوج وہاں بھیج دی گئی تھی اس کو حکم دو کہ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فوج سے جاکر کرمل جائے۔ چنانچہ عین وقت پر یہ فوج پہنچی اور تائید غیبی کبھی گئی۔ چھ ہزار سپاہی تھے جن میں پانچ ہزار رومیہ و مصر اور ہزار خاص مجاز کے تھے۔ ہاشم بن عبدہ سعد کی بھائی پر سالار تھے اور ہر اول تعلق کی رکاب میں تھا۔ تعلق نے پہنچے ہی صف سے نکل کر پکارا کہ ایرانیوں میں کوئی بہادر ہو تو مقابلے کو آئے اور ہر سے ہمن لگا۔ تعلق جبر کا واقعہ یاد کر کے پکار اٹھے کہ "ایہ ابو عبیدہ کا قاتل جانے نہ پائے" دونوں حریف تلوار لے کر مقابل ہوئے اور کچھ دیر کی زبردست لڑائی کے بعد ہمن مارا گیا۔ دیر تک دونوں طرف کے بہادر تھختا تھامیدان میں نکل کر شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔ سیستان کا شہزادہ براز "عوان بن قلعہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بزرگ تہرہ ہوانی جو ایک مشہور بہادر تھا۔ تعلق سے لڑ کر قتل ہوا۔ غرض ہنگامہ ہونے سے پہلے ایرانی فوج نے اکثر اپنے نامور بہادر کھودیتے۔ تاہم بڑے زور شور سے دونوں فوجیں حملہ آور ہوئیں۔ شام کی اداوی فوج کو تعلق نے اس تدبیر سے روانہ کیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے دستے کر دیئے تھے اور جب ایک دست میدان جنگ میں پہنچ جاتا تھا تو دوسرا دور سے نمودار ہوتا تھا۔ اس طرح تمام دن فوجوں کا تانتا بندھا رہا۔ اور ایرانیوں پر رعب چھا آ گیا۔ ہر دستہ اللہ اکبر کے نعرے مارتا ہوا آتا تھا اور تعلق اس کے ساتھ ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوتے تھے۔ ہاتھیوں کے لئے تعلق نے یہ تدبیر کی کہ اونٹوں پر جھول ڈال کر ہاتھیوں کی طرح مسیب بنایا۔ یہ مصنوعی ہاتھی جس طرف رخ کرتے تھے ایرانیوں کے گھوڑے بدک کر سواروں کے قابو سے نکل جاتے تھے۔

عین ہنگامہ جنگ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاصد پہنچے جن کے ساتھ نہایت بیش قیمت عربی گھوڑے اور تلواریں تھیں "ان لوگوں نے فوج کے سامنے پکار کر کہا کہ امیر المومنین نے یہ انعام ان لوگوں کو بھیجا ہے جو اس کا حق ادا کر سکیں۔ چنانچہ تعلق نے جمال بن مالک، ریشل بن عمرو، علیہ بن خویلد، عامر بن عمرو، التمیمی کو تلواریں حوالہ کیں اور

قبیلہ یربوع کے چار بہادروں کو گھوڑے عنایت کئے ریشل نے فخر کے جوش میں آکر فی البدیہہ یہ شعر پڑھا۔

لقد علم الاقوام اننا احقہم اذا حصلوا بالمرہفات البواتر

"سب لوگوں کو معلوم ہے کہ میں سب سے زیادہ مستحق ہوں جس وقت لوگوں نے کائنات والی نازک تلواریں پائیں"

جس وقت لڑائی کا ہنگامہ گرم تھا، ابو نجین ثقفی جو ایک مشہور بہادر شاعر تھے اور جن کو شراب پینے کے جرم میں سعد نے قید کر دیا تھا۔ قید خانے کے در پہچے سے لڑائی کا تماشا دیکھ رہے تھے اور شجاعت کے جوش میں بے اختیار ہوتے جاتے تھے آخر ضبط نہ کر سکے، سلمیٰ (سعد کی بیوی) کے پاس گئے کہ خدا کے لئے اس وقت مجھ کو چھوڑ دو۔ لڑائی سے جیتا بچا تو خود آکر بیڑیا پہن لوں گا۔ سلمیٰ نے انکار کیا یہ حسرت کے ساتھ واپس آئے اور بار بار پردہ لہجہ میں یہ اشعار پڑھتے تھے۔

کفی حزناً ان تودی العیال بالقنا واترک مسدوداً علی وثاقنا

"اس سے بڑھ کر کیا غم ہو گا کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں اور میں زنجیروں میں بندھا ہوا ہوں"

اذا قلت عنافی الحديد واغلقت مصانع من دونی تصم المنادیا

"جب کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیر اٹھنے نہیں دیتی اور دروازے اس طرح بند کر دیئے جاتے ہیں کہ پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک جاتا ہے"

ان اشعار نے سلمیٰ کے دل پر یہ اثر کیا کہ خود آکر بیڑیاں کاٹ دیں انہوں نے فوراً اصطبل میں جا کر سعد کے گھوڑے پر جس کا نام بلقا تھا زین کسا اور میدان جنگ پہنچ کر بحالے کے ہاتھ نکالتے ہوئے ایک دفعہ میمن سے میسرہ تک کا چکر لگایا۔ پھر اس زور و شور سے حملہ کیا کہ جس طرف نکل گئے صف کی صف الٹ دی۔ تمام لشکر متحیر تھا کہ کون بہادر ہے۔

سعد بھی حیران تھے اور دل میں کہتے تھے کہ حملہ کا انداز ابو نجین کا ہے۔ لیکن وہ قید خانے میں قید ہے۔ شام ہوئی تو ابو نجین نے آکر خود بیڑیاں پہن لی۔ سلمیٰ نے یہ تمام حالات سعد سے بیان کئے سعد نے اسی وقت ان کو رہا کر دیا اور کہا "خدا کی قسم مسلمانوں پر جو شخص یوں نثار ہو میں اس کو سزا نہیں دے سکتا۔"

ابو نجین نے کہا "خدا میں بھی آج سے پھر کبھی شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔"

خضاء جو عرب کی مشہور شاعرہ تھی۔ اس معرکے میں شریک تھی اور اس کے چاروں بیٹے بھی تھے۔ لڑائی جب شروع ہوئی تو اس نے بیٹوں کی طرف خطاب کیا اور کہا۔

لَمْ تَنْبِ بِكُمْ الْبِلَادَ وَلَمْ تَقْعَكُمْ السَّنَةُ ثُمَّ جِئْتُمْ بِأَسْمِكُمْ
عَجُوزَ كَبِيرَةٍ فَوَضَعْتُمُوهَا بَيْنَ أَيْدِي أَهْلِ فَارَسَ وَاللَّهِ أَنْتُمْ
لِبَنُورِ جَلٍّ وَاحِدٍ كَمَا أَنْتُمْ بِنُورِ أُمِّهِ وَاحِدَةٌ مَا خَتَّ أَبَاكُمْ وَلَا
فَضَحْتَ خَالَكُمْ أَنْ تَطْلُقُوا الشَّهَادَةَ أَوَّلَ الْقِتَالِ وَآخِرُهُ۔

”بیٹے بیٹو! تم اپنے ملک کو دو محروم تھے نہ تم پر قحط پڑا تھا یا وجود اس کے تم اپنی کن سال ماں کو یہاں لائے اور فارس کے آگے ڈال دیا۔ خدا کی قسم جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو۔ اسی طرح ایک باپ کے بھی ہو۔ میں نے تمہارے باپ سے بددیانتی نہیں کی، نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا تو جاؤ! آخر تک لڑو۔“

بیٹوں نے ایک ساتھ باگیں اٹھائیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑے جب نگاہ سے اوٹ بھل ہو گئے تو خضاء نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا ”خدا یا میرے بیٹوں کو بچانا۔“
اس دن مسلمان دو ہزار اور ایرانی دس ہزار مقتول و مجروح ہوئے تاہم فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ یہ معرکہ اغواث کے نام سے مشہور ہے۔

تیسرا معرکہ یوم النہاس کے نام سے مشہور ہے، اس میں قعقاع نے یہ تدبیر کی کہ رات کے وقت چند رسالوں اور پیدل فوج کو حکم دیا کہ پڑاؤ سے دور شام کی طرف نکل جائیں۔ پوچھنے سو سو سوار میدان جنگ کی طرف گھوڑے اڑاتے ہوئے آئیں۔ اور رسالے اسی طرح برابر آتے جائیں۔ چنانچہ صبح ہوتے ہوئے پہلا رسالہ پہنچا۔ تمام فوج نے اللہ اکبر کا نعوار۔ اور غل پڑ گیا۔ کہ نئی امدادی فوجیں آگئیں ساتھ ہی حملہ ہوا۔ حسن اتفاق سے یہ کہ ہشام جن کو ابو عبیدہ نے شام سے مدد کے لئے بھیجا تھا۔ عین موقع پر سو سواروں کے ساتھ پہنچ گئے۔ یزید کو دو دم کی خبریں پہنچتی تھیں اور وہ برابر فوجیں بھیجتا جاتا تھا۔ ہشام نے فوج کی طرف خطاب کیا اور کہا تمہارے بھائیوں نے شام کو فتح کر لیا ہے اور فارس کی فتح کا جو خدا کی طرف سے وعدہ ہے وہ تمہارے ہاتھ سے پورا ہو گا۔ معمول کے موافق جنگ کا آغاز ہوا کہ

۱۔ خضاء کے واقعات نہایت دلچسپ اور عجیب و غریب ہیں اس کا وہ ان جہت میں دلچسپ کیا ہے اور اس کے منسلک حالات علامہ ابو الفتح اسماعیلی نے کتاب اللغات میں لکھے ہیں۔ اسناد شیعہ میں روایت کوئی نہیں اس کا کوئی ٹکڑا نہیں مگر چنانچہ بازار کا نام اس کے عجیب کے دروازے پر ایک علم نصب کیا جاتا تھا جس پر لکھا ہوا تھا فاروقی العرب یعنی تمام عرب میں سب سے زیادہ کریم ہے کہ وہ اسلام بھی لائی اور حضرت محمد کے دربار میں حاضر ہوئی تھی۔

ایرانیوں کی فوج سے ایک پہلوان شیر کی طرح دھاڑتا ہوا میدان میں آیا۔

اس کا ڈیل ڈول دیکھ کر لوگ اس کے مقابلے سے جی چراتے تھے لیکن عجیب اتفاق سے وہ ایک کنور سپاہی کے ہاتھوں سے مارا گیا، ایرانیوں نے تجربہ اٹھا کر ہاتھیوں کے دانسیں بائیں پیدل فوجیں قائم کر دیں تھیں۔ عمو معدی کرب نے رفیقوں سے کہا ”میں مقابلہ ہاتھی پر حملہ کرتا ہوں“ تم ساتھ رہنا، ورنہ عمو معدی کرب مارا گیا تو پھر معدی کرب پیدا نہ ہو گا۔“ یہ کہہ کر تلوار میدان سے گھسیٹ لی۔ اور ہاتھی پر حملہ کیا۔ لیکن پیدل فوجیں جو دانسیں بائیں تھیں دفعہ ان پر ٹوٹ پڑیں اور اس قدر گروا گئی کہ یہ نظر سے چھپ گئے یہ دیکھ کر ان کی فوج حملہ آور ہوئی اور بڑے معارکے کے بعد دشمن پیچھے ہٹے۔ عمو معدی کرب کا یہ حال تھا کہ تمام جسم خاک سے اٹا ہوا تھا بدن پر جا بجا برہمیوں کے زخم تھے تاہم تلوار قبضے میں تھی۔ اور ہاتھ چلتا جاتا تھا اسی حالت میں ایک ایرانی سوار برابر سے نکلا، انہوں نے اس کے گھوڑے کی دم پکڑ لی۔ ایرانی نے بار بار ممیز کیا لیکن گھوڑا جگہ سے مل نہ سکا، آخر سوار اتر کر بھاگ نکلا۔ اور یہ اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھے۔

سعد نے یہ دیکھ کر کہ ہاتھی جس طرف رخ کرتے ہیں دل کا دل پھٹ جاتا ہے۔ ضخم و سلم وغیرہ کو جو پارسی تھے اور مسلمان ہو گئے تھے بلا کر پوچھا کہ اس بلانے سیاہ کا کیا علاج ہے انہوں نے کہا کہ ان کی سونڈ اور آنکھیں بیکار کر دی جائیں۔ تمام غول میں دو ہاتھی نہایت مہیب اور کوہ پیکر گویا کل ہاتھیوں کے سوار تھے ایک انہیں دو سرا ارجب کے نام سے مشہور تھا سعد نے قعقاع، عاصم، سہمائل، رنیل کو بلا کر کہا کہ یہ ہم تمہارے ہاتھ ہے قعقاع نے پہلے کچھ سوار اور پیادے بھیج دیئے کہ ہاتھیوں کو زخم میں کر لیں۔ پھر خود پرچہا ہاتھ میں لے کر پہلے سفید کی طرف بڑھے۔ عاصم بھی ساتھ تھے۔ دونوں نے ایک ساتھ پرچھے مارے کہ آنکھوں میں پیوست ہو گئے۔ ہاتھی جھرجھری لے کر پیچھے ہٹا، ساتھ ہی قعقاع کی تلوار پڑی اور سونڈ تنک سے الگ ہو گئی۔ اور رنیل و حمال نے ارجب پر حملہ کیا۔ وہ زخم کھا کر بھاگا تو تمام ہاتھی اس کے پیچھے ہوئے اور دم کے دم میں یہ سیاہ بادل بالکل چھٹ گیا۔

اب بہادریوں کو حوصلہ آنکائی کا موقع ملا اور اس قدر کارن پڑا کہ غولوں کی گرج سے زمین دہل پڑتی تھی۔ چنانچہ اسی مناسبت سے اس معرکہ کو لیلۃ البرر کہتے ہیں۔ ایرانیوں نے فوج نئے سرے سے ترتیب دی قلب میں اور دانسیں بائیں تھیں تیو غصیں قائم کیں۔ مسلمانوں نے بھی تمام فوج کو سمیٹ کر یکجا کیا۔ اور آگے پیچھے تین پرے جمائے۔ سب سے آگے سواروں کا رسالہ ان کے بعد پیدل فوجیں اور سب سے پیچھے تیر انداز۔ سعد رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا کہ تیسری بجیر پر حملہ کیا جاوے لیکن ایرانیوں نے جب تیرہ برسے شہر کے قلعے سے متعلق ہو سکا۔ اور اپنی رکاب کی فوج لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ فوجی اصولوں کے لحاظ سے یہ حرکت نافذی میں داخل تھی۔ تاہم لڑائی کا وحسک اور تعقاع کا جوش دیکھ کر سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ سے بے اختیار نکلا **اللهم اعطوه والنصرہ** یعنی اے خدا تعقاع کو معاف کرنا اور اس کا مددگار رہنا۔ تعقاع کو دیکھ کر بنو اسد اور بنو اسد کی دیکھا دیکھی قلعہ بچیلہ کاندھ سب ٹوٹ پڑے۔ سعد ہر قبیلے کے حملے پر کہتے جاتے تھے کہ خدا یا اس کو معاف کرنا اور یاد رہتا "اول اول سواروں کے رسالے نے حملہ کیا۔ لیکن ایرانی فوجیں جو دیوار کی طرح جمی کھڑی تھیں۔ اس ثابت قدمی سے لڑیں کہ گھوڑے آگے نہ بڑھ سکے۔ یہ دیکھ کر سب گھوڑوں سے کود پڑے اور پیادہ حملہ آور ہوئے۔

ایرانیوں کا ایک رسالہ سر پٹا لوہے میں غرق تھا۔ قبیلہ مینہ نے اس پر حملہ کیا۔ لیکن تلواریں زوروں پر اچٹ اچٹ کر رہ گئیں۔ سرداران قبیلہ نے لٹکارا۔ سب نے کہا زوروں پر تلواریں کام نہیں دیتیں۔ اس نے غصے میں آکر ایک ایرانی پر چڑھ کر تلوار کیا کہ کمر توڑ کر نکل گیا۔ یہ دیکھ کر اوروں کو بھی ہمت ہوئی اور اس ہمداری سے لڑے کہ رسالہ کا رسالہ برباد ہو گیا۔

تمام رات ہنگامہ کارزار گرم رہا۔ لوگ لڑتے لڑتے تھک کر چور ہو گئے تھے۔ اور نیند کے خمار میں ہاتھ پاؤں بیکار ہوئے جاتے تھے۔ اس پر بھی جب فوج و شکست کا فیصلہ نہ ہوا تو تعقاع نے سرداران قبائل میں سے چند نامور ہمدار انتخاب کئے اور سپہ سالار فوج (رستم) کی طرف رخ کیا ساتھ ہی قیس، اشعث، عمرو معدی کرب، ابن ذبی البزین نے جو اپنے اپنے قبیلے کے سردار تھے ساتھیوں کو لٹکارا کہ دیکھو! یہ لوگ خدا کی راہ میں تم سے آگے نکلنے نہ پائیں اور سرداروں نے بھی جو ہمداری کے ساتھ زبان آور بھی تھے اپنے قبیلوں کے سامنے کھڑے ہو کر اس جوش سے تقریریں کیں کہ تمام لشکر میں ایک آگ لگ گئی۔ سوار گھوڑوں سے کود پڑے اور تیر و کمان پھینک کر تلواریں گھسیٹ لیں۔ اس جوش کے ساتھ تمام فوج سیلاب کی طرح بڑھی اور فیروزان و ہرمزان کو دھاتے ہوتے رستم کے قریب پہنچ گئے رستم تخت پر بیٹھا فوج کو لڑا رہا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر تخت سے کود پڑا اور دیر تک موانہ وار لڑتا رہا۔ جب دشمنوں سے بالکل چور ہو گیا تو بھاگ نکلا۔ ہلال نامی ایک سپاہی نے تعاقب کیا اتفاق سے ایک نہر سامنے آگئی۔ رستم کود پڑا کہ تیر کر نکل جائے ساتھ ہی ہلال بھی کودے اور ناکلیں پکڑ کر باہر کھینچ لائے پھر تلوار سے کام تمام کر دیا۔

ہلال نے لاش ٹچوں کے پاؤں میں ڈال دی۔ اور تخت پر چڑھ کر پکارے کہ "رستم کا میں نے خاتمہ کر دیا۔" ایرانیوں نے دیکھا تو تخت سپہ سالار سے خالی تھا تمام فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ مسلمانوں نے دور تک تعاقب کیا اور ہزاروں لاشیں میدان میں بچھا دیں۔ افسوس ہے کہ اس واقعہ کو ہمارے ملک الشولہ نے قوی جوش کے اثر سے بالکل غلط لکھا ہے۔

برآمد خوشے بکر دارعد
زیک سوئے رستم زیکوئی سعد
چو دیدار رستم بخون تیرہ گشت
جواں مو تازی بد چہرہ گشت

ہمارے شاعر کو یہ بھی معلوم نہیں کہ سعد اس واقعہ میں سرے سے شریک نہ تھا۔ شکست کے بعد بھی چند نامور افسر جو ریاستوں کے مالک تھے میدان میں ثابت قدم رہے ان میں شریار، ابن البرید، فرخان ابو ازی، خسرو شتوم ہوائی نے موانہ وار جان دی۔ لیکن ہرمزان ابو ز، قارن موقع پاکر بھاگ نکلے۔ ایرانیوں کے کشتوں کا تو شمار نہ تھا، مسلمان بھی کم و بیش چھ ہزار کام آئے اس فتح میں چونکہ سعد خود شریک جنگ نہ تھے فوج کو ان کی طرف سے ہمدانی رہی یہاں تک کہ ایک شاعر نے کہا۔

و قاتلت حتی انزل اللہ النصرہ وسعد باب القادسیۃ معصم

"میں برابر لڑا کیا یہاں تک کہ خدا نے اپنی مدد بھیجی، لیکن سعد قادیسیہ کے دیوار سے ہی لپٹے رہے۔"

فانباو قدامت نساء کثیرہ ونسوة سعد لیس لیہن اہم

"ہم واپس پھرے تو سینکڑوں عورتیں بیوہ ہو چکی تھیں، لیکن سعد کی بیوی بیوہ نہیں ہوئی۔"

یہ اشعار اسی وقت بچے بچے کی زبان پر چڑھ گئے یہاں تک کہ سعد نے تمام فوج کو جمع کر کے آبلوں کے زخم دکھائے اور اپنی معذوری ثابت کی۔

سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامہ فتح لکھا اور دونوں طرف کے مقتولوں کی تفصیل لکھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ جس دن سے قادیسیہ کا معرکہ شروع ہوا تھا ہر روز آفتاب نکلنے دینے سے نکل جاتے اور قادیسیہ کی راہ لے کر قادیسیہ کے قتل کے قاتل کا نام معلوم نہیں۔ لیکن عمرو معدی کرب، علی بن خلیفہ، قلاب بن ہمان ان تینوں نے اس پر حملہ کیا تھا۔ میں نے جو روایت لکھی ہے وہ اخبار اللہ کی روایت ہے۔

دیکھتے ایک دن معمول کے موافق نکلے اوھر سے ایک شترسوار آ رہا تھا۔ بڑے کرپو چھا کہ کدھر سے آتے ہو۔ وہ سعد کا قاصد تھا اور مژدہ فتح لے کر آیا تھا۔ جب معلوم ہوا کہ سعد کا قاصد ہے تو اس سے حالات پوچھنے شروع کئے اس نے کہا کہ خدا نے مسلمانوں کو کامیاب کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رکاب کے برابر دوڑتے جاتے تھے اور حالات پوچھتے جاتے تھے شترسوار شہر میں داخل ہوا تو دیکھتا جو شخص آتا ہے ان کو "میر المؤمنین کے لقب سے پکارتا ہے" دُور سے کانپ اٹھا۔ اور کہا کہ حضرت نے مجھ کو اپنا نام کیوں نہ بتایا کہ میں اس گستاخی کا مرتکب نہ ہوتا۔" فرمایا "میں کچھ حرج نہیں۔ تم سلسلہ کلام کو نہ توڑو۔ چنانچہ اسی طرح اس کے رکاب کے ساتھ ساتھ گھرتک آئے۔ دسے پہنچ کر مجمع عام میں فتح کی خوشخبری سنائی۔ اور ایک نہایت پر اثر تقریر کی جس کا اخیر فقرہ یہ تھا۔ "مسلمانوں! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنانا چاہتا ہوں" میں خدا کا غلام ہوں۔ البتہ خلافت کا بار میرے سر پر رکھا گیا ہے اگر میں اسی طرح تمہارا کام کروں کہ تم چین سے گھروں میں سوؤ تو میری سعادت ہے اور اگر یہ میری خواہش ہو کہ تم میرے دروازے پر حاضری دو تو میری بد بختی ہے میں تم کو تعلیم دینا چاہتا ہوں لیکن باتوں سے نہیں عمل سے۔"

قادسیہ کے معرکے میں جو عجم یا عرب مسلمانوں سے لڑتے تھے ان میں ایسے بھی تھے جو دل سے لڑنا نہیں چاہتے تھے بلکہ زبردستی فوج میں پکڑے آئے تھے۔ بہت سے لوگ گھر چھوڑ گئے تھے۔ فتح کے بعد یہ لوگ سعد کے پاس آئے اور امن کی درخواست کی سعد نے دربار خلافت کو لکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کو بلا کر رائے لی۔ اور سب نے بالا تفاق منظور کیا۔ غرض تمام ملک کو امن دیا گیا جو لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے واپس آکر آباد ہوتے گئے رعایا کے ساتھ یہ اربابا بوبھا کہ اکثر بزرگوں نے ان میں رشتہ داریاں کر لیں۔ اہل انہون نے قادسیہ سے بھاگ کر بابل میں مقام کیا اور چونکہ یہ ایک محفوظ و مستحکم مقام تھا اطمینان کے ساتھ جنگ کے تمام سامان مہیا کر لئے تھے اور فیوزان کو لشکر قرار دیا تھا۔ سعد نے ان کے استیصال کے لئے ۵۰ ہجری میں بابل کا ارادہ کیا اور چند سردار آگے روانہ کئے کہ راستہ صاف کرتے جائیں۔ چنانچہ مقام برس میں بھیری سدر راہ ہوا اور میدان جنگ میں زخم کھا کر بابل کی طرف بھاگ گیا۔ برس کے رئیس نے جس کا نام "سہام تھا" صلح کر لی۔ اور بابل تک موقع بہ موقع پل تیار کروا دیئے کہ اہلای فوجیں بے تکلف گزر جائیں بابل میں اگرچہ عجم کے بڑے بڑے سردار و فوجیان "ہرمزان" "مہربان" وغیرہ جمع تھے لیکن پہلے ہی حملے میں بھاگ نکلے سعد نے خود بابل میں مقام کیا اور زہرہ کی افسری میں فوجیں آگے

روانہ کیں۔ عجمی فوجیں بابل سے بھاگ کر کوئی میں ٹھہری تھیں اور شہریار جو رئیس زادہ تھا ان کا سپہ سالار تھا زہرہ کوئی سے جب گذرے تو شہریار آگے بڑھ کر مقابل ہوا۔ اور میدان جنگ میں اگر پکارا کہ جو ہمدار تمام لشکر میں انتخاب ہو مقابلے کو آئے۔ زہرہ نے کہا میں نے خود تیرے مقابلے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن جب تیرا یہ دعویٰ ہے تو کوئی غلام تیرے مقابلے کو آجائے گا۔ یہ کہہ کر بابل کو جو قبیلہ "حیم کا غلام تھا اشارہ کیا۔ اس نے گھوڑا آگے بڑھایا۔ شہریار دبو کا ساتن و قوش رکھنا تھا۔ بابل کو کمزور دیکھ کر نیزہ ہاتھ سے پھینک کر دن میں ہاتھ ڈال کر زور سے کھینچا۔ اور زمین پر گرا کر سینے پر چڑھ بیٹھا۔ اتفاق سے شہریار کا انگوٹھا بابل کے منہ میں آگیا۔ بابل نے اس زور سے کاناکہ شہریار تھملا گیا۔ بابل موقع پا کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور تلوار سے پیٹ چاک کر دیا۔ شہریار نہایت عمدہ لباس اور اسلحہ سے آراستہ تھا۔ بابل نے زہرہ وغیرہ اس کے بدن سے اتار کر سعد کے آگے لا کر رکھ دیں۔ سعد نے عبرت کے لئے حکم دیا بابل وہی لباس اور اسلحہ سجا کر آئے چنانچہ شہریار کے ذوق برق لباس اور اسلحہ سے آراستہ ہو کر جب مجمع عام میں آیا تو لوگوں کی آنکھوں میں نہانے کی نیرنگیوں کی تصویر پھر گئی۔

کوئی ایک تاریخی مقام تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمود نے یہیں قید کیا تھا۔ چنانچہ قید خانے کی جگہ اب تک محفوظ تھی۔ سعد اس کی زیارت کو گئے اور دود پڑا کہ آیت پڑھی **تِلْكَ اِلَٰهَامُ لِلْاَوَّلٰہِا مِنْ النَّاسِ** کوئی سے آگے پائے تخت کے قریب بہرہ شیر ایک مقام تھا۔ یہاں ایک شاہی رسالہ رہتا تھا۔ جو ہر روز ایک ہارشم کھا کھاتا تھا کہ "جب تک ہم ہیں سلطنت فارس میں کبھی زوال نہیں آسکتا۔" یہاں ایک شیر پالا ہوا تھا جو کسریٰ سے بہت بلا ہوا تھا۔ اور اسی لئے اس کو بہرہ شیر کہتے تھے سعد کا لشکر قریب پہنچا تو وہ تڑپ کر نکلا۔ لیکن ہارشم نے جو ہراول کے افسر تھے اس صفائی سے تلوار ماری کے وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ سعد نے اس ہمداری پر ان کی پیشانی چوم لی۔

آگے بڑھ کر سعد نے بہرہ شیر کا محاصرہ کیا۔ اور فوج نے اوھر اوھر پھیل کر ہزاروں آدمی گرفتار کر لئے شیر زادے جو سلاط کا رئیس تھا۔ سعد سے کہا کہ یہ معمولی کاشمکار ہیں۔ ان کے قید کرنے سے کیا حاصل چنانچہ سعد نے ان کے کام دفتر میں درج کر لئے اور چھوڑ دیا۔ آس پاس کے تمام رئیسوں نے جزیہ قبول کر لیا۔ لیکن شہر پر قبضہ نہ ہو سکا۔ دس مہینے تک برابر محاصرہ رہا۔ ایرانی بھی کبھی قلعہ سے نکل کر معرکہ آرا ہوتے تھے ایک دن بڑے ہوش و خروش سے سب نے مرنے پر کمر بستہ پانڈھ لیں اور تیرہ ساتے ہوئے آٹھ مسلمانوں نے برابر

کا جواب دیا۔ زہرہ جو ایک مشہور افسر تھے اور معرکوں میں سب سے آگے رہتے تھے ان کی زہرہ کی کڑیاں کہیں کہیں سے ٹوٹ گئیں تھیں۔ لوگوں نے کہا کہ اس زہرہ کو بدل کرنی پڑے لیکن بولے کہ میں ایسا خوش قسمت کمال کہ دشمن کے تیر سب کو چھوڑ کر میری ہی طرف آئیں۔ اتفاق یہ کہ پہلا تیر انہی کو اگر لگا۔ لوگوں نے نکالنا چاہا تو انہوں نے منع کیا کہ جب تک یہ بدن میں ہے اسی وقت تک زندہ بھی ہوں۔ چنانچہ اسی حالت میں حملہ کرتے ہوئے ہوئے اور شر براز کو جو ایک نامی افسر تھا۔ نکوار سے مارا تو زہری در لڑ کر ایرانی بھاگ چلے اور شہر والوں نے صلح کا پھر را اڑا دیا۔

بہرہ شیر اور مدائن میں صرف دجلہ حائل تھا۔ سعد بہرہ شیر سے بڑھے تو آگے دجلہ تھا۔ ایرانیوں نے پہلے سے جہاں جہاں چلے تھے توڑ کر بیکار کر دیے تھے۔ سعد دجلہ کے کنارے پہنچے نہ چل سکا۔ کشتی فوج سے خطاب ہو کر کہا ”یہووان اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دیا کے دامن میں پناہ لی ہے۔ یہ ہم بھی سر کر لو تو پھر مطلع صاف ہے۔“ یہ کہہ کر گھوڑا دیا میں ڈال دیا۔ ان کو دیکھ کر اوروں نے بھی ہمت کی۔ اور وعدہ سب نے گھوڑے دیا میں ڈال دئے۔ اگرچہ نہایت زخار اور موانع تھا، لیکن ہمت اور جوش نے طبیعتوں میں آکر یہ استقبال پیدا کر دیا کہ موجیں برابر گھوڑوں سے آکر کھڑکیں اور یہ رکاب ملا کر آپس میں باتیں کرتے جاتے تھے یہاں تک کہ یمنیں و یسار کی جو ترتیب تھی اس میں بھی فرق نہ آیا۔ دوسرے کنارے پر ایرانی یہ حیرت انگیز منظر دیکھ رہے تھے جب فوج کنارے کے قریب آگئی تو ان کو خیال ہوا کہ یہ آدمی نہیں جن ہیں۔ چنانچہ ”یہووان آمدند“ ”یہووان آمدند“ کہتے ہوئے بھاگے۔ تاہم پہلا سالار خرداد تھوڑی سی فوج کے ساتھ جمارا اور گھاٹ پر تیر اندازوں کے دستے متعین کر دیئے۔ ایک گروہ دیا میں اتر کر سہرا ہوا۔ لیکن مسلمان سیلاب کی طرح بڑھتے چلے گئے اور تیر اندازوں کو خس خاشاک کی طرح مٹاتے پار نکل آئے یوں گردنے حرم اور خاندان شای کو پہلے ہی طحان روانہ کر دیا تھا۔ یہ خبر سن کر خود بھی شہر چھوڑ کر نکل گیا۔ سعد مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا۔ نہایت عبرت ہوئی۔ اور بے اختیار آیتیں زبان سے نکلیں۔ کم تو کو امن جنت و عیون و زروع و مقام کریم و نعمۃ کالوالہا لکھین کذلک و اور ثلثا قومنا آخرین۔

ایوان کسریٰ میں تخت شاهی کے بجائے منبر نصب ہوا۔ چنانچہ جمعہ کی نماز اسی میں ادا کی گئی اور یہ پانچواں تھا جو عراق میں ادا کیا گیا۔ ہمارے فقہاء کو تعجب ہو گا کہ سعد نے ہاتھ دیا

یہ کہ اکابر صحابہ میں سے تھے اور برسوں جناب رسالت مآب کی صحبت میں رہے تھے عالمگیر و محمود کی تقلید نہیں کہ بلکہ ایوان میں جس قدر مجسم تصویریں تھیں سب پر قرار رہنے دیں۔

(علامہ طبری نے جو یہ حدیث بھی تھے تفسیر کے ساتھ اس وقت کو لکھا ہے)

دو تین دن ٹھہر کر سعد نے حکم دیا کہ دیوانت شاهی کا خزانہ اور تاورات لا کر یکجا کئے جائیں۔ کیانی سلسلے سے لے کر نوشیرواں کے عہد تک کی ہزاروں یادگاریں تھیں۔ خاقان چین راجہ داہر قیصر روم نعمان بن منذر سیاوش بہرام چوہیں کی زریں اور نکواریں تھیں۔ کسریٰ ہرمز اور کیتباو کے خنجر تھے۔ نوشیروان کا تاج زرنگار اور لمبوس شاهی تھا سونے کا ایک گھوڑا تھا جس پر چاندی کا زین کسا ہوا تھا اور سینے پر یاقوت اور زمرد سے جڑے ہوئے تھے۔ چاندی کی ایک اونٹنی تھی جس پر سونے کی پالان بھی اور مہار میں بیش قیمت یاقوت پرہے ہوئے تھے۔ ناقہ سوار سے پاؤں تک جو اہرات سے مرصع تھا۔ سب سے عجیب و غریب ایک فرش تھا جس کو ایرانی ہمار کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ فرش اس غرض سے تیار تھا کہ جب ہمار کا موسم نکل جاتا تھا تو اس پر بیٹھ کر شراب پیتے تھے۔ اس رعایت سے اس میں ہمار کے تمام مسلمان مہیا کئے تھے۔ بیچ میں بزرے کا چن تھا۔ چاروں طرف جدولیں تھیں۔ ہر قسم کے درخت اور درختوں میں شگوفے اور پھول پھل تھے۔ طویہ کہ جو کچھ تھا زہرہ جو اہرات کا تھا۔ یعنی سونے کی زمین، زمرد کا سبز، نکھراج کی جدولیں سونے چاندی کے درخت، حریر کے پتے جو اہرات کے پھل تھے۔

یہ تمام مسلمان فوج کی عام غار محمیری میں ہاتھ لیا تھا۔ لیکن اہل فوج ایسے راست باز اور دیانتدار تھے کہ جس نے جو چیز پائی تھی، بھنبہ لا کر افسر کے پاس حاضر کر دی۔ چنانچہ جب سب مسلمان لا کر سجایا گیا اور دو دو تک میدان جگمگا اٹھا تو خود سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حیرت ہوئی۔ بار بار تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جن لوگوں نے ان تاورات کو ہاتھ نہیں لگایا، بے شبہ انتہاء کے دیانتدار ہیں۔

مال خیمت حسب قاعدہ تقسیم ہو کر پانچواں حصہ دربار خلافت میں بھیجا گیا، فرش اور قدیم یادگاریں، بھنبہ بھیجی گئیں کہ اہل عرب ایرانیوں کے جاہ و جلال اور اسلام کی فتح و اقبال کا تماشا دیکھیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جب یہ مسلمان اپنے گئے تو ان کو بھی فوج کی دیانت اور استغناء پر حیرت ہوئی۔

حکم نام کا مدینہ میں ایک شخص تھا جو نہایت موزوں قامت اور خوبصورت تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ نو شروان کے ملیسات اس کو لا کر پٹائے جائیں۔ یہ ملیسات مختلف حالتوں کے تھے سواری کا جدا، دربار کا جدا، جشن کا جدا، تہنیت کا جدا، چنانچہ باری باری تمام ملیسات محکم کو پٹائے گئے۔ جب ملیسات خاص اور تاج زور لگا رہتا تو تماشاخیوں کی آنکھیں خیر ہو گئیں اور دیر تک لوگ حیرت سے نکتے رہے۔ فرش کی نسبت لوگوں کی رائے تھی کہ تقسیم نہ کیا جائے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی منشا تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصرار سے اس بار پر بھی خزاں آئی اور دولت نو شروانی کے مرقع کے پرزے اڑ گئے۔

یورپ کے موجود مذاہق کے موافق یہ ایک وحشیانہ حرکت تھی لیکن ہر زمانے کا مذاق جدا ہے وہ مقدس زمانہ جس میں زخارف دنیوی کی عزت نہیں کی جاتی تھی۔ دنیاوی یادگاروں کی کیا پروا ہو کر سکتا تھا۔

جلولاء ۶۳ھ ہجری (۶۴۳ء)

یہ معرکہ فتوحات عراق کا خاتمہ تھا۔ اثنیٰ کی فتح کے بعد ایرانیوں نے جلولاء میں جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔ اور ایک بڑی فوج جمع کر لی۔ خرداد نے جو رستم کا بھائی اور سر لشکر تھا۔ نہایت تدبیر سے کام لیا۔ شہر کے گرد خندق تیار کرائی اور راستوں اور گذرگاہوں پر گڑھ لگا دیے۔ سعد کو یہ خبر پہنچی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا وہاں سے جواب آیا کہ ہاشم بن عتبہ بارہ ہزار فوج لے کر اس صوم پر جائیں اور مقدمۃ الجیش پر تعینات، سینہ پر مشعر بن مالک، میسور، عمرو بن مالک، ساقہ پر عمرو بن مومقرہ ہوں ہاشم مدائن سے روانہ ہو کر چوتھے روز جلولاء پہنچے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ مہینوں محاصرہ ہوا۔ ایرانیوں کو قحط قلعہ سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے، اس طرح اسی (۸۰) معرکے ہوئے لیکن ایرانیوں نے ہمیشہ شکست کھائی۔ تاہم چونکہ شہر میں ہر طرح کا ذخیرہ تھا اور لاکھوں کی جمعیت تھی۔ بیدل نہیں ہوتے تھے ایک دن بڑے زور شور سے نکلے مسلمانوں نے بھی جم کر مقابلہ کیا۔ اتفاق یہ کہ دفعتاً اس زور کی آمد صحرایہ چلی کہ دشمن آسمان میں اندھیرا ہو گیا۔ ایرانی مجبور ہو کر پیچھے ہٹے لیکن گردوغبار کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ہزاروں آدمی خندق میں گر کر مر گئے ایرانیوں نے یہ دیکھ کر جانتا جنتی کو

۱۔ جلولاء کے سوا میں ایک شہر ہے جو سبب چھوٹے ہونے کے نقشہ میں مندرج نہیں ہے۔ بغداد سے خراسان جاتے وقت راہ میں پڑا ہے۔ گوکہ ایک کانٹا جو سرگوشہ ہوتا ہے (بخاری) جگہ اچانک کے بنے ہوئے کائنات جو دشمن کی راہ میں ڈال دینے جاتے ہیں۔ فیروز اللغات (الوارثین قاسمی)

پاٹ کر راست بنایا۔ مسلمانوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور حملہ کی تیاریاں کیں۔ ایرانیوں کو بھی دم و دم کی خبریں پہنچتی تھیں۔ اسی وقت مسلمانوں کی آمد کے رخ کو کھڑو پھوڑا دئے اور فوج کو سازد سامان سے درست کر کے قلعہ کے دروازے پر ہتھیار باندھ دیے۔ حریف اس طرح دل توڑ کر لڑے کہ لیلۃ الہریر کے سوا کبھی نہیں لڑے تھے۔ اول تیروں کا مینہ برسا، ترکش خالی ہو گئے تو ہمدادوں نے نیزے سنبھال لئے یہاں تک کہ نیزے بھی ٹوٹ ٹوٹ کر ڈھیر ہو گئے۔ تو تیغ و خنجر کا معرکہ شروع ہوا۔ قلعہ نہایت دیر سے لڑ رہے تھے اور آگے بڑھتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے۔ لیکن سپہ سالار فوج یعنی ہاشم پیچھے رہ گئے تھے اور فوج کا بڑا حصہ انہیں کی رکاب میں تھا۔ قلعہ کے انقباض سے کھلوا دیا کہ سپہ سالار قلعہ کے دروازے تک پہنچ گیا۔ فوج نے قلعہ کو ہاشم سمجھا اور دفعتاً ٹوٹ کر گری۔ ایرانی گھبرا کر اوپر اوپر بھاگے لیکن جس طرف جاتے جاتے تھے گو کھڑو پھوڑے ہوئے تھے مسلمانوں نے بے دریغ قتل کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ مورخ طبری کی روایت کے موافق لاکھ آدمی جان سے مارے گئے اور تین کروڑ غنیمت ہاتھ آئی۔

سعد نے مژدہ فتح کے ساتھ پانچواں حصہ مدینہ منورہ بھیجا۔ زیاد نے جو مژدہ فتح لے کر گئے تھے نہایت فصاحت کے ساتھ جنگ کے حالات بیان کئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ان واقعات کو اسی طرح مجمع میں بیان کر سکتے ہو؟ زیاد نے کہا میں کسی سے مرعوب ہوتا تو آپ سے ہوتا، چنانچہ مجمع عام ہوا اور انہوں نے اس فصاحت اور بلاغت سے تمام واقعات بیان کئے کہ معرکہ کی تصویر کھینچ دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بول اٹھے کہ خطیب اس کو کہتے ہیں انہوں نے برکت کہا۔

ان جندنا الملقونا بالفعال لساننا

اس کے بعد زیاد نے غنیمت کا ذخیرہ حاضر کیا۔ لیکن اس وقت شام ہو چکی تھی اسی لئے تقسیم ملتی رہی اور صحن مسجد میں ان کا ڈھیر لگا دیا گیا، عبدالرحمن بن عوف اور عبداللہ بن ارقم نے رات بھر یہودی صبح کو مجمع عام میں چارو ہٹائی گئی۔ درہم و دینار کے علاوہ انبار کے انبار جو اہرات تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے ساختہ روپڑے لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ یہ روئے کا کیا عمل ہے؟ فرمایا کہ جہاں دولت کا قدم آتا ہے رشک و حسد بھی ساتھ آتا ہے۔

یہ گروہ کو جلولاء کی شکست کی خبر پہنچی تو حلوان چھوڑ کر رے کو روانہ ہوا اور خسرو شوم کو جو ایک معزز افسر تھا چند رسالوں کے ساتھ حلوان کی حفاظت کے لئے چھوڑ آیا۔ سعد خود

بلوچان میں ٹھہرے اور قلعہ کو حلوٰں کی طرف روانہ کیا۔ قلعہ شریں (حلوٰں) سے تین میل پہلے کے قریب پہنچے تھے کہ خسرو شنوم خود آگے بڑھ کر مقابل ہوا۔ لیکن شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ قلعہ نے حلوٰں پہنچ کر مقام کیا۔ اور ہر طرف امن کی منادی کرادی۔ اطراف کے رئیس آ کر جزیہ قبول کرتے جاتے تھے اور اسلام کی حمایت میں آتے جاتے تھے۔ یہ فتح عراق کی فتوحات کا خاتمہ تھی۔ کیونکہ عراق کی حد یہاں ختم ہو جاتی ہے۔

فتوحات شام

سلسلہ واقعات کے لحاظ سے ہم اس موقع پر شام کی فوجی سرگرمی کے ابتدائی حالات بھی نہایت اہمیت کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آغاز سحر ہجری ۱ھ میں شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کی ابو عبیدہ کو حمص پر یزید بن ابی سفیان کو دمشق پر شریں جیل کو اردن پر عمرو بن العاص کو فلسطین پر مامور کیا۔ فوجوں کی مجموعی تعداد ۱۰۰۰۰ ہنہزار تھی عرب کی سرحد سے نکل کر ان افسروں کو ہر قدم پر رومیوں کے بڑے بڑے جتھے ملے جو پہلے سے مقابلہ کے لئے تیار تھے ان کے علاوہ قیصر نے تمام ملک سے فوجیں جمع کر کے الگ الگ افسروں کے مقابلے پر بھیجیں یہ دیکھ کر افسران اسلام نے اس پر اتفاق کیا کہ کل فوجیں یکجا جمع ہو جائیں۔ اس کے ساتھ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ اور فوجیں مدد کو روانہ کی جائیں چنانچہ خالد بن ولید جو عراق کی حمص پر مامور تھے عراق سے چل کر اردن میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے اور فتح حاصل کرتے دمشق پہنچے اور اس کو صدر مقام قرار دے کر وہاں مقام کیا۔ قیصر نے ایک بہت بڑی فوج مقابلے کے لئے روانہ کی جس نے اجنادین پہنچ کر جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔ خالد اور ابو عبیدہ خود پیش قدمی کر کے اجنادین پر پہنچے اور افسروں کو لکھ بھیجا کہ وہیں آکر مل جائیں چنانچہ شریں جیل یزید عمرو بن العاص وقت مقر پر اجنادین پہنچ گئے خالد نے بڑھ کر حملہ کیا اور بہت بڑے معرکے کے بعد جس میں تین ہزار مسلمان مارے گئے فتح کامل حاصل ہوئی یہ واقعہ حسب روایت ابن اسحاق ۲۸ جمادی الاول ۱ھ ہجری (۶۳۳ء) میں واقع ہوا اس حمص سے فارغ ہو کر خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر دمشق کا رخ کیا۔ اور دمشق پہنچ کر ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ اگرچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں شروع ہوا ہے مگر فتح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں حاصل ہوئی اس لئے ہم اس معرکہ کا حال تفصیل سے لکھتے ہیں۔

فتح دمشق

یہ شہر شام کا ایک بڑا صدر مقام تھا اور چونکہ جاہلیت میں اہل عرب تجارت کے تعلق سے اکثر وہاں آیا جایا کرتے تھے اس کی عظمت کا شہرہ تمام عرب میں تھا۔ ان وجہ سے خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے اہتمام سے محاصرہ کے سامان کئے شہر پناہ کے بڑے بڑے دروازوں پر ان افسروں کو مقرر کیا جو شام کے صوبوں کی فتح پر مامور ہو کر آئے تھے چنانچہ عمرو بن العاص باب توما پر شریں جیل باب الفراءیس پر ابو عبیدہ باب الجابیہ پر متعین ہوئے اور خود خالد نے پانچ ہزار فوج ساتھ لے کر باب الشرح کے قریب ڈیرے ڈالے محاصرہ کی سختی دیکھ کر عیسائی ہمت ہارے جاتے تھے خصوصاً اس وجہ سے کہ ان کے جاسوس جو دریافت حال کے لئے مسلمانوں کی فوج میں آتے تھے اگر دیکھتے تھے کہ تمام فوج میں ایک جوش کا عالم ہے ہر شخص پر ایک نشہ سا چھایا ہوا ہے۔ ہر ہر فوج میں دلیری طاعت قدمی را استہازی عزم اور استقلال پایا جاتا ہے تاہم ان کو یہ سارا تھا کہ ہر قل سر پر موجود ہے اور حمص سے امدادی فوجیں چل چکی ہیں اسی اثناء میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتقال کیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے۔

عیسائیوں کو یہ بھی خیال تھا کہ اہل عرب ان ممالک کی سرحدی کو بڑا اشت نہیں کر سکتے اس لئے موسم سرما تک یہ باہل آپ سے آپ چھٹ جائے گا۔ لیکن ان کی دونوں امیدیں بیکار گئیں مسلمانوں کی سرگرمی جانوں کی شدت میں بھی کم نہ ہوئی۔ ادھر خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذوالکح کو کچھ فوج دے کر دمشق سے ایک منزل کے فاصلے پر متعین کر دیا تھا کہ ادھر سے مدد آنے پائے چنانچہ ہر قل نے حمص سے جو فوجیں بھیجی تھیں وہیں روک لی گئیں۔ دمشق والوں کو اب بالکل یاس ہو گئی اسی اثناء میں اتفاق سے ایک واقعہ پیش آیا جو مسلمانوں کے حق میں تائید غیبی کا کام دے گیا۔ یعنی بطریق دمشق کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا۔ جس کی تقریب میں تمام شہر نے خوشی کے جلے کئے اور کثرت سے شہر میں شام سے پڑ کر سو رہے خالد راتوں کو سوئے کم تھے اور محصورین کی ذرا ذرا سی بات کی خبر رکھتے تھے اس سے عمدہ موقع کہاں ہاتھ آسکتا تھا..... اسی وقت اٹھے اور چند ہزار افسروں کو ساتھ لیا۔ شہر پناہ کے نیچے خندق پانی سے لبریز تھی۔ منگ کے سارے پار اترے اور گند کے ذریعے سے دیوار پر چڑھ گئے اور جا کر رسی کی سیڑھی گند سے اٹکا کر نیچے نکلا دی۔ اور اس ترکیب سے تھوڑی دیر میں بہت سے جانثار۔ تفصیل پر پہنچ گئے خالد نے اتر کر پہلے دروازوں کو فتح کیا۔ پھر قفل توڑ کر..... یہ طبری کی روایت ہے بلادی کا بیان ہے کہ خالد کو یہ سائیں کے جشن کی خبر ہو ایک عیسائی نے وہی خبر اور سیڑھی بھی یہ سائی لائے تھے۔

دروازے کھول دیئے اور فوج پہلے سے تیار کھڑی تھی دروازے کھلنے کے ساتھ سیلاب کی طرح ٹکس آئی اور پہرہ کی فوج کو یہ تیق کر دیا۔ عیسائیوں نے یہ رنگ دیکھ کر شہرناہ کے تمام دروازے کھول دیئے اور ابو عبیدہ سے ملتی ہوئے کہ ہم کو خالد سے بچائیے متعلقہ میں جو غصیوں کا بازار تھا۔ ابو عبیدہ اور خالد کا سامنا ہوا۔ خالد نے شہر کا جو حصہ فتح کر لیا تھا۔ اگرچہ لڑکر فتح کیا تھا۔ لیکن ابو عبیدہ نے چونکہ صلح منکور کر لی تھی۔ مفتوحہ حصے میں بھی صلح کی شرطیں تسلیم کی گئیں۔ یعنی نہ غنیمت کی اجازت دی گئی نہ کوئی شخص لوٹنے کا غلام بنایا گیا۔ یہ مبارک فتح جو تمام بلاد شامیہ کی فتح کا بیاچہ تھی رجب ۳۸ ہجری (۶۳۵ء) میں ہوئی۔

فصل وقوعہ ۳۸ ہجری (۶۳۵ء)

دمشق کی شکست نے رومیوں کو سخت برہم کر دیا اور وہ ہر طرف سے جمع ہو کر بڑے زور اور قوت کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لئے آمادہ ہوئے۔ دمشق کی فتح کے بعد چونکہ مسلمانوں نے اردن کا رخ کیا تھا۔ اس لئے انہوں نے اسی صوبے کے ایک مشہور شہر یسنان میں فوجیں جمع کرنی شروع کیں۔ شہنشاہ ہرقل نے دمشق کی امداد کے لئے جو فوجیں بھیجیں تھیں اور دمشق تک نہ پہنچ سکتی تھیں وہ بھی اس میں آکر شامل ہو گئیں۔ اس طرح تیس چالیس ہزار کا مجمع جمع ہو گیا۔ جس کا سپہ سالار سکارنام کا ایک رومی افسر تھا۔

موقعہ جنگ سمجھنے کے لئے یہ بتانا ضروری ہے کہ شام کا ملک چھ ضلعوں میں منقسم ہے جن میں سے دمشق، حمص، اردن، فلسطین مشہور اضلاع ہیں اردن کا صدر مقام طبرہ ہے جو دمشق سے چار منٹل ہے۔ طبرہ کے مشرقی جانب بارہ میل کی لمبی ایک جھیل ہے جس کے قریب چند میل پر ایک چھٹا سا شہر جکا پڑتا ہے اس کا نام یسنان ہے۔ یسنان کی فوجیں اس مقام پر جمع ہوئے تھے۔ تاکہ اس کے کچھ کچھ آثار اب بھی سندھ کی سطح سے چھ سو فٹ بلندی پر محسوس ہوتے ہیں۔ یسنان طبرہ کی جنوبی طرف ۱۸ میل پر واقع ہے۔

غرض رومی فوجیں جس طرح یسنان میں جمع ہوئیں۔ اور مسلمانوں نے ان کے سامنے فحل میں پڑاؤ ڈالا۔ رومیوں نے اس ڈر سے کہ مسلمان دفعتاً نہ آپڑیں۔ اس پاس جس قدر نہریں تھیں سب کے بند تو ڈرے۔ اور فحل سے یسنان تک تمام عالم آب ہو گیا۔ کچھ اور پانی کی وجہ سے تمام راستے رک گئے لیکن اسلام کا سیلاب کب رک سکتا تھا۔ مسلمانوں کا استقلال دیکھ کر عیسائی صلح پر آمادہ ہوئے اور ابو عبیدہ کے پاس پیغام بھیجا کہ کوئی شخص سفیر بن کر آئے۔ ابو عبیدہ نے معاذ بن جبل کو بھیجا۔ معاذ رومیوں کے لشکر میں پہنچے تو دیکھا کہ خیمے میں

وچائے تھریں کا فرش بچھا ہے وہیں ٹھہر گئے۔ ایک عیسائی نے آکر کہا کہ گھوڑا میں تمام لیتا ہوں آپ دربار میں جا کر بیٹھئے معاذ کی بزرگی اور تقدس کا عام چرچا تھا۔ اور عیسائی تک اس سے واقف تھے۔ اس لئے وہ واقعی ان کی عزت کرنی چاہتے تھے اور انکا باہر کھڑا رہنا ان کو گراں گزرتا تھا۔ معاذ نے کہا کہ میں اس فرش پر جو غریبوں کا حق چھین کر تیار ہوا ہے بیٹھنا نہیں چاہتا۔ یہ کہہ کر زمین پر بیٹھ گئے۔ عیسائیوں نے افسوس کیا اور کہا کہ ہم تمہاری عزت کرنا چاہتے تھے لیکن تم کو خود اپنی عزت کا خیال نہیں تو مجبوری ہے معاذ کو غصہ آیا۔ گھنٹوں کے بل کھڑے ہو گئے اور کہا کہ جس کو تم عزت سمجھتے ہو مجھ کو اس کی پرواہ نہیں۔ اگر زمین پر بیٹھنا غلاموں کا شیوہ ہے تو مجھ سے بڑھ کر کون خدا کا غلام ہو سکتا ہے؟ رومی ان کی بے پروائی اور آزادی سے حیرت زدہ تھے یہاں تک ایک شخص نے پوچھا کہ مسلمانوں میں تم سے بھی کوئی بڑھ کر ہے؟ انہوں نے کہا کہ "معاذ اللہ یہی بہت ہے کہ میں سب سے بدتر نہ ہوں" رومی چپ ہو گئے۔ معاذ نے کچھ دیر انتظار کر کے مترجم سے کہا کہ "ان سے کہہ دو کہ اگر تم کو مجھ سے کچھ نہیں کہتا ہے تو میں واپس جاتا ہوں" رومیوں نے کہا ہم کو یہ پوچھنا کہ تم اس طرف کس غرض سے آئے ہو۔ ابی سینا کا ملک تم سے قریب ہے فارس کا بادشاہ مرچکا ہے اور سلطنت ایک عورت کے ہاتھ میں ہے۔ ان کو چھوڑ کر تم نے ہماری طرف کیوں رخ کیا؟ حالانکہ ہمارا بادشاہ سب سے بڑا بادشاہ ہے اور تعداد میں ہم آسمان کے ستاروں اور زمین کے ذروں کے برابر ہیں۔ معاذ نے کہا کہ سب سے پہلے ہماری یہ درخواست ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ ہمارے کعبہ کی طرف نماز پڑھو، شراب پینا چھوڑ دو۔ سوار کا گوشت نہ کھاؤ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو ہم تمہارے بھائی ہیں۔ اگر اسلام لانا منظور نہیں تو جزیہ دو۔ اس سے بھی انکار ہو تو آگے نکو رہے۔ اگر تم آسمان کے ستاروں کے برابر ہو تو ہم قتل اور کثرت کی پروا نہیں۔ ہمارے خدا نے کہا ہے کہ کم سن قلیلۃ علیہا غلبت قلیلۃ کثیرۃ بأذن اللہ تم کو اس پر ناز ہے کہ تم ایسے شہنشاہ کی رعایا ہو۔ جس کو تمہاری جان مال کا اختیار ہے لیکن ہم نے جس کو اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے وہ کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ اگر وہ زنا کرے تو اس کو درے لگائے جائیں، چوری کرے تو ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں، وہ پردے میں نہیں بیٹھتا اپنے آپ کو ہم سے بڑا نہیں سمجھتا مال و دولت میں اس کو ہم پر ترجیح نہیں" رومیوں نے کہا "چھا ہم تم کو بقاء کا ضلع اور اردن کا حصہ جو تمہاری زمین سے متصل ہے دیتے ہیں۔ تم یہ ملک چھوڑ کر فارس جاؤ۔ معاذ نے انکار کیا اور اٹھ کر چلے آئے رومیوں نے براہ راست ابو عبیدہ سے گفتگو کرنی چاہی۔

چنانچہ اس غرض سے ایک خاص قاصد بھیجا۔ جس وقت وہ پہنچا ابو عبیدہ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے اور ہاتھ میں تیر تھے جن کو الٹ پلٹ کر رہے تھے۔ قاصد نے خیال کیا تھا کہ سپہ سالار بیٹا جلد و حشم رکھتا ہو گا۔ اور یہی اس کی شناخت کا ذریعہ ہو گا۔ لیکن وہ جس طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا تھا اب ایک رنگ میں ڈوبے نظر آتے تھے۔ آخر گھبرا کر پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ لوگوں نے ابو عبیدہ کی طرف اشارہ کیا۔ وہ حیران رہ گیا اور تعجب سے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا کیا درحقیقت تم ہی سردار ہو؟

ابو عبیدہ نے کہا! ”ہاں“ قاصد نے کہا! ہم تمہاری فوج کو فی کس دو دو اشرافاں دیں گے تم یہاں سے چلے جاؤ۔ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کیا۔ قاصد برہم ہو کر اٹھا۔ ابو عبیدہ نے اس کے تیور دیکھ کر فوج کو کمر بندی کا حکم دیا اور تمام حالات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھ لے بھیجے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب مناسب لکھا اور ”وصلہ والا“ یا کہ ثابت قدم رہو خدا تمہارا پادشاہ اور مددگار ہے۔“

ابو عبیدہ نے اسی دن کمر بندی کا حکم دے دیا تھا۔ لیکن رومی مقابلے میں نہ آئے۔ اگلے دن تما خالد میدان میں گئے۔ صرف سواروں کا رسالہ رکاب میں تھا۔ رومیوں نے بھی تیاری کی اور فوج کے تمن جھے کر کے باری باری میدان میں بھیجے۔ پہلا دستہ خالد کی طرف باگیں اٹھائے چلا آتا تھا کہ خالد کے اشارے سے قیس بن ہبیرہ نے صف سے نکل کر ان کا آگاہ روکا اور سخت کشت و خون ہوا۔ یہ معرکہ ابھی سر نہیں ہوا تھا کہ دوسری فوج نکلی۔ خالد نے حبیرہ بن مسوق کو اشارہ کیا وہ اپنی رکاب کی فوج کو لے کر مقابل ہوئے، تیسرا لشکر بڑے ساز و سامان سے نکلا۔ ایک مشہور سردار اس کا سپہ سالار تھا۔ اور بڑی تدبیر سے فوج کو بڑھاتا آتا تھا۔ قریب پہنچ کر خود ٹھہر گیا۔ اور ایک افسر کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ خالد کے مقابلے پر بھیجا۔ خالد نے یہ حملہ بھی نہایت استعجال سے سنبھالا۔ آخر سپہ سالار نے خود حملہ کیا اور پہلی دونوں فوجیں بھی آکر مل گئیں۔ دیر تک معرکہ رہا۔ مسلمانوں کی ثابت قدمی دیکھ کر رومیوں نے زیادہ لڑنا بیکار سمجھا اور الٹا واپس جانا چاہا۔ خالد نے ساتھیوں کو لٹاکار کہ رومی اپنا زور صرف کر چکے ہیں۔ اب ہماری باری ہے۔ اس صدا کے ساتھ مسلمان دفعتاً نوٹ پڑے اور رومیوں کو براہد ہاتھ چلے گئے۔

عیسائی مدد کے انتظار میں لڑائی ٹالتے جاتے تھے خالد ان کی یہ چال سمجھ گئے اور ابو عبیدہ سے کہا کہ رومی ہم سے مرعوب ہو چکے ہیں۔ حملے کا یہی وقت ہے چنانچہ اسی وقت

غریب فوج میں جا کر پکار آئے کہ کل حملہ ہو گا۔ فوج ساز و سامان سے تیار رہے۔ رات کے پچھلے پہر ابو عبیدہ بستر خواب سے اٹھے اور فوج کی ترتیب شروع کی۔ معاذ بن جبل کو میمنہ پر مقرر کیا، ہاشم بن حنبلہ کو میسوی افسری دی۔ پیدل فوج پر سعید بن زید متعین ہوئے۔ سوار خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں دیئے گئے فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سرے سے اس سرے تک کا ایک چکر لگایا ایک ایک علم کے پاس جا کر کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے۔

عباد اللہ! استرجعوا من اللہ النصر بالصبر فان اللہ مع الصبرین
”یعنی خدا سے مدد چاہتے ہو تو ثابت قدم رہو کیونکہ خدا ثابت قدمیوں کے ساتھ رہتا ہے۔“

رومیوں نے جو تقریباً آٹھ ہزار تھے آگے پیچھے پانچ صفیں قائم کیں جن کی ترتیب یہ تھی کہ پہلی صف میں ہر ہر سوار کے دائیں بائیں دو دو قدر انداز میں اور میسور سواروں کے رسالے پیچھے پادہ فوجیں اس ترتیب سے غار و دامد بجاتے مسلمانوں کی طرف بڑھے۔ خالد چونکہ ہر اول پر تھے پہلے انہی سے مقابلہ ہوا رومی قدر اندازوں نے تیوں کا اس قدر مینہ برسایا کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ادھر سے پہلو دے کر میمنہ کی طرف جھکے کیونکہ اس میں سوار ہی سوار تھے۔ قدر انداز نہ تھے۔ رومیوں کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے کہ میمنہ کا رسالہ فوج سے الگ ہو کر خالد پر حملہ آور ہوا۔ خالد آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ رسالہ فوج سے دور نکل آیا۔ خالد نے موقع پا کر اس زور سے حملہ کیا کہ صفیں کی صفیں الٹ دیں۔ گیاہ بڑے بڑے افسران کے ہاتھ سے مارے گئے۔ ادھر قیس بن ہبیرہ نے میسور حملہ کر کے دو سرا پادہ بھی کنوڑ کر دیا۔ تاہم قلب کی فوج تیر اندازوں کی وجہ سے محفوظ تھی۔ ہاشم بن حنبلہ نے جو میسور کے سردار تھے علم ہلا کر کہا ”خدا کی قسم جب تک اس قلب میں پہنچ کر نہ گاؤں گا، پھر نہ آؤں گا“ یہ کہہ کر گھوڑے سے کود پڑے ہاتھ میں سپر لے کر لڑتے بھڑتے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ تیو خدا تک سے گزر کر تیغ و شمشیر کی نوبت آئی۔ کامل گھنڈ بھر لڑائی رہی۔ اور تمام میدان خون سے رنگین ہو گیا۔ آخر رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور نہایت بدحواسی سے بھاگے۔ ابو عبیدہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامہ فتح لکھا اور پوچھا کہ مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واقعہ فتح کی تفصیل فتح الشام ازوی سے لی گئی ہے طبری وغیرہ میں نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے اور واقعہ کی کیفیت میں بھی اختلاف ہے۔

جواب میں لکھا کہ ”رعایا ذی قرار دی جائے اور زمین بدستور زمینداروں کے قبضے میں چھوڑ دی جائے۔“

اس معرکے کے بعد ضلع اردن کے تمام شہر اور مقامات نہایت آسانی سے فتح ہو گئے اور ہر جگہ شرائط صلح میں یہ لکھ دیا گیا کہ مفتوحین کی جان مال زمین مکانات گرجے عبادت گاہیں سب محفوظ رہیں گی۔ صرف مسجدوں کی تعمیر کے لئے کسی قدر زمین لے لی جائے گی۔

محرم ۳۳ ہجری (۶۳۵ء)

شام کے اضلاع میں سے یہ ایک بڑا ضلع اور قدیم شہر ہے۔ انگریزی میں اس کو ایضا کہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں اس کی شہرت زیادہ اس وجہ سے ہوئی کہ یہاں آفتاب کے نام پر ایک بڑا وکیل تھا جس کے تیرتھ کے لئے دور دور سے لوگ آتے تھے اور اس کا بیماری ہونا بڑے فخر کی بات سمجھی جاتی تھی۔ دمشق اور اردن کے بعد تین بڑے بڑے شہر ہو گئے تھے جن کا مفتوح ہونا شام کا مفتوح ہونا تھا۔ بیت المقدس، حمص اور انطاکیہ جہاں خود ہر قل مقیم تھا، حمص ان دونوں کی بہ نسبت زیادہ قریب اور جمعیت و مسلمانوں میں دونوں سے کم تھا۔ اس لئے لشکر اسلام نے اول اسی کا ارادہ کیا۔ راہ میں بعلبک پر آنا تھا وہ خفیف سی لڑائی کے بعد فتح ہو گیا۔ حمص کے قریب رومیوں نے خود بیہ کر مقابلہ کرنا چاہا۔ چنانچہ فوج کثیر حمص سے نکل کر جو یہ میں مسلمانوں کے مقابل ہوئی لیکن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلے ہی حملے میں ان کے پاؤں اکٹڑ گئے خالد نے سبرۃ بن مسروق کو تھوڑی سی فوج دے کر حمص کو روانہ کیا۔ راہ میں رومیوں کی لڑتی پھرتی فوجوں سے جو ادھر ادھر پھیلی ہوئی تھیں مٹھ بیٹھ ہوئی اور مسلمان کامیاب رہے۔

اس معرکے میں شرجیل حمیری نے اکیلے سات سو سواروں کو قتل کیا اور فوج سے الگ ہو کر جریدہ حمص کی طرف بڑھے شہر کے قریب رومیوں کے ایک رسالہ نے ان کو اتحاد دیکھ کر حملہ کیا۔ انہوں نے بھی ثابت قدمی سے جنگ کی۔ یہاں تک کہ جب دس گیارہ شخص ان کے ہاتھ سے مارے گئے تو رومی بھاگ نکلے اور ایک گرجا میں جو دیر محل کے نام سے مشہور تھا جا کر پناہ لی۔ ساتھ ہی یہ بھی پہنچے۔ گرجا میں ایک جماعت کثیر موجود تھی۔ یہ چاروں طرف سے گھر گئے اور ڈھیلوں اور چٹھوں کی بوچھاڑ میں زخمی ہو کر شہادت حاصل کی سبرۃ کے بعد خالد نے اور ابو عبیدہ نے بھی حمص کا رخ کیا۔ اور محاصروں کے سلمان پھیلا دیئے۔ چونکہ نہایت شدت کی سبوی تھی اور رومیوں کو یقین تھا کہ مسلمان کھلے میدان میں دیر تک نہ لڑ سکیں

حمص اس کے ساتھ ہر قل کا قاصد آپکا تھا کہ بہت جلد امدادی فوج بھیجی جاتی ہے۔ چنانچہ اس حکم کے موافق جزیرہ سے ایک جمعیت عظیم روانہ ہوئی۔ لیکن سعد بن ابی وقاص نے جو عراق کی مہم پر مامور تھے یہ خبر سن کر کچھ فوجیں بھیج دیں۔ جس نے ان کو وہیں روک لیا۔ اور آگے بڑھنے نہ دیا۔ حمص والوں نے ہر طرف سے مایوس ہو کر صلح کی درخواست کی۔ ابو عبیدہ نے عبادہ بن صامت کو وہاں چھوڑا اور خود حماہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حماہ والوں نے ان کے پہنچنے کے ساتھ صلح کی درخواست کی اور جزیرہ دینا منظور کیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر شیرزاد اور شیرز سے معرۃ النعمان پہنچے اور ان مقامات کے لوگوں نے خود اطاعت قبول کر لی ان سے فاسخ ہو کر لازقہ کا رخ کیا۔ یہ ایک نہایت قدیم شہر فنیشین عہد میں اس کو لمانٹا کہتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ نے یہاں سے کچھ فاصلہ پر مقام کیا۔ اور اس کی مضبوطی اور استواری دیکھ کر ایک نئی تعمیر اختیار کی۔ یعنی میدان میں بہت سے غار کھدوائے یہ غار اس تعمیر اور احتیاط سے تیار ہوئے کہ دشمنوں کو خبر تک نہ ہونے پائی۔ ایک دن فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ اور محاصروں چھوڑ کر حمص کی طرف روانہ ہوئے۔ شہر والوں نے جو مدت کی قلعہ بندی سے تنگ آ گئے تھے اور ان کا تمام کاروبار بند تھا۔ اس کو تائید نہیں خیال کیا۔ اور شہر نہاد کا دروازہ کھول کر کاروبار میں مصروف ہوئے مسلمان اسی رات کو واپس آکر غاروں میں چھپ رہے تھے صبح کے وقت کمین گاہوں سے نکل کر فوج حملہ کیا۔ اور دم میں شہر فتح ہو گیا۔ حمص کی فتح کے بعد ابو عبیدہ نے خاص ہر قل کے پائے تخت کا ارادہ کیا اور کچھ فوجیں اس طرف بھیج دیں۔ لیکن دربار خلافت سے حکم پہنچا کہ اس سال اور آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے چنانچہ اس ارشاد کے موافق فوجیں واپس بلائی گئیں۔ اور بڑے بڑے شہروں میں افسر اور نائب بھیج دیئے گئے کہ وہاں کسی طرح کی اتھری نہ ہونے پائے خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ہزار فوج کے ساتھ دمشق کو گئے۔ عبود بن العاص نے اردن میں مقام کیا۔ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود حمص میں اقامت کی۔

یرموک ۳۵ رجب ۳۳ ہجری (۶۳۶ء)

رومی جو شکست کھا کھا کر دمشق و حمص و قیصو سے نکلے تھے انطاکیہ پہنچے ہر قل سے فریاد کی کہ عرب نے تمام شام کو پال لیا۔ ہر قل نے ان میں سے چند ہوشیار اور معزز آدمیوں کو دربار میں طلب کیا اور کہا کہ ”عرب تم سے زور میں جمعیت میں ساند مسلمان میں کم لڑا۔ کامل ابن الاثیر۔“ یہ ایک قدیم شہر حمص اور قنسرين کے درمیان میں واقع ہے۔

ہیں پھر تم ان کے مقابلے میں کیوں نہیں ٹھہر سکتے؟ اس پر سب نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ لیکن ایک تجربہ کار بڑھے نے عرض کی کہ "عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں وہ رات کو عبادت کرتے ہیں، دن کو روزے رکھتے ہیں، کسی پر ظلم نہیں کرتے آپس میں ایک سے ایک برابری کے ساتھ ملتا ہے۔ ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پیتے ہیں، بدکاریاں کرتے ہیں، اقرار کی پابندی نہیں کرتے، آدمیوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اس کا یہ اثر ہے کہ ان کے کام میں جوش اور استقلال پایا جاتا ہے اور ہمارا جو کام ہوتا ہے ہمت اور استقلال سے خالی ہوتا ہے۔ قیصر و حقیقت شام سے نکل جانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ لیکن ہر شر اور ہر ضلع سے جوق در جوق عیسائی فریادی چلے آتے تھے قیصر کو سخت فیرت آئی اور نہایت جوش کے ساتھ کہہ دیا کہ شاہنشاہی کا پورا زور عرب کے مقابلے میں صرف کروا جائے۔ دوم قسطنطنیہ، جزیرہ، آرمینہ ہر جگہ احکام بھیجے کہ تمام فوجیں پائے تخت انطاکیہ میں ایک تاریخ معین تک حاضر ہو جائیں۔ تمام اضلاع کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ جس قدر آدمی جہاں سے میا ہو سکیں روانہ کئے جائیں۔ ان احکام کا پتہ پتا تھا کہ فوجوں کا ایک طوفان امنڈ آیا۔ انطاکیہ کے چاروں طرف جہاں تک نگاہ جاتی تھی فوجوں کا مڈی دل پھیل رہا تھا۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مقامات فتح کئے تھے۔ وہاں کے امراء اور رئیس ان کے عدل و انصاف کے اس قدر گرویدہ ہو گئے تھے کہ باوجود مخالف مذہب کے خود اپنی طرف سے دشمن کی خبر لانے کے لئے جاسوس مقرر کر رکھے تھے۔ چنانچہ ان کے ذریعے سے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمام واقعات کی اطلاع ہوئی۔ انہوں نے تمام افسروں کو جمع کیا۔ اور کھڑے ہو کر ایک پر اثر تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانوں! خدا نے تم کو بار بار جانچا اور تم اس کی جانچ پر پورے اترے۔ چنانچہ اس کے صلہ میں خدا نے ہمیشہ تم کو منصور رکھا۔ اب تمہارا دشمن اس ساز و سامان سے تمہارے مقابلہ کے لئے چلا ہے کہ زمین کانپ اٹھی ہے۔ اب بتاؤ کیا صلاح ہے؟ یزید بن ابی سفیان معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی کھڑے ہوئے اور کہا کہ "میری رائے ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں رہنے دیں۔ اور ہم خود شہر کے باہر لشکر آرا ہوں" اس کے ساتھ خالد اور عمرو بن العاص کو خط لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مد کو آئیں "شرجیل بن حسنہ نے کہا کہ اس موقع پر ہر شخص کو آزادانہ رائے دینی چاہئے۔ یزید نے جو رائے دی بلاشبہ خیر خواہی سے دی ہے لیکن میں اس کا مخالف ہوں۔ شہر والے تمام عیسائی ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ تعصب سے ہمارے اہل و عیال کو پکڑ

کر قیصر کے حوالے کر دیں۔ یا خود مار ڈالیں۔ حضرت ابو عبیدہ نے کہا کہ اس میں تمہیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر سے نکال دیں۔ شرجیل نے اٹھ کر کہا اے امیر! تجھ کو ہر گز یہ حق حاصل نہیں۔ ہم نے ان عیسائیوں کو اس شرط پر امن دیا ہے کہ وہ شہر میں اطمینان سے رہیں۔ اس لئے نقض عہد کیونکر ہو سکتا ہے حضرت ابو عبیدہ نے اپنی غلطی تسلیم کی لیکن یہ بحث طے نہیں ہوئی کہ آخر کیا کیا جائے۔ عام حاضرین نے رائے دی کہ محض میں ٹھہر کر امدادی فوج کا انتظار کیا جائے۔ ابو عبیدہ نے کہا کہ اتنا وقت کہاں ہے؟ آخر یہ رائے ٹھہری کہ محض کو چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں۔ وہاں خالد موجود ہیں اور عرب کی سرحد قریب ہے، یہ ارادہ معصوم ہو چکا تو حضرت ابو عبیدہ نے حبیب بن مسلمہ کو جو افسر خزانہ تھے بلا کر کہا کہ عیسائیوں سے جو جزیہ یا خراج لیا جاتا ہے اس وقت ہماری حالت ایسی نازک ہے کہ ہم ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے۔ اس لئے جو کچھ ان سے وصول ہوا ہے۔ سب ان کو واپس دے دو۔ اور ان سے کہہ دو کہ ہم کو تمہارے ساتھ جو تعلق تھا اب بھی ہے۔ لیکن چونکہ اس وقت تمہاری حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے اس لئے جزیہ جو حفاظت کا معاوضہ ہے واپس کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی کل واپس کر دی گئی۔ عیسائیوں پر اس واقعہ کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ خدا تم کو واپس لائے۔ یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا۔ انہوں نے کہا "توراة کی قسم جب تک ہم زندہ ہیں قیصر محض پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر شہر ناہ کے دروازے بند کر دیے اور ہر جگہ چوکی پیرو بٹھا دیا۔ ابو عبیدہ نے صرف محض والوں کے ساتھ یہ برتاؤ نہیں کیا بلکہ جس قدر اضلاع فتح ہو چکے تھے ہر جگہ لکھ بھیجا کہ جزیہ کی جس قدر رقم وصول ہوئی ہے واپس کر دی جائے۔ ان واقعات کو بلاذری نے فتوح البلدان صفحہ ۳۴ میں۔ قاضی ابویوسف نے کتاب الخراج میں صفحہ ۱۵۸ ازوی نے فتوح الشام صفحہ ۳۸ میں تفصیل سے لکھا ہے۔

غرض ابو عبیدہ و دمشق کو روانہ نہ ہوئے اور ان تمام حالات سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر کہ مسلمان رومیوں کے ذریعے سے محض چلے آئے نہایت رنجیدہ ہوئے لیکن جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ فوج اور افسران نے یہی فیصلہ کیا تو فی الجملہ تسلی ہوئی اور فرمایا کہ خدا نے کسی مصلحت سے تمام مسلمانوں کو اس رائے پر متفق کیا ہو گا۔ ابو عبیدہ کو جواب لکھا کہ "میں مد کے لئے سعد بن ابی عامر کو بھیجتا ہوں۔ لیکن فتح و شکست فوج کی قلت و کثرت پر نہیں ہے۔ ابو عبیدہ نے دمشق پہنچ کر تمام افسروں کو

دیکھ کر یہ تفصیلی واقعات فتوح الشام ازوی سے لے کر ہیں لیکن ابو عبیدہ کا محض چھوڑ کر دمشق چلا تھانہ واضح مباحثی اور دیگر مورخوں نے بھی بیان کیا ہے۔

جمع کیا اور ان سے مشورت کی زید بن ابی سفیان، شریل بن حسن، معاذ بن جبل سب نے مختلف رائیں دیں۔ اسی اثناء میں عمرو بن العاص کا قاصد خط لے کر پہنچا جس کا یہ مضمون تھا کہ ”دن کے اختلاص میں عام بغاوت پھیل گئی ہے۔ رومیوں کی آمد آنے سے سخت تھکے والے ہیں اور محض کو چھوڑ کر چلا آنا نہایت بے رحیمی کا سبب ہوا ہے“ ابو عبیدہ نے جواب میں لکھا کہ محض کو ہم نے ڈر کر نہیں چھوڑا بلکہ مقصود یہ تھا کہ دشمن محفوظ مقامات سے نکل آئے اور اسلامی فوجیں جا بجا پھیلی ہوئیں ہیں کیجا ہو جائیں۔ خط میں یہ بھی لکھا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ٹھوٹیں ورنہ اگر تم سے ملنا ہوں۔

دوسرے دن ابو عبیدہ دمشق سے روانہ ہو گئے اور اردن کی حدود میں یہ موک پہنچ کر قیام کیا۔ عمرو بن العاص بھی یہیں آکر ملے، یہ موقع جنگ کی ضرورتوں کے لئے اس لحاظ سے مناسب تھا کہ عرب کے سرحد بہ نسبت اور تمام مقامات کے یہاں سے قریب تھی۔ اور پشت پر عرب کی سرحد تک کھلا میدان تھا۔ جس سے یہ موقع حاصل تھا کہ ضرورت پر جہاں تک چاہیں پیچھے ہٹتے جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعید بن عامر کے ساتھ جو فوج روانہ کی تھی وہ ابھی نہیں پہنچی تھی۔ ادھر رومیوں کی آمد اور ان کے سلمان کا حال سن سن کر مسلمان گھبرائے جاتے تھے ابو عبیدہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک اور قاصد دوڑایا۔ اور لکھا کہ ”رومی، مخدوم سے اہل پڑے ہیں۔ اور جوش کا یہ حال ہے کہ فوج جس راہ سے گذرتی ہے راہب اور خائفہ لشکری جنھوں نے بھی خلوت سے قدم باہر نہیں نکالا تھا۔ نکل نکل کر فوج کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں۔“ خط پہنچا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور خط پڑھ کر سنایا، تمام صحابہ بے اختیار رو پڑے اور نہایت جوش کے ساتھ پکار کر کہا کہ ”میرا المؤمنین! خدا کے لئے ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم اپنے بھائیوں پر جا کر ثار ہو جائیں۔ خدا انھیں اس کا بال بیکا ہوا تو پھر جینا بے سود ہے مہاجر و انصار کا جوش بڑھتا جاتا تھا یہاں تک کہ عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ امیر المؤمنین! تو خود یہ سالارین اور ہم کو ساتھ لے کر چل، لیکن اور صحابہ نے اس رائے سے اختلاف کیا۔ اور رائے یہ تھی کہ اور اداوی فوجیں بھیجی جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاصد سے دریافت کیا کہ دشمن کہاں تک آگئے ہیں؟ اس نے کہا کہ یہ موک سے تین چار منزل کا فاصلہ رہ گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت غمزہ ہوئے اور فرمایا کہ ”افسوس اب کیا ہو سکتا ہے؟ اتنے عرصہ میں کیونکر مدد پہنچ سکتی ہے“ ابو عبیدہ کے نام نہایت پر تاثیر الفاظ میں ایک خط لکھا

اور قاصد سے کہا کہ خود ایک ایک صف میں جا کر یہ خط سنانا اور زبانی کہنا۔

الا عمر یقرنک السلام ویقول لکم بالہل الاسلام اصدقو اللقاء
ونشد وعلیہم شد اللیث ولیکونوا اہون علیکم من الذر لانا
قد کنا علما انکم علیہم منصورون۔

یہ ایک عجیب حسن اتفاق ہوا کہ جس دن قاصد ابو عبیدہ کے پاس آیا۔ اسی دن عامر بھی ہزار آدمی کے ساتھ پہنچ گئے۔ مسلمانوں کو نہایت تقویت ہوئی اور انہوں نے نہایت استقلال کے ساتھ لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔ رومی فوجیں یہ موک کے مقابل دیر الجبل میں اتریں، خالد نے لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔ معاذ بن جبل کو جو بڑے رجب کے صحابی تھے، میمنہ پر مقرر کیا۔ قباث بن اشیم کو میسور اور ہاشم بن عقبہ کو پیدل فوج کی افسری دی، اپنے رکاب کی فوج کے چار حصے کے ایک ایک کو اپنی رکاب میں رکھا، باقی پر قیس بن ہبیرہ، میسورین مسوق، عمرو بن العقیل کو مقرر کیا۔ یہ تینوں ہمارے تمام عرب میں انتخاب تھے اور اس وجہ سے فارس العرب کہلاتے تھے۔ رومی بھی بڑے سروسامان سے نکلے دولاکھ سے زیادہ آدمی جمعیت تھی۔ اور ۴۳۰۰۰ مصنف تھیں، جن کے آگے آگے مذہبی پیشوا ہاتھوں میں سلیبس لئے جوش دلاتے جاتے تھے۔ فوجیں بالکل مقابل آگئیں تو ایک بطریق صف چر کر نکلا اور کہا کہ میں تمنا لڑنا چاہتا ہوں۔ میسورین مسوق نے گھوڑا بڑھایا مگر چونکہ تین تہیت تومند اور جوان تھا۔ خالد نے روکا اور قیس بن ہبیرہ کی طرف دیکھا۔ وہ یہ اشعار پڑھتے پڑھے۔

سائل نساء الحمی فی احجالہا الست دوم الحرب من ابطالہا

”پرہ نشین عورتوں سے پوچھ لو کیا میں لڑائی کے دن ہماروں کے کام نہیں کرتا۔“

قیس اس طرح جھپٹ کر پہنچے کہ بطریق ہتھیار بھی نہیں سنبھال سکا تھا۔ کہ ان کا وار چل گیا تلوار سر پر پڑی اور خود کا تھی ہوئی گروں تک اتر آئی۔ بطریق ڈگدگا کر گھوڑے سے گرا۔ ساتھ ہی مسلمانوں نے عجیب کا نعوا مارا خالد نے کہا ”مٹھکن اچھا ہوا اور اب خدا نے چاہا تو آگے فتح ہے“ عیسائیوں نے خالد کے ہرکاب افسوں کے مقابلے میں جدا جدا فوجیں تھیں کی تھیں۔ لیکن سب نے شکست کھائی اس دن عیسئیں تک فوج تاج لڑائی ملتوی ہو گئی۔

رات کو یہاں نے سرداروں کو جمع کر کے کہا کہ عربوں کو شام کی دولت کا مزہ پڑ چکا ہے بہتر یہ ہے کہ مال و زر کی طمع دلا کر ان کو یہاں سے ٹالا جائے سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ دوسرے دن ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس قاصد بھیجا کہ ”کسی معزز افسر کو ہمارے پاس

ہمارے ملک میں اگر آباد ہوئے ہم نے بیش ان کے ساتھ دوستانہ سلوک کئے ہمارا خیال تھا کہ اس مراعات کا تمام عرب ممنون ہو گا، لیکن خلاف توقع تم ہمارے ملک پر چڑھ آئے اور چاہتے ہو کہ ہم کو ہمارے ملک سے نکال دو، تم کو معلوم نہیں کہ بہت سی قوموں نے بار بار ایسے ارادے کئے لیکن کبھی کامیاب نہیں ہوئے اب تم کو کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ کوئی قوم وحشی اور بے ساندہ سلیمان نہیں، یہ حوصلہ ہوا ہے، ہم اس پر بھی درگزر کرتے ہیں۔ بلکہ اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو انعام کے طور پر سپہ سالار کو دس ہزار دینار اور افسر کو ہزار ہزار اور عام سپاہیوں کو سو سو روپے جائیں گے۔

بابان اپنی تقریر ختم کر چکا تو خالد اٹھ اور حضرت کے بعد کہا کہ ”بے شک تم دولت مند ہو، مالدار ہو، صاحب حکومت ہو، تم نے اپنے ہمسایہ عربوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ بھی ہم کو معلوم ہے لیکن یہ تمہارا کچھ احسان نہ تھا بلکہ اشاعت مذہب کی ایک تدبیر تھی جس کا یہ اثر ہوا کہ وہ عیسائی ہو گئے اور آج خود ہمارے مقابلے میں تمہارے ساتھ ہو کر ہم سے لڑتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہم نہایت محتاج تنگدست اور خاندان بدوش تھے ہمارے ظلم و جہالت کا یہ حال تھا کہ قوی کمزور کو پس ڈالتا تھا، قبائل آپس میں لڑ لڑ کر برباد ہوتے جاتے تھے، بہت سے خدا بنا کر رکھتے تھے اور ان کو پوجتے تھے، اپنے ہاتھ سے بت تراشتے تھے اور اس کی عبادت کرتے تھے۔ لیکن خدا نے ہم پر رحم کیا اور ایک پیغمبر بھیجا جو خود ہماری قوم سے تھا۔ اور ہم میں سب سے زیادہ شریف، زیادہ فیاض پاک، خوش تھا۔ اس نے ہم کو توحید سکھائی اور بتلادیا کہ خدا کا کوئی شریک نہیں وہ یوی واولاد نہیں رکھتا۔ وہ بالکل یکساں و یکساں ہے۔ اس نے ہم کو یہ بھی حکم دیا ہے کہ ہم ان عقائد کو تمام دنیا کے سامنے پیش کریں، جس نے ان کو مانا وہ مسلمان ہے۔ اور ہمارا بھائی ہے۔ جس نے نہ مانا، لیکن وہ جزیہ دینا قبول کرتا ہے اس کے ہم حامی اور محافظ ہیں جس کو دونوں سے انکار ہو اس کے لئے تموار ہے۔“

بابان نے جزیہ کا نام سن کر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اپنے لشکر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ”یہ مرکز بھی جزیہ نہ دیں گے ہم جزیہ لیتے ہیں دیتے نہیں“ غرض کوئی معاملہ طے نہیں ہوا اور خالد اٹھ کر چلے آئے اب اس آخری لڑائی کی تیاریاں شروع ہوئیں جس کے بعد رومی پھر کبھی سنجل نہ سکے خالد کے چلے آنے کے بعد بابان نے سرداروں کو جمع کیا اور کہا کہ ”تم نے سنا اہل عرب کا دعویٰ ہے کہ جب تک تم ان کی رعایا نہ بن جاؤ ان کے منہ سے محفوظ نہیں رو سکتے تم کو ان کی غلامی منکوح ہے تمام افسروں نے بڑے جوش سے کہا کہ ”ہم مر

صحیح دو ہم اس سے صلح کے متعلق گفتگو کرنی چاہتے ہیں“ ابو عبیدہ نے خالد کو انتخاب کیا، قاصد دو پیغام لے کر آیا تھا اس کا نام جارج تھا۔ جس وقت پہنچا شام ہو چکی تھی۔ ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی۔ مسلمان جس ذوق شوق سے تکبیر کہہ کر کھڑے ہوئے اور جس سکون و وقار، ادب و خصوص سے انہوں نے نماز ادا کی۔ قاصد نہایت حیرت و استحباب کی نگاہ سے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ جب نماز ہو چکی تو اس نے ابو عبیدہ سے چند سوالات کئے جن میں ایک یہ تھا کہ تم عیسائی کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ ابو عبیدہ نے قرآن کی یہ آیتیں پڑھیں۔

يا اهل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق
انما المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کلمتہ الفاطا الی مریم
سے لن یستکف المسیح ان یكون عبد اللہ ولا الملئکتہ
المغربون تک

مترجم نے ان الفاظ کا ترجمہ کیا۔ تو جارج پکار اٹھا کہ ”بے شک عیسائی کے یہی اوصاف ہیں اور بے شک تمہارا پیغمبر سچا ہے“ یہ کہہ کر اس نے کلمہ توحید پڑھا اور مسلمان ہو گیا وہ اپنی قوم کے پاس واپسی جانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ لیکن حضرت ابو عبیدہ نے اس خیال سے کہ رومیوں کو بد عہدی کا گمان نہ ہو، مجبور کیا اور کہا کہ کل یہاں سے جو سفیر جائے گا اس کے ساتھ چلے آنا۔

دوسرے دن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ رومیوں کی لشکر گاہ میں گئے۔ رومیوں نے اپنی شوکت دکھانے کے لئے پہلے سے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ راستے کے دونوں جانب سواروں کی صفیں قائم کی گئیں جو سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھے لیکن خالد اس بے پرواہی اور تحقیر کی نگاہ سے ان پر نظر ڈالتے جاتے تھے جس طرح شیر بکریوں کے ریوڑ کو چیرتا چلا جاتا ہے۔ بابان کے خیمے کے پاس پہنچے تو اس نے نہایت احترام کے ساتھ استقبال کیا۔ اور لا کر اپنے برابر بٹھایا۔ مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ بابان نے معمولی بات چیت کے بعد کچھ کے طریقے پر تقریر شروع کی حضرت عیسائی کی تعریف کے بعد قیصر کا نام لیا۔ اور فخر سے کہا کہ ہمارا بادشاہ تمام بادشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ مترجم ان الفاظ کا پورا ترجمہ نہیں کر چکا تھا کہ خالد نے بابان کو روک دیا اور کہا کہ تمہارا بادشاہ ایسا ہی ہو گا۔ لیکن ہم نے جس کو سردار بنا رکھا ہے اس کو ایک لمحہ کے لئے اگر بادشاہی کا خیال آئے تو ہم فوراً اس کو معزول کر دیں گے بابان نے پھر تقریر شروع کی اور اپنے جاہ و دولت کا فخر بیان کر کے کہا کہ ”اہل عرب تمہاری قوم کے لوگ

جائیں گے مگر یہ ذلت گوارا نہیں ہو سکتی۔"

صبح ہوئی تو ردی اس جوش اور سرورِ مسلمان سے نکلے کہ مسلمانوں کو بھی حیرت ہو گئی۔ خالد نے یہ دیکھ کر عرب کے عام قاعدے کے خلاف نئے طور سے فوج آرائی کی فوج جو ۳۰-۳۵ ہزار تھی اس کے ۳۶ حصے کئے اور آگے پیچھے نہایت ترتیب کے ساتھ اسی قدر صفیں قائم کیں۔ قلب فوج ابو عبیدہ کو دیا۔ میمنہ پر عمرو بن العاص اور شریل مامور ہوئے۔ میسرہ بن ابی سفیان کی کمان میں تھا۔ ان کے علاوہ ہر صف پر الگ الگ جو افسر متعین کئے جن کو ان لوگوں کو کیا جو بہادری اور فہم جنگ میں شہرت عام رکھتے تھے۔ خطباء جو اپنے زورِ کلام سے لوگوں میں مل جل ڈال دیتے تھے اس خدمت پر مامور ہوئے کہ پر جوش تقریروں سے فوج کو جوش دلائیں انہی میں ابی سفیان بھی تھے جو فوجوں کے سامنے یہ الفاظ کہتے پھرتے تھے۔

الا انکم زارة العرب وانصار الاسلام وانهم زارة الروم
وانصار الشوک اللهم ان هذا یوم من ايامک اللهم انزل نصرك
علی عبادک۔

عمول بن العاص کہتے پھرتے تھے۔

ایہا الناس لحضوا ابصارکم واعر عوا الرماح والزموا مراکزکم
فلذا حمل عدوکم فامهلوهم حتی اذا ركبوا اطراف الا سنة
فتبوا فی وجوههم وثوب الاسد۔

"یا رو! نگاہیں نیچی رکھو یہ جیساں مان لو اپنی جگہ پر جتے رہو پھر جب دشمن حملہ آور ہوں تو آنے دو۔ یہاں تک کہ جب یہ بھیڑوں کی ٹوک پر آجائیں تو شیر کی طرح ان پر نوٹ پڑو۔"

فوج کی تعداد اگرچہ کم تھی یعنی ۳۰-۳۵ ہزار سے زیادہ آدمی نہ تھے۔ لیکن تمام عرب میں منتخب تھے۔ ان میں سے خاص وہ بزرگ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے مثال مبارک دیکھا تھا۔ ایک ہزار تھے سو بزرگ وہ تھے جو جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر کلب تھے عرب کے مشہور قبائل میں سے دس ہزار سے زیادہ صرف اند کے قبیلے کے تھے۔ حمیر کی ایک بڑی جماعت تھی۔ ہمدان، خلان، الحکم، جذام وغیرہ کے مشہور بہادر تھے۔ اس معرکہ کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ عورتیں بھی اس میں شریک تھیں اور نہایت بہادری سے لڑیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماں ہندہ حملہ کرتی ہوئی بیوگی تھیں۔ تو

پکارتی تھیں عضدو الخلفان بسوقکم۔ امیر معاویہ کی بہن جو یہ نے بھی بڑی دلیری سے جنگ کی۔

مقداد جو نہایت خوش آواز تھے فوج کے آگے آگے سورۃ انفال (جس میں جہاد کی ترغیب ہے) تلاوت کرتے جاتے تھے۔

ادھر رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے پاؤں میں بیڑیاں پہن لیں کہ بیٹے کا خیال تک نہ آئے؟ جنگ کی ابتدا رومیوں کی طرف سے ہوئی۔ ولولہ لڈی دل لشکر ایک ساتھ بڑھا ہزاروں پادری اور ہشپ ہاتھوں میں صلیب لئے آگئے تھے۔ اور حضرت عیسیٰ کی بے پکارتے آتے تھے یہ سازو سامان دیکھ کر ایک مسلمان کی زبان سے بے اختیار نکلا اللہ اکبر کس قدر بے انتہا فوج ہے۔ خالد نے جھٹکا کر کہا "چپ رہ خدا کی قسم میرے گھوڑے کے سم اچھے ہوتے تو میں کہہ دیتا کہ عیسائی اتنی ہی فوج اور بڑھائیں۔"

غرض عیسائیوں نے نہایت زور شور سے حملہ کیا اور تھپوں کا مینہ برساتے پڑے۔ مسلمان دیر تک ثابت قدم رہے لیکن حملہ زور کا تھا کہ مسلمان کا میمنہ نوٹ کر فوج سے طبعہ ہو گیا۔ اور نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا نہایت یافتہ ہتھ پتھ حرم کے خیمہ ٹوٹ گئے۔ عورتوں کو یہ حالت دیکھ کر کھٹکھٹا کر آیا اور خیمہ کی چوبیس اکھاڑ لیں۔ اور پکاریں کہ "نا ملو ادھر آئے تو چوبیسوں سے تمہارا سر توڑ دیں گے" خولہ یہ شعر پڑھ کر لوگوں کو غیرت دلائی تھیں۔

یہاں تا عن نسوة تغایب و میت بالسهم والعنات

یہ حالت دیکھ کر معاذ بن جبل جو میمنہ کے ایک حصے کے سپہ سالار تھے گھوڑے سے کود پڑے اور کہا کہ "میں تو پیدل لڑتا ہوں لیکن کوئی بہادر اس گھوڑے کا حق ادا کر سکے تو گھوڑا حاضر ہے۔" ان کے بیٹے نے کہا "ہاں یہ حق میں ادا کروں گا مگر ننگہ میں سوار ہو کر اچھا لڑ سکتا ہوں" غرض دونوں باپ بیٹے فوجوں میں ٹھکے اور دلیری سے جنگ کی کہ مسلمانوں کے اکڑے ہوئے پاؤں پھر سنبھل گئے ساتھ ہی حجاج جو قبیلہ زبیدہ کے سردار تھے پانچ سو آدمی لے کر پڑے اور عیسائیوں کا جو مسلمانوں کا تعاقب کرتے چلے آتے تھے آگادو لیا۔ میمنہ میں قبیلہ اند شروع حملہ سے ثابت قدم رہا تھا۔ عیسائیوں نے لڑائی کا سارا زور ان پر ڈالا لیکن وہ پہاڑ کی طرح جتے رہے۔ جنگ میں یہ شدت تھی کہ فوج میں ہر طرف سر ہاتھ بانڈوٹ کٹ کٹ کرتے جاتے تھے لیکن ان کے پائے ثابت کی لغزش نہیں ہوتی تھی عمرو بن الطفیل جو قبیلہ کے سردار تھے تلوار مارتے جاتے تھے کہ اڑیو دیکھنا۔ مسلمانوں پر تمہاری وجہ سے داغ نہ

آئے۔ تو بڑے بڑے بہادران کے ہاتھ سے مارے گئے اور آخر خود شہادت حاصل کی۔

حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کو پیچھے لگا رکھا تھا۔ دفعہ صف چکر لگے اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کی صفیں اتر کر ویں، عکرمہ نے جو ابو جہل کے فرزند تھے اور اسلام لانے سے پہلے اکثر کفار کے ساتھ رہ کر لڑتے تھے۔ گھوڑا آگے بڑھایا اور کہا ”ہیسا یو! میں کسی زمانے میں (کفر کی حالت میں) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑ چکا ہوں کیا آج تمہارے مقابلہ میں میرا پاؤں پیچھے پڑ سکتا ہے؟“ یہ کہہ کر فوج کی طرف دیکھا اور کہا مرنے پر کون بیعت کرتا ہے؟ چار سو شخصوں نے جن میں ضرار بن اندر بھی تھے مرنے پر بیعت کی اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ قربا سب کے سب وہیں کٹ کر رہ گئے عکرمہ کی لاش مقتولوں کے ڈھیر میں ملی کچھ کچھ دم باقی تھا خالد نے اپنے راتوں پر ان کا سر رکھا اور گلے میں پانی پٹکا کر کہا ”خدا کی قسم عمر کا گمان غلط تھا کہ ہم شہید ہو کر نہ مریں گے۔“ (تاریخ طبری واقعہ ۱۷۰)

غرض عکرمہ اور ان کے ساتھی گویا ہلاک ہو گئے۔ لیکن رومیوں کے ہزاروں آدمی برباد کر دیئے خالد کے حملوں نے اور بھی ان کی طاقت توڑ دی۔ یہاں تک کہ آخر ان کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ اور خالد ان کو دہاتے ہوئے سپہ سالار در بخار تک پہنچ گئے۔ در بخار اور رومی افسروں نے آنکھوں پر روٹال ڈال لئے کہ اگر یہ آنکھیں فحشی صورت نہ دیکھ سکیں تو شکست بھی نہ دیکھیں۔

عین اس وقت جب ادھر عینہ میں بازار قتل گرم تھا ابن قاطیہ نے میسور پر حملہ کیا۔ بد قسمتی سے اس جھڑپ میں اکثر قوم و غسان کے قبیلہ کے آدمی تھے جو شام کے اطراف میں بود باش رکھتے تھے ایک مدت سے روم کے ہاجمزار رہتے آئے تھے۔ رومیوں کا رعب جو دلوں میں سلایا ہوا تھا اس کا یہ اثر ہوا کہ پہلے ہی حملے میں ان کے پاؤں اکٹڑ گئے اور اگر افسروں نے بھی بے ہمتی کی ہوتی تو لڑائی کا خاتمہ ہو چکا ہوتا۔ رومی بھگتوں کا پیچھا کرتے ہوئے خیموں تک گئے۔ عورتیں یہ حالت دیکھ کر بے اختیار نکل پڑیں اور ان کی پاموئی نے عیسائیوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ فوج اگرچہ اتر ہو گئی تھی لیکن افسروں میں سے قباث بن اثیم، سعید بن زید، یزید بن ابی سفیان، عمرو بن العاص، شرجیل بن حسنہ واد شجاعت لے رہے تھے۔ قباث کے ہاتھ سے تلواریں اور نیزے ٹوٹ ٹوٹ کر گرے جاتے تھے مگر ان کے تیور پر تل نہ آیا تھا۔ نیزہ ٹوٹ کر گرنا تو کہتے کہ کوئی ہے؟ جو اس شخص کو ہتھیار دے جس نے خدا سے اقرار کیا ہے کہ میدان جنگ سے ہٹے گا تو مر کر بٹے گا۔ لوگ فوراً تلوار یا نیزہ ان کے ہاتھ میں

لا کر دے دیتے۔ اور پھر وہ شیر کی طرح جھپٹ کر دشمن پر جا پڑتے، ابوالاعور گھوڑے سے کود پڑے اور اپنے رکاب کی فوج سے مخاطب ہو کر کہا کہ ”میسور استقلال دنیا میں عزت ہے اور عقبتی میں رحمت، دیکھنا یہ دولت ہاتھ سے نہ جانے پائے“ سعید بن زید غصہ میں کھٹکے ٹپکے ہوئے کھڑے تھے۔ رومی ان کی طرف بڑھے تو شیر کی طرح جھپٹے اور مقدمہ کے افسر کو مار گرا دیا۔ یزید بن ابی سفیان (معاویہ کے بھائی) بڑی ثابت قدمی سے لڑ رہے تھے۔ اتفاق سے ان کے باپ ابو سفیان جو فوج کو جوش دلاتے پھرتے تھے ان کی طرف نکلے بیٹے کو دیکھ کر کہا ”جان پدرا! اس وقت میدان میں ایک ایک سپاہی شجاعت کے جوہر دکھا رہا ہے تو سپہ سالار ہے اور سپاہیوں کی بہ نسبت تجھ پر شجاعت کا زیادہ حق ہے۔ تیری فوج میں سے ایک سپاہی بھی اس میدان میں تجھ سے بازی لے گیا تو تیرے لئے شرم کی جگہ ہے“ شرجیل کا یہ حال تھا کہ رومیوں کا چاروں طرف سے نرغہ تھا اور یہ جگہ میں پہاڑ کی طرح کھڑے تھے۔ قرآن کی یہ آیت

ان اللہ اشتری من المومنین انفسهم واموالهم بان لهم الجنة یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون

پڑھتے تھے اور نعرہ مارتے تھے کہ خدا کے ساتھ سودا کرنے والے اور خدا کے ہمسایہ بننے والے کہاں ہیں؟ یہ توازن جس کے کان میں پڑی بے اختیار لوٹ پڑا۔ یہاں تک کہ اکٹڑی ہوئی فوج سنبھل گئی اور شرجیل نے ان کو لے کر اس بہادر سے جنگ کی کہ رومی جو لڑتے چلے آتے تھے بڑھنے سے رک گئے۔

ادھر عورتیں خیموں سے نکل نکل کر فوج کی پشت پر اکٹڑی ہوئیں۔ اور چلا کر کہتی تھیں کہ ”میدان سے قدم ہٹایا تو پھر ہمارا منہ نہ دیکھنا۔“

لڑائی کے دونوں پہلو اب تک برابر تھے، بلکہ غلبہ کا پلہ رومیوں کی طرف تھا۔ دفعہ

قیس بن بصیرہ جن کو خالد نے فوج کا ایک حصہ دے کر میسور کی پشت پر متعین کر دیا تھا۔ عقب سے نکلے اور اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ رومی سرداروں نے بہت سنبھالا مگر فوج سنبھل نہ سکی۔ تمام صفیں اتر ہو گئیں اور گھبرا کر پیچھے ہٹیں، ساتھ ہی سعید بن زید نے قلب سے نکل کر حملہ کر دیا۔ رومی دور تک ہٹتے چلے گئے یہاں تک میدان کے سرے پر جو نالہ تھا اس کے کنارے تک آگئے تھوڑی دیر میں ان کی لاشوں نے وہ نالہ بھر دیا۔ اور میدان خالی ہو گیا۔

اس لڑائی کا یہ واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس وقت گھسان کی لڑائی ہو رہی تھی، حباش بن قیس جو ایک بہادر سپاہی تھے بڑی جاہ بازی سے لڑ رہے تھے اسی اثناء میں کسی نے ان کے پاؤں پر تلوار ماری اور ایک پاؤں کٹ کر الگ ہو گیا۔ حباش کو خبر تک نہ ہوئی۔

تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو دھونڈتے پھرتے تھے کہ ”میرا پاؤں کیا ہوا؟“ ان کے قبیلے کے لوگ اس واقعہ پر ہمیشہ فخر کرتے تھے چنانچہ سوارین ادنیٰ نامی ایک شاعر نے کہا۔

ومن این عتاپ ولسلہ جلدہ ومنالذی اوسی الی العی حاجباً

رومیوں کے جس قدر آوی مارے گئے ان کی تعداد میں اختلاف ہے طبری اور ازدی نے لاکھ سے زیادہ تعداد بیان کی ہے۔ بلاذری نے ستر ہزار لکھا ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے تین ہزار کا نقصان ہوا جن میں ضرار بن انور، ہشام بن العاصی ابان، سعید و فیو تھے۔ قیصر انطاکیہ میں تھا کہ شکست کی خبر پہنچی اسی وقت قسطنطین کی تیاری کی چلتے وقت شام کی طرف رخ کر کے کہا ”اللہ والے شام“۔

ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باس فتح لکھا اور ایک مختصر سی سفارت بھیجی، جن میں حذیفہ بن الیمان بھی تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یرموک کی خبر کے انتظار میں کئی دن سے سوئے نہ تھے۔ فتح کی خبر پہنچی تو دھنکے سجدہ میں گرے اور خدا کا شکر ادا کیا۔

ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یرموک سے حمص کو واپس گئے اور خالد کو قنسرین روانہ کیا۔ شروالوں نے اول مقابلہ کیا لیکن پھر قلعہ بن ہو کر جزیرہ کی شرط پر صلح کر لی، یہاں عرب کے قبائل میں سے قبیلہ شوح شدت سے آکر آباد تھا۔ یہ لوگ برسوں تک مکمل کے غیموں میں بسر کرتے رہے تھے لیکن رفتہ رفتہ تمدن پر یہ اثر ہوا کہ بڑی بڑی عالیشان عمارتیں بنوالی تھیں۔ حضرت ابو عبیدہ نے ہم قوی کے لحاظ سے ان کو اسلام کی ترغیب دی چنانچہ سب مسلمان ہو گئے۔ صرف بنو سلج کا خاندان عیسائیت پر قائم رہا۔ اور چند روز کے بعد وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ قبیلہ طے کے بھی بہت سے لوگ یہاں آباد تھے۔ انہوں نے بھی اپنی خوشی سے اسلام قبول کر لیا۔ قنسرین کی فتح کے بعد ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حلب کا رخ کیا۔ شہر سے باہر میدان میں عرب کے بہت سے قبیلے آباد تھے۔ انہوں نے جزیرہ پر صلح کر لی اور تھوڑے دنوں کے بعد سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ حلب والوں نے ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد سن کر قلعہ میں پناہ لی۔ عیاض بن غنم نے جو مقدمہ الجیش کے افسر تھے شہر کا محاصرو کیا۔ اور چند روز کے بعد اور مفتوحہ شہروں کی طرح ان شرائط پر صلح ہو گئی کہ عیسائیوں نے جزیرہ دینا منظور کر لیا۔ اور ان کی جان و مال، شہرناہ، مکانات، قلعے اور گرجوں کی حفاظت کا معاہدہ لکھ دیا گیا۔ حلب کے بعد انطاکیہ آئے چونکہ یہ قیصر کا خاص دار السلطنت تھا بہت سے رومیوں اور عیسائیوں نے یہاں

آکر پناہ لی تھی۔ ابو عبیدہ نے ہر طرف سے شہر کا محاصرو کیا۔ چند روز کے بعد عیسائیوں نے مجبور ہو کر صلح کر لی۔ ان صدر مقامات کی فتح نے تمام شام کو مرعوب کر دیا۔ اور یہ نوبت پہنچی کہ کوئی افسر تھوڑی سی ہجرت کے ساتھ جس طرف نکل جاتا تھا عیسائی خود آ کر امن و صلح کے خواستگار ہوتے تھے چنانچہ انطاکیہ کے بعد ابو عبیدہ نے چاروں طرف فوجیں بھیلا دیں۔ یو قانومہ، سرمن، توڑی، قورس، محل، غراز، لوک، رعبان یہ چھوٹے چھوٹے مقامات اس آسانی سے فتح ہوئے کہ خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں گرا اسی طرح باس اور قاصیرین بھی پہلے بلر میں فتح ہو گئے۔ جو جومہ والوں نے جزیرہ سے انکار کیا۔ اور کہا کہ ہم لڑائی میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ چونکہ جزیرہ فوجی خدمت کا معاوضہ ہے، ان کی یہ درخواست منظور کر لی گئی۔

انطاکیہ کے مضافات میں بغراس ایک مقام تھا جس سے ایشیائے کوچک کی سرحد ملتی تھی، یہاں عرب کے بہت سے قبائل غسان، تنوخ، ایاد، رومیوں کے ساتھ ہر قل کے پاس جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ صیب بن مسلمہ نے ان پر حملہ کیا۔ اور ہڑا معرکہ ہوا۔ ہزاروں قتل ہوئے خالد نے مرعش پر حملہ کیا اور اس شرط پر صلح ہوئی کہ عیسائی شہر چھوڑ کر نکل جائیں۔

بیت المقدس ۶۳۷ ہجری (۶۳۷ء)

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب شام پر چڑھائی کی تو ہر ہر صوبہ پر الگ الگ افسر بھیجے چنانچہ فلسطین عمرو بن العاص کے حصے میں آیا عمرو بن العاص نے بعض مقامات حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے عہد میں فتح کر لئے تھے اور فاروقی عہد تک تو پائلس، لد، عمواس، بیت جریس تمام بڑے بڑے شہروں پر قبضہ ہو چکا تھا، جب کوئی عام معرکہ پیش آ جاتا تھا تو وہ فلسطین چھوڑ کر ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملتے تھے اور ان کو مدد دیتے تھے۔ لیکن فارغ ہونے کے ساتھ فوراً واپس آ جاتے تھے۔ اور اپنے کام میں مشغول ہوتے رہتے۔ یہاں تک کہ آس پاس کے شہروں کو فتح کر کے خاص بیت المقدس کا محاصرو کیا۔ عیسائی قلعہ میں بند ہو کر لڑتے رہے۔ اس وقت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کے انتہائی اضلاع قنسرین وغیرہ فتح کر چکے تھے، چنانچہ اوہر سے فرصت پا کر بیت المقدس کا رخ کیا۔ عیسائیوں نے بہت ہار کر صلح کی درخواست کی۔ اور مزید اطمینان کے لئے یہ شرط اضافہ کی کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود یہاں آئیں اور معاہدہ صلح ان کے ہاتھوں سے لکھا

جائے ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ بیت المقدس کی فتح آپ کی تشریف آوری پر موقوف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام معزز صحابہ کو جمع کیا۔ اور مشورت کی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ عیسائی مرعوب اور غلط دل ہو چکے ہیں۔ آپ ان کی درخواست کو رد کر دیں تو ان کو اور بھی ذلت ہو گی اور یہ سمجھ کر کہ مسلمان ان کو بالکل حقیر سمجھتے ہیں۔ بغیر شرط کے ہتھیار ڈال دیں گے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے خلاف رائے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان ہی کی رائے کو پسند کیا اور سفر کی تیاریاں لے کیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نائب مقرر کر کے خلافت کے کامیاب ان کے سپرد رکھے۔ اور رجب ۱۱ھ ہجری میں مدینہ سے روانہ ہو گئے۔

تاکثرین کو انتظار ہو گا کہ قاروق اعظم کا سفر اور سفر بھی وہ جس سے دشمنوں پر اسلامی جلال کا رعب بٹھانا مقصود تھا۔ کس ساز و سامان سے ہوا ہو گا؟ لیکن یہاں غدارہ و نوبت خدم و حشم لاؤ لشکر ایک طرف معمولی ڈیرہ اور خیمہ تک نہ تھا۔ سواری میں گھوڑا تھا اور چند مہاجر انصار ساتھ تھے۔ تاہم جہاں یہ آواز پہنچی تھی کہ قاروق اعظم نے مدینہ سے شام کا ارادہ کیا ہے دشمن دل جاتی تھی۔

سواروں کو اطلاع دی جا چکی تھی کہ جابیہ میں آکر ان سے ملیں۔ اطلاع کے مطابق یزید بن ابی سفیان اور خالد بن الولید وغیرہ نے عیسائی استقبال کیا۔ شام میں رہ کر ان افسروں میں عرب کی سادگی باقی نہیں رہی تھی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے یہ لوگ آئے تو اس دست سے آئے کہ بدن پر حریر و دیبا کی چکنی اور پر تکلف قبائیں تھیں۔ اور ذوق برق پوشاک اور ظاہری شان و شوکت سے عجیب معلوم ہوتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت غصہ آیا۔ گھوڑے سے اتر پڑے اور عکریزے اٹھا کر ان کی طرف پھینکے کہ اس قدر جلد تم نے عجیب عادتیں اختیار کر لیں۔

ان لوگوں نے عرض کی کہ "قبائیں کے نیچے ہتھیار ہیں"۔ (یعنی پتھر گری کا جو ہر ہاتھ سے نہیں دیا ہے) فرمایا تو کچھ مضائقہ نہ نہیں۔ شر کے قریب پہنچے تو ایک اونچے نیچے پر کھڑے ہو کر چاروں طرف نگاہ ڈالی، غوطہ کا دلغریب سبزہ زار اور دمشق کے اور شاندار مکانات سامنے تھے دل پر ایک خاص اثر ہوا۔ عبرت کے لہجہ میں یہ آیت پڑھی کہ تو کو امن جنت و عیون بالغ پھرنا بغض کے چند حسرت انگیز اشعار پڑھے۔

۱۔ یہ طبری کی روایت ہے۔ ۲۔ فتن البلدان صفحہ ۳۰ ۳۔ طبری صفحہ ۱۰۳۔

جابیہ میں دیر تک قیام رہا۔ اور بیت المقدس کا معاہدہ بھی عیسائیوں کو لکھا گیا وہاں کے عیسائیوں کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد کی خبر پہلے سے پہنچ چکی تھی چنانچہ رئیسین شہر کا ایک گروہ ان سے ملنے کے لئے دمشق کو روانہ ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوج کے حلقے میں بیٹھے تھے کہ دفعتاً کچھ سوار آئے جو گھوڑے اڑاتے چلے آتے تھے اور کمر میں تلواریں پنک رہی تھیں۔ مسلمانوں نے فوراً ہتھیار سنبھال لئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا خیر ہے؟ لوگوں نے سواروں کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرست سے سمجھا کہ بیت المقدس کے عیسائی ہیں۔ فرمایا گھیراؤ نہیں یہ لوگ امن طلب کرنے آئے ہیں غرض معاہدہ صلح لکھا گیا۔ بڑے بڑے معزز صحابہ کے دستخط ہو گئے۔ یہ طبری کی روایت ہے۔ بلاذری اور ازہری نے لکھا ہے کہ معاہدہ صلح بیت المقدس میں لکھا گیا ہے کہ اس معاہدہ۔ ۴۔ جامعناہ نے اس کتاب کے ۵۰ ص ۱۱۱ میں نقل کیا ہے۔ دیکھو ۴۔ اس کتاب کا ۱۰۰ سراحدہ۔

معاہد کی تکمیل کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المقدس کا ارادہ کیا۔ گھوڑا جو سواری میں تھا اس کے سم کھس کر بیکار ہو گئے اور رک رک کر قدم رکھتا تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دیکھ کر اتر پڑے۔ لوگوں نے ستر کی نسل کا ایک عمرہ گھوڑا حاضر کیا۔ گھوڑا شوخ اور چالاک تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوار ہوئے تو ٹھیک کرنے لگا فرمایا "کعبتہ یہ غور کی چال تو نے کہاں سیکھی" یہ کہہ کر اتر پڑے اور سیاہ پاجملے بیت المقدس قریب آیا تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سرسواران فوج استقبال کو آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لباس اور ساز و سامان جس معمولی حیثیت کا تھا۔ اس کو دیکھ کر مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دل میں کیا کہیں گے۔ چنانچہ لوگوں نے ترکی گھوڑا اور قیمتی پوشاک حاضر کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لئے یہی بس ہے۔ غرض اس حوال سے بیت المقدس میں داخل ہوئے سب سے پہلے مسجد گئے، محراب داؤد کے پاس پہنچ کر سجدہ داؤد کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا۔ پھر عیسائیوں کے گرجا میں آئے اور ادرہ او سر پھر پھرتے رہے۔

چونکہ یہاں اکثر افسران فوج اور عمال جمع ہو گئے تھے۔ کئی دن تک قیام کیا اور ضروری احکام جاری کئے۔ ایک دن بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۰ رسول اللہ کے مؤذن) نے آکر شکایت کی کہ امیر المؤمنین ہمارے افسر پرند کا گوشت اور حبیبہ کی روٹیاں کھاتے ہیں۔ لیکن عام مسلمانوں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے افسران کی طرف

دیکھا "انہوں نے عرض کی کہ اس ملک میں تمام چیزیں ارزاں ہیں جتنی قیمت پر مجاز میں روٹی اور کھجور ملتی ہے۔ یہاں اسی قیمت پر پرندہ کا گوشت اور میدہ ملتا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ افسروں کو مجبور نہ کر سکے، لیکن حکم دیا کہ مال غنیمت اور تنخواہ کے علاوہ سپاہی کھانا بھی مقرر کر دیا جائے۔

ایک دن نماز کے وقت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی کہ آج اذان دو بلال نے کہا میں عزم کر چکا تھا کہ رسول اللہ کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دوں گا لیکن آج (اور صرف آج) آپ کا ارشاد بجالاؤں گا۔ اذان دینی شروع کی تو تمام صحابہ کو رسول اللہ کا عمد مبارک یاد آیا۔ اور رقت طاری ہوئی۔ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور معاذ بن جبل روتے روتے بیتاب ہو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہانکی لگ گئی۔ دیر تک یہ اثر رہا۔

ایک دن مسجد اقصیٰ میں گئے اور کعب بن احبار کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ نماز کہاں پڑھی جائے مسجد اقصیٰ میں ایک پتھر ہے جو انبیائے سابقین کی یادگار ہے اس کو حجرہ کہتے ہیں۔ اور یہودی اس کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح مسلمان حجر اسود کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب قبلہ کی نسبت پوچھا تو کعب نے کہا کہ "حجرہ کی طرف" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "تم میں اب تک یہودیت کا اثر باقی ہے۔ اور اسی کا اثر تھا کہ تم نے حجرہ کے پاس اگر جوتی آمادی" اس واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو طرز عمل اس قسم کی یادگاروں کی نسبت تھا، ظاہر ہوتا ہے "اس موقع پر ہماری اس کتاب کے دوسرے حصہ کے صفحہ کو بھی ملاحظہ کرنا چاہئے۔

محض پر عیسائیوں کی دوبارہ کوشش

۸۳۸ء (ہجری)

یہ معرکہ اس لحاظ سے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس سے جزیرہ اور آرمینہ کی فتوحات کا موقع پیدا ہوا تھا۔ ایران اور روم کی حمیس جن اسباب سے پیش آنیں وہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ لیکن اس وقت تک آرمینہ پر لشکر کشی کے لئے کوئی خاص سبب نہیں پیدا ہوا تھا، اسلامی فتوحات چونکہ روز بروز وسیع ہوتی جاتی تھیں اور حکومت اسلام کے حدود پر اب بڑھتے جاتے تھے۔ ہمایہ سلطنتوں کو خود بخود خوف پیدا ہوا کہ ایک دن ہماری باری بھی آتی ہے۔

چنانچہ ادھر جزیرہ والوں نے قیصر کو لکھا کہ نئے سرے سے ہمت کیجئے ہم ساتھ دینے کو موجود ہیں چنانچہ قیصر نے ایک فوج کثیر محس کو روانہ کی۔ ادھر جزیرہ والے ۳۰ ہزار کی فوج کی بھیڑ بھاڑ کے ساتھ شام کی طرف بڑھے، ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادھر ادھر سے فوجیں جمع کر کے محس کے باہر صفیں بنائیں۔ ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمام حالات کی اطلاع دی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آٹھ بڑے بڑے شہروں میں فوجی چھاؤنیاں قائم کر رکھی تھیں اور ہر جگہ چار چار ہزار گھوڑے فقط اس غرض سے ہر وقت تیار رہتے تھے کہ کوئی اتفاقیہ موقع پیش آجائے تو فوراً ہر جگہ سے فوجیں یلغار کر کے موقع پر پہنچ جائیں۔ ابو عبیدہ کا خط آیا تو ہر طرف سے قاصد دوڑا دیئے۔ تعلقان بن عمرو کو جو کوفہ میں مقیم تھے لکھا کہ فوراً چار ہزار سوار لے کر محس پہنچ جائیں۔ سہیل بن عدی کو حکم بھیجا کہ جزیرہ پہنچ کر جزیرہ والوں کو محس کی طرف بڑھنے سے روک دیں۔ عبداللہ بن عتبہ ان کو نصیبین کی طرف روانہ کیا ولید بن عتبہ کو مامور کیا کہ جزیرہ پہنچ کر عرب کے ان قبائل کو تمام رکھیں جو جزیرہ میں آباد تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان انتظامات پر بھی قاعدت نہ کی بلکہ خود مدینہ سے روانہ ہو کر دمشق میں آئے۔ جزیرہ والوں نے جب یہ سنا کہ خود ان کے ملک میں مسلمانوں کے قدم آگئے تو محس کا محاصرہ چھوڑ کر جزیرہ کو چلے گئے عرب کے قبائل جو عیسائیوں کی مدد کو آئے تھے وہ بھی ہجرتائے اور خلیفہ خالد کو پیغام بھیجا کہ تمہاری مرضی ہو تو ہم اسی وقت یا عین موقع پر عیسائیوں سے الگ ہو جائیں۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا بھیجا کہ "افسوس! میں دوسرے شخص (ابو عبیدہ) کے ہاتھ میں ہوں۔ اور وہ حملہ کرنا پسند نہیں کرتا ورنہ مجھ کو تمہارے ٹھہرنے اور چلے جانے کی مطلق پرواہ نہ ہوتی۔ تاہم اگر تم سچے ہو تو محاصرہ چھوڑ کر کسی طرف نکل جاؤ" ادھر فوج نے ابو عبیدہ سے تقاضا شروع کیا کہ حملہ کرنے کی اجازت ہو۔ انہوں نے خالد سے پوچھا خالد نے کہا "میری پرواہ ہے معلوم ہے عیسائی ہمیشہ کثرت فوج کے ملے پر لڑتے ہیں اب کثرت بھی نہیں رہی ہے پھر کس بات کا اندیشہ ہے" اس پر بھی ابو عبیدہ کا دل مطمئن نہ تھا تمام فوج کو جمع کیا اور نہایت پر زور اور مؤثر تقریر کی کہ مسلمانو! آج جو ثابت قدم رہ گیا وہ اگر زندہ بچا تو ملک و مال ہاتھ آئے گا۔ اور مارا گیا تو شہادت کی دولت ملے گی۔ میں گواہی دیتا ہوں (اور یہ جھوٹ بولنے کا موقع نہیں) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مرے اور مشرک ہو کر نہ مرے وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ فوج پہلے ہی سے حملہ کرنے کے لئے بے قرار تھی ابو عبیدہ کی تقریر نے اور بھی گرمایا۔ اور غنایا سب نے ہتھیار سنبھال

لئے ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قلب فوج اور خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعباس سمیت میسوکو لے کر بڑھے، قحطاع نے جو کوفہ سے چار ہزار فوج کے ساتھ مدوکو آئے تھے، محض سے چند میل پر راہ میں تھے کہ اس وفد کی خبر سنی فوج چھوڑ کر سوسواریوں کے ساتھ ابو عبیدہ سے آٹے مسلمانوں کے حملہ کے ساتھ عرب کے قبائل (جیسا کہ خالد سے اقرار ہو چکا تھا) اہتری کے ساتھ پیچھے ہٹے ان کے ہٹنے سے عیسائیوں کا بازو ٹوٹ گیا۔ اور تھوڑی دیر لڑ کر اس بدحواسی سے بھاگے کہ مرف الدیلاج تک ان کے قدم نہ ہتے یہ اخیر معرکہ تھا جس کی ابتداء خود عیسائیوں کی طرف سے ہوئی۔ اور جس کے بعد ان کو پھر کبھی پیش قدمی کا حوصلہ نہیں ہوا۔

حضرت خالدؓ کا معزول ہونا

شام کی فتوحات اور عملہ ہجری (۳۸ھ) کے واقعات میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معزول ہونا ایک اہم واقعہ ہے۔ عام مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمان خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ پہلا جو حکم دیا وہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معزولی تھی۔ ابن الاثیر وغیرہ سب یہی لکھتے آئے ہیں۔ لیکن یہ ان کی سخت غلطی ہے افسوس ہے کہ ابن الاثیر کو خود اختلاف بیانی کا بھی خیال نہیں خود ہی سمر ہجری کے واقعات میں خالد کا معزول ہونا لکھا ہے اور خود ہی عملہ ہجری کے واقعات میں ان کی معزولی کا الگ عنوان قائم کیا ہے اور دونوں جگہ بالکل ایک سے واقعات نقل کر دیئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بعض بے اعتدالیوں کی وجہ سے مدت سے ناراض تھے۔ تاہم آغاز خلافت میں ان سے کچھ تعرض کرنا نہیں چاہا۔ لیکن چونکہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی کہ وہ کاغذات حساب و ہمار خلافت کو نہیں بھیجتے تھے اس لئے ان کو تاکید لکھی کہ آئندہ سے اس کا خیال رکھیں۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں لکھا کہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے سے ایسا ہی کرتا آیا ہوں۔ اور اب اسکے خلاف نہیں کر سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی یہ خود مختاری کیونکر پسند ہو سکتی تھی۔ اور وہ بیت المال کی رقم کو اس طرح بیدار کیونکر کسی کے ہاتھ میں دے سکتے تھے چنانچہ خالد کو لکھا کہ تم اسی شرط پر سپہ سالار رہ سکتے ہو کہ فوج کے مصارف کا حساب ہمیشہ بھیجتے رہو۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شرط کو نا منظور کیا۔ اور اس بنا پر وہ سپہ سالاری کے عہدے سے معزول کر دیئے گئے۔ چنانچہ اس واقعہ کو حافظ ابن حجر نے

کتاب الاصابہ میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال میں تفصیل سے لکھا ہے۔ بایں حمد ان کو بالکل معزول نہیں کیا۔ بلکہ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماتحت کر دیا، اس کے بعد عملہ ہجری (۳۸ھ) میں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شاعر کو دس ہزار روپے انعام میں دے دیئے پرچہ نویسوں نے اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پرچہ لکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو عبیدہ کو خط لکھا کہ خالد نے یہ انعام اپنی گھر سے دیا تو اسراف کیا۔ اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی۔ دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔

خالد جس کیفیت سے معزول کئے گئے وہ سننے کے قابل ہے۔ قاصد نے جو معزولی کا خط لے کر آیا تھا۔ مجمع عام میں خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ "یہ انعام تم نے کہاں سے دیا؟" خالد اگر اپنی خطا کا اقرار کر لیتے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم تھا کہ ان سے درگزر کی جائے۔ لیکن وہ خطا کے اقرار کرنے پر راضی نہ تھے۔ مجبوراً قاصد نے معزولی کی علامت کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اتار لی۔ اور ان کے سر تابی کی سزا کے لئے انہی کے عمامہ سے ان کی گردن باندھی۔ یہ واقعہ کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ ایک ایسا بڑا سپہ سالار جس کا نظیر تمام اسلام میں کوئی شخص موجود نہ تھا۔ اور جس کی کموار نے عراق و شام کا فیصلہ کر دیا تھا اس طرح ذلیل کیا جا رہا ہے۔ اور مطلق دم نہیں مارتا۔ اس واقعہ سے ایک طرف تو خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیک نفسی اور حق پرستی کی شہادت ملتی ہے اور دوسری طرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سطوت و جلال کا اندازہ ہوتا ہے۔

خالد نے محض پہنچ کر اپنی معزولی کے متعلق ایک تقریر کی۔ تقریر میں یہ بھی کہا کہ "امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ کو شام کا افسر مقرر کیا۔ اور جب میں نے تمام شام کو زیر کر لیا تو مجھ کو معزول کر دیا۔" اس فقرے پر ایک سپاہی اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ اے سرواچہ رہا ان باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے۔ خالد نے کہا "ہاں! لیکن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہوتے ہوئے فتنہ کا کیا احتمال ہے۔"

خالد مدینہ آئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدا کی قسم تم میرے معاملہ میں نا انصافی کرتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ "تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی؟" خالد نے کہا کہ مال غنیمت سے۔ اور یہ کہہ کر کہا کہ "ساتھ ہزار سے جس قدر زیادہ رقم ٹکے وہ میں آپ کے حوالہ کرتا

ہو۔ چنانچہ بیس ہزار روپے زیادہ لٹے اور وہ بیت المال میں داخل کر دیئے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ "خالد! اللہ تم مجھ کو محبوب بھی ہو، اور میں تمہاری عزت بھی کرتا ہوں یہ کہہ کر تمام غلامان ملکی کو لکھ بھیجا کہ میں نے خالد کو ناراضی سے یا خیانت کی بناء پر موقوف نہیں کیا۔ لیکن چونکہ میں دیکھتا تھا کہ لوگ اس کے مشغول ہوتے جاتے ہیں۔ اس لئے میں نے ان کا معقول کرنا مناسب سمجھا تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔" ان واقعات سے ایک نکتہ بین شخص با آسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ خالد بھی معزولی کے کیا اسباب تھے اور اس میں کیا مصلحتیں تھیں۔

عمو اس کی وبا ۱۸ ہجری (۶۳۹ء)

۱۸ سال شام و مصر و عراق میں سخت وبا پھیلی اور اسلام کی بڑی بڑی یادگاریں خاک میں چھپ گئیں۔ وبا کا آغاز ۱۸ ہجری کے اخیر میں ہوا اور کئی مہینے تک نہایت شدت رہی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اولیٰ شب خبر پہنچی تو اس کی تدبیر اور انتظام کے لیے خود روانہ ہوئے۔ سرخ، پیچ کر ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے جو ان کے استقبال کو آئے تھے معلوم ہوا کہ بیماری کی شدت بڑھتی جاتی ہے۔ مہاجرین اولین اور انصار کو بلایا۔ اور رائے طلب کی۔ مختلف لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ لیکن حق نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ کل کوچ ہے۔ حضرت ابو عبیدہ چونکہ تقدیر کے مسئلہ پر نہایت سختی کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے ان کو نہایت غصہ آیا۔ اور طیش میں آکر کہا اَفْوَادٌ مِّنْ قُلُوْدِ اللّٰہِ یعنی اسے عمر! تقدیر الہی سے بھاگتے ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی سخت نکلامی کو گوارا کیا اور کہا۔

اَفَرَّ مِنْ قِضَاءِ اللّٰہِ الَّذِیْ قِضَاءُ اللّٰہِ یعنی ہاں تقدیر الہی سے بھاگتا ہوں۔ مگر بھاگتا بھی تقدیر الہی کی طرف ہوں۔

غرض خود مدینہ چلے آئے اور ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ مجھ کو تم سے کام ہے کچھ دنوں کے لئے یہاں آجاؤ۔ ابو عبیدہ کو خیال ہوا کہ وبا کے خوف سے بلایا ہے۔ جواب میں لکھ بھیجا کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے وہ ہو گا۔ میں مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے

لئے یہاں سے نکل نہیں سکا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خط پڑھ کر روئے اور لکھا کہ فوج جہاں اتری ہے وہ خشب اور مرطوب جگہ ہے اس لئے کوئی عمدہ موقع تجویز کر کے وہاں اٹھ جاؤ۔ ابو عبیدہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور جابیہ میں جا کر مقام کیا۔ جو آب و ہوا کی خوبی میں مشہور تھا۔ جابیہ پہنچ کر ابو عبیدہ بیمار پڑے۔ جب زیادہ شدت ہوئی تو لوگوں کو جمع کیا۔ اور نہایت پر اثر الفاظ میں وصیت کی۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ اور چونکہ نماز کا وقت آپ کا تھا۔ حکم دیا کہ وہی نماز پڑھائیں اور نماز ختم ہوئی اور انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا پتاری اسی طرح زوروں پر تھی اور فوج میں انتشار پھیلنا ہوا تھا۔ عمرو بن العاص نے لوگوں سے کہا کہ یہ دہائی بلاؤں میں سے ہے جو بنی اسرائیل کے زمانے میں مصر پر نازل ہوئی تھیں۔ اس لئے یہاں سے بھاگنا چاہئے۔ معاذ نے سنا تو منبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھا اور کہا کہ یہ وہ بلا نہیں ہے بلکہ خدا کی رحمت ہے خطبہ کے بعد خیمہ میں آئے تو بیٹے کو بیمار پایا نہایت استقلال کے ساتھ کہا۔ **بَابِی الْحَقُّ مِنْ رَبِّکَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُحْشَرِّ** یعنی اے فرزند یہ خدا کی طرف سے حق ہے دیکھ شبہ میں نہ پڑنا۔ بیٹے نے جواب دیا **مَسْجِدُنِیْ اَنْشَاءُ اللّٰہُ مِنَ الصَّیْبِ** یعنی خدا نے چاہا تو آپ مجھ کو صابر پائیں گے یہ کہہ کر انتقال کیا۔ معاذ بیٹے کو دفن کر آئے تو خوب بیمار پڑے۔ عمرو بن العاص کو خلیفہ مقرر کیا اور اس خیال سے کہ زندگی خدا کے قرب کا حجاب تھی بڑے اطمینان اور مسرت سے جان دی۔

غضب کا نشہ بھی عجیب چیز ہے، وبا کا وہ زور تھا اور ہزاروں آدمی طعنہ اہل ہوتے جاتے تھے لیکن معاذ اس کو خدا کی رحمت سمجھا کئے اور کسی قسم کی کوئی تدبیر نہ کی، لیکن عمرو بن العاص کو یہ نشہ کم تھا۔ معاذ کے مرنے کے ساتھ انہوں نے مجمع عام میں خطبہ پڑھا اور کہا کہ وبا جب شروع ہوتی ہے تو آگ کی طرح پھیل جاتی ہے۔ اس لئے تمام فوج کو یہاں سے اٹھ کر پہاڑوں پر جا رہنا چاہئے اگرچہ ان کی رائے بعض صحابہ کو جو معاذ کے ہم خیال تھے ناپسند آئی، یہاں تک کہ ایک بزرگ نے علانیہ کہا کہ تو جھوٹ کہتا ہے تاہم عمرو نے اپنی رائے پر عمل کیا۔ فوج ان کے حکم کے مطابق اور اور پہاڑوں پر پھیل گئی اور وبا کا خطرہ جاتا رہا۔ لیکن یہ تدبیر اس وقت عمل میں آئی کہ ۵۰ ہزار مسلمان جو آسمی دنیا فتح کرنے کے لئے کافی ہو سکتے تھے موت کے مسمان ہو چکے تھے۔ ان میں ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یزید بن ابی سفیان، حارث بن ہشام، سمیل بن عمرو، عتبہ بن سمیل بڑے درجہ کے لوگ تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان تمام حالات سے اطلاع ہوئی وہی تھی اور

مناسب احکام بھیجے رہتے تھے یزید بن ابی سفیان اور معاویہ کے مرنے کی خبر آئی تو معاویہ کو دمشق کا اور شریک کو اردن کا حاکم مقرر کیا۔

اس قیامت خیز دہائی وجہ سے فتوحات اسلام کا سیلاب دفعہ رک گیا۔ فوج بجائے اس کے کہ مخالف پر حملہ کرتی خود اپنے حال میں گرفتار تھی، ہزاروں لڑکے یتیم ہو گئے۔ ہزاروں عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ جو لوگ مرے تھے ان کلال و اسباب مارا مارا پھرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان حالات سے مطلع ہو کر شام کا قصد کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت دی اور خود ایلہ کو روانہ ہوئے، یہ فغان کا قلام اور بہت سے صحابہ ساتھ تھے۔ ایلہ کے قریب پہنچے تو کسی مصلحت سے اپنی سواری قلام کو دی اور خود اس کے اونٹ پر سوار ہو گئے۔ راہ میں جو لوگ دیکھتے تھے کہ امیر المومنین کہاں ہیں فرہاتے کہ تمہارے آگے اسی حیثیت سے ایلہ آئے اور یہاں دو روز قیام کیا گزی کا کہتے جو نسب بدن تھا کلوے کی رگڑ کھا کھا کر پیچھے سے پھٹ گیا تھا۔ مرمت کے لئے ایلہ کے پاس کی دوا لیا۔ اس نے خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگائے اور اس کے ساتھ ایک نیا کرتہ تیار کر کے پیش کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا کرتہ پہن لیا۔ اور کہا کہ اس میں پینہ خوب جذب ہوتا ہے۔ ایلہ سے دمشق آئے اور شام کے اکثر اضلاع میں دو دو چار چار دن قیام کر کے مناسب انتظامات کئے فوج کی تنخواہیں تقسیم کیں۔ جو لوگ دیباہ میں ہلاک ہوئے تھے ان کے دو روزہ نیک کے وارثوں کو بلا کر ان کی میراث دلائی۔ سرحدی مقامات پر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ جو آسامیاں خالی ہوئی تھیں۔ ان پر نئے عہدیدار مقرر کئے۔ ان باتوں کی دو سری تفصیل دوسرے حصے میں آئے گی۔ چلتے وقت لوگوں کو جمع کیا۔ اور جو انتظامات کئے تھے ان کے متعلق تقریر کی۔

اس سال عرب میں سخت قحط پڑا اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت مستعدی سے انتظام نہ کیا ہوتا تو ہزاروں لاکھوں آدمی بھوکوں مر جاتے۔ اسی سال مہاجرین اور انصار اور قبائل عرب کی تنخواہیں اور روزینے مقرر کئے۔ چنانچہ ان انتظامات کی تفصیل دوسرے حصے میں آئے گی۔

قیساریہ کی فتح شوال ۱۷ھ ہجری (۶۳۹ء)

یہ شہر ہشام کے ساحل پر واقع ہے اور فلسطین کے اضلاع میں شمار کیا جاتا ہے۔ آج ویران پڑا ہے۔ لیکن اس زمانے میں بہت بڑا شہر تھا۔ اور بقول بلاذری کے تین سو بازار آباد تھے اس

شہر اول اول سمر ہجری (۶۳۵ء) میں عمرو بن العاص نے چڑھائی کی۔ اور مدت تک محاصروں کے پڑے رہے۔ لیکن فتح نہ ہو سکا۔ ابو عبیدہ کی وفات کے بعد حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید بن ابی سفیان کو ان کی جگہ مقرر کیا تھا۔ اور حکم دیا کہ قیساریہ کی محاصرہ پر جائیں۔ وہ ۵۰ ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ لیکن ۱۸ھ ہجری (۶۳۹ء) میں جب بیمار ہوئے تو امیر معاویہ اپنے بھائی کو اپنے قائم مقام کر کے دمشق چلے آئے اور عیسٰی وفات پائی۔ امیر معاویہ نے بڑے ساز و سامان سے محاصرہ کیا۔ شہر والے کئی دفعہ قلعہ سے نکل نکل کر لڑے۔ لیکن ہر دفعہ شکست کھائی۔ تاہم شہر قبضہ نہ ہو سکا۔ ایک دن ایک یہودی نے جس کا نام یوسف تھا، امیر معاویہ کے پاس آکر ایک سرنگ کا نشان دیا جو شہر کے اندر اندر قلعہ کے دروازے تک گئی تھی۔ چنانچہ چند ہماروں نے اس کی راہ قلعہ کے اندر پہنچ کر دروازہ کھول دیا۔ ساتھ ہی تمام فوج ٹوٹ پڑی اور کشتوں کے پٹنے لگا دیئے۔ سوار عیسٰی کا بیان ہے کہ کم سے کم عیسائیوں کی اسی ہزار فوج تھی جس میں بہت کم زندہ بچی، چوتھو یہ ایک مشہور مقام تھا، اس کی فتح سے گویا شام کا مطلع صاف ہو گیا۔

جزیرہ ۱۸ھ ہجری (۶۳۷ء)

مدائن کی فتح سے دفعہ تمام عجم کی آنکھیں کھل گئیں عرب کو یا تو وہ تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے یا اب ان کو عرب کے نام سے لڑنا آتا تھا، اس کا یہ اثر ہوا کہ ہر ہر صوبے نے بجائے خود عرب کے مقابلے کی تیاریاں شروع کیں، سب سے پہلے جزیرہ نے ہتھیار سنبھالا کیونکہ اس کی سرحد عراق سے بالکل ملی ہوئی تھی، سعد نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان حالات سے اطلاع دی وہاں سے عبداللہ بن العتیم مامور ہوئے اور چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس معرکہ کا خاص خیال تھا اس لئے افسر کو بھی خود ہی نامزد کیا۔ چنانچہ مقدمہ الجیش پر رومی بن الاقل، مہموشہ حارث بن حسان، میسرور فرات بن حیان، سادہ پرہانی بن قیس مامور ہوئے۔ عبداللہ بن العتیم چنانچہ ہزار کی جمعیت سے ۷۰ عسکریت کی طرف بڑھے اور شہر کا محاصرہ کیا مینے سے زیادہ محاصروں کا اور ۲۳ دفعہ حملے ہوئے چونکہ عجمیوں کے ساتھ عرب کے چند قبائل یعنی ایاد، تغلب، نمر بھی شریک تھے عبداللہ نے خفیہ یہ قیام بھیجا اور غیرت دلائی کہ

۱۔ جزیرہ اس دفعہ آزادی کا نام ہے جو جبل اور فرات کے بیچ میں ہے۔ اس کی حدود اردن میں ہیں مغرب آرمینیا کا کچھ حصہ اور ایشیائے کوچک جنوب شام مشرق عراق شمال آرمینیا کے کچھ حصے۔ مقام درون قحط ہے۔ ۲۔ عسکریت جزیرہ کا سب سے آگلی شہر ہے جس کی حد عراق سے ملی چلی ہے جبل کے قریب جانب واقع ہے اور موصل سے ملتی ہے۔

تم عرب ہو کر عجم کی غلامی کیوں گوارا کرتے ہو؟ اس کا اثر یہ ہوا کہ سب نے اسلام قبول کیا۔ اور کھلا بھیجا کہ تم شہر حملہ کرو ہم عین موقع پر تمہیں سے ٹوٹ کر تم سے اٹھیں گے۔ یہ بندہ بست ہو کر تاریخ معین پر دعا دیا کیا عجیبی مقابلہ کو لٹکے تو خود ان کے ساتھ عربوں نے عقب سے ان پر حملہ کیا۔ عجیبی دونوں طرف سے گھر کر پامال ہو گئے۔

یہ معرکہ اگرچہ جزیرہ کی مہمات میں شامل ہے لیکن چونکہ اس کا موقع اتفاقی طور سے عراق کے سلسلے میں آگیا تھا اس لئے مؤرخین اسلام جزیرہ کی فتوحات کو اس واقعہ سے شروع نہیں کرتے۔ اور خود اس زمانے میں یہ معرکہ عراق کے سلسلے سے الگ نہیں خیال کیا جاتا تھا۔ علم ہجری میں جب عراق و شام کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو سعد کے نام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم پہنچا کہ جزیرہ پر فوجیں بھیجی جائیں۔ سعد نے عیاض بن غنم کو پانچ ہزار کی جمیعت سے اس مہم پر مامور کیا۔ وہ عراق سے چل کر جزیرہ کی طرف بڑھے اور شہر دہاکہ کے قریب جو کسی زمانے میں رومن امپائر کا یادگار مقام تھا ڈیرے ڈالے یہاں کے حاکم نے خفیف سی روک ٹوک کے بعد جزیرہ پر صلح کر لی۔ دہاکہ کے بعد چند روز میں تمام جزیرہ اس سرے سے اس سرے تک فتح ہو گیا۔ جن جن مقامات پر خفیف خفیف لڑائیاں پیش آئیں تو ان کے نام یہ ہیں۔ رقہ، حمران، نصیبین، میادقار، قین، مساط، سرج، قرقیسیا، نوزان، عین الوردہ۔

۱۔ خوزستان

فہر (۳۳۸ء) ہجری میں مغیب بن شعبہ بصرہ کے حاکم مقرر ہوئے اور چونکہ خوزستان کی سرحد بصرہ سے ملتی ہوئی ہے انہوں نے خیال کیا کہ اس کی فتح کے بغیر بصرہ میں کافی طور سے امن و امان قائم نہیں ہو سکتا چنانچہ ۱۸ ہجری (۳۳۷ء) کے شروع میں ابوزہر جس کو ایرانی ہرمز شہر کہتے تھے حملہ کیا۔ یہاں کے رئیس نے ایک مختصر رقم دے کر صلح کر لی۔ مغیب وہیں رک گئے۔ ۷ ہجری (۳۳۸ء) میں مغیب معزول ہوئے ان کی جگہ ابوموسیٰ اشعری مقرر ہوئے۔ اس انقلاب میں ابوزہر کے رئیس نے سالانہ رقم بند کر دی اور اعلامیہ بغاوت کا اظہار کیا۔ مجبوراً ابوموسیٰ اشعری نے لشکر کشی کی اور ابوزہر کو جاگیر اشائی فوج جو یہاں رہتی تھی اس نے بڑی پاموسی سے مقابلہ کیا۔ لیکن آخر شکست کھائی اور شہر فتح ہو گیا۔ غنیمت کے ساتھ ہزاروں آدمی ہونڈی غلام بن کر تقسیم کئے گئے۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع ہوئی کہ خوزستان اس حد آبادی کا نام ہے جو عراق اور فارس کے درمیان واقع ہے۔ اس میں ۳۰۰۰۰۰ شہریں ہیں سب سے بڑا شہر ابوزہر ہے جو تختہ میں دیکھا گیا ہے۔

تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ سب رہا کر دیئے جائیں۔ چنانچہ وہ سب چھوڑ دیئے گئے۔ ابوموسیٰ نے ابوزہر کے بعد متازہ کارخ کیا یہ خود ایک محفوظ مقام تھا۔ شہر والوں نے بھی ہمت اور استقلال سے حملے کو روکا۔ اس معرکہ میں مہاجرین زیادہ جو ایک معزز افسر تھے شہید ہوئے اور قلعہ والوں نے ان کا سرکٹ کریم کے کنگرہ پر لٹکا دیا۔

ابوموسیٰ نے مہاجر کے بھائی ریح کو یہاں چھوڑا اور خود سوس کو روانہ ہوئے ریح نے متازہ کو فتح کر لیا۔ اور ابوموسیٰ نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد بند کر دی۔ قلعہ میں کھانے پینے کا سامان ختم ہو چکا تھا۔ مجبوراً رئیس شہر نے صلح کی درخواست کی کہ اس کے خاندان کے سوا توئی زندہ چھوڑ دیئے جائیں۔ ابوموسیٰ نے منظور کیا۔ رئیس ایک ایک آدمی کو نامزد کرتا تھا اور اس کو امن دے دیا جاتا تھا۔ بد قسمتی سے شمار میں رئیس نے خود اپنا نام نہیں لیا تھا۔ چنانچہ جب سو کی تعداد پوری ہو گئی تو ابوموسیٰ اشعری نے رئیس کو جو شمار سے باہر تھا قتل کر دیا۔ سوس کے بعد رامہڑ کا محاصرہ ہوا۔ اور آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہو گئی۔ یزید گرد اس وقت قم میں مقیم تھا۔ اور خاندان شامی کے تمام ارکان ساتھ تھے۔ ابوموسیٰ کی دست درازوں کی خبریں اس کو برابر پہنچتی تھیں۔ ہرمزان نے جو شہر یہ کاموں اور بڑی قوت کا سرواڑ تھا یزید گرد کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر ابوزہر و فارس میری حکومت میں دے دیئے جائیں تو عرب کے سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک دوں۔ یزید گرد نے اسی وقت فرمان حکومت عطا کر کے ایک جمیعت عقیم ساتھ دی۔ خوزستان کا صدر مقام شوسر تھا اور شامی عمارات اور فوجی چھاؤنیاں جو کچھ تھیں ہرمزان نے وہاں پہنچ کر قلعہ کی مرمت کرائی اور خندق اور برجوں سے مستحکم کیا اس کے ساتھ ہر طرف قیاب اور ہر کارے دوڑا دیئے کہ لوگوں کو جوش و ملاہر جنگ کے لئے آمادہ کریں۔ اس تدبیر سے قوی جوش ہوا افسر وہو گیا تھا۔ پھر تازہ ہو گیا اور پندرہ روز میں ایک جمیعت اعظم فراہم ہو گئی۔ ابوموسیٰ نے دربار خلافت کو نامہ لکھا اور مدد کی درخواست کی وہاں سے عمار بن یاسر کے نام جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے حکم آیا کہ نعمان بن مقرن کو ہزار آدمی کے ساتھ مدد کو بھیجیں۔ لیکن فہم نے جو ساز و سامان کیا تھا۔ اس کے سامنے یہ جمیعت بیکار تھی۔ ابوموسیٰ نے دوبارہ لکھا کہ جس کے جواب میں عمار کو حکم پہنچا کہ آدمی فوج کو عبداللہ بن مسعود کے ساتھ کوفہ میں چھوڑ دو اور باقی فوج لے کر خود ابوموسیٰ کی مدد کو جاؤ۔ ادھر جریر بن علی ایک بڑی فوج لے کر جلوہ پانچا۔ ابوموسیٰ نے اس ساز و سامان سے شوسر کارخ کیا۔ اور شہر کے قریب پہنچ کر ڈیرے ڈالے۔ ہرمزان کثرت فوج کے بل پر خود شہر سے نکل کر حملہ آور ہوا۔ ابوموسیٰ نے بڑی ترتیب سے صف کرائی کی میمنہ ہراء بن مالک کو دیا (یہ حضرت انس

رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی کے بھائی تھے۔ میرٹھ پر براء بن عازب انصاری کو مقرر کیا۔ سواروں کا رسالہ حضرت انس کی رکاب میں تھا۔ دونوں فوجیں خوب تکی توڑ کر لڑیں، براء بن مالک مارتے دھاڑتے شہر نہاد کے پھاٹک تک پہنچ گئے، ادھر ہرمزان نہایت ہمداری کے ساتھ فوج کو لڑا رہا تھا۔ عین پھاٹک پر دونوں کا سامنا ہوا۔ براء مارے گئے، ساتھ ہی عذراہ بن ثور نے جو عینہ کو لڑا رہے تھے، بھگ کر مار دیا لیکن ہرمزان نے ان کا بھی کام تمام کر دیا۔ تاہم میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ عجی ایک ہزار مقتول ہوئے اور چھ سو زندہ گرفتار ہوئے۔ ہرمزان نے قلعہ بند ہو کر لڑائی جاری رکھی۔

ایک دن شہر کا ایک آدمی چھپ کر ابو موسیٰ کے پاس آیا۔ اور کہا اگر میرے جان مال کو امن دیا جائے تو میں شہر پر قبضہ کر ادوں گا۔ ابو موسیٰ نے منظور کیا، اس نے ایک عرب کو جس کا نام اشرس تھا ساتھ لیا۔ اور نمبو جمل سے جو دجلہ کی ایک شاخ ہے اور شوتر کے نیچے بہتی ہے پار اتر کر ایک تہ خانے کی راہ میں داخل ہوا۔ اور اشرس کے منہ پر چادر ڈال کر کہا کہ نوکر کی طرح میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ چنانچہ شہر کے گلی کوچوں سے گزرتا ہوا خاص ہرمزان کے محل میں آیا۔ ہرمزان نے کیمسوں اور درباریوں کے ساتھ جلسہ جمائے بیٹھا ہوا تھا۔ شہری نے ان کو تمام عمارات کی سیر کرائی۔ اور موقع کے نشیب و فراز دکھائے۔ ابو موسیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں آگے تمہاری ہمت اور تقدیر ہے، اشرس نے اس کے بیان کی تصدیق کی۔ اور کہا کہ دو سو جاناں میرے ساتھ ہوں تو شہر فوراً فتح ہو جائے۔ ابو موسیٰ نے فوج کی طرف دیکھا۔ دو سو ہمدانوں نے بھگ کر کہا کہ خدا کی راہ میں ہماری جان حاضر ہے۔ اشرس اسی تہ خانے کی راہ شہر نہاد کے دروازے پر پہنچے اور ہمدانوں کو تہ تیغ کر کے اندر کی طرف سے دروازے کھول دیئے۔ ادھر ابو موسیٰ فوج کے ساتھ موقع پر موجود تھے دروازہ کھلنے کے ساتھ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور شہر میں پھیل پڑ گئی۔ ہرمزان نے بھاگ کر قلعے میں پناہ لی۔ مسلمان قلعے کے نیچے پہنچے تو اس نے برج پر چڑھ کر کہا کہ میرے ترکش میں اب بھی سو تیر ہیں۔ اور جب تک اتنی ہی لاشیں یہاں نہ بچھ جائیں میں گرفتار نہیں ہو سکتا۔ تاہم میں اس شرط پر اترتا ہوں کہ تم مجھ کو مدینہ پہنچاؤ۔ اور جو کچھ فیصلہ ہو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے ہو۔ ابو موسیٰ نے منظور کیا۔ اور حضرت انس کو مامور کیا کہ مدینہ تک اس کے ساتھ جائے۔ ہرمزان بڑی شان و شوکت سے روانہ ہوا۔ بڑے بڑے رئیس اور خاندان کے تمام آدمی رکاب میں لئے مدینہ کے قریب پہنچ کر شاہانہ ٹھاٹھ سے آراستہ ہوا۔ تاج مرصع جو کونین کے قعب سے مشہور تھا۔ سر پر رکھا، دنیا کی قبائیل تن کی مشاہدات عجم کے طریقے کے موافق

زیور پہنے۔ کمر سے مرصع تلوار لگائی۔ غرض شان و شوکت کی تصویر بن کر مدینے میں داخل ہوا اور لوگوں سے پوچھا کہ امیر المومنین کہاں ہیں وہ سمجھتا تھا کہ جس شخص کے دہرے نے تمام دنیا میں غلغلہ ڈال رکھا ہے اس کا دوبار بھی بڑے ساز و سامان آہو گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور فرش خاک پر لیٹے ہوئے تھے۔

ہرمزان مسجد میں داخل ہوا تو سیکڑوں تماشاگر ساتھ تھے جو اس کے ذوق برق لباس کو بار بار دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے۔ لوگوں کی آہٹ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھ کھلی تو عجیب شان و شوکت کا مرقع سامنے تھا۔ اوپر سے نیچے تک دیکھا اور حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ”یہ دنیا کے دلوں کی دلچسپیوں ہیں“ اس کے بعد ہرمزان کی طرف مخاطب ہوئے۔ اس وقت تک مترجم نہیں کیا تھا، مضمین شیعہ کچھ کچھ فارسی سے آشنا تھے اس لئے انہوں نے ترجمانی کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے وطن پوچھا۔ مضمین وطن کی فارسی نہیں جانتے تھے اس لئے کہا کہ ”۳۳ زکرام ارضی“ پھر اور باتیں شروع ہوئیں۔ قادیانہ کے بعد ہرمزان نے کئی دفعہ سعد سے صلح کی تھی۔ اور بیٹھ اقرار سے پھر جاتا تھا۔ شوتر کے معرکے میں دو بڑے مسلمان اشراہ کے ہاتھ سے مارے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان باتوں کا اس قدر رنج تھا کہ انہوں نے ہرمزان کے قتل کا پورا ارادہ کر لیا تھا۔ تاہم اتمام حجت کے طور پر عرض معروض کی اجازت دی۔ اس نے کہا کہ عمر! جب تک خدا ہمارے ساتھ تھا تم ہمارے غلام تھے اب خدا تمہارے ساتھ ہے اور ہم تمہارے ہیں۔ یہ کہہ کر پیٹے کا پانی مانگا، پانی کیا تو پیالہ ہاتھ میں لے کر درخواست کی کہ جب تک پانی نہ پی لوں مارا نہ جاؤں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظور کر لیا۔ اس نے پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا۔ اور کہا کہ میں پانی نہیں پیتا اور اس لئے شرط کے موافق تم مجھ کو قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مخالطہ پر حیران رہ گئے۔ ہرمزان نے ٹکڑے توحید پر محاورہ کہا کہ میں پہلے ہی اسلام لا چکا تھا لیکن یہ تعبیر اس لئے کی کہ لوگ نہ کہیں کہ میں نے تلوار کے ڈر سے اسلام قبول کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت خوش ہوئے۔ اور خاص مدینہ رہنے کی اجازت دی۔ اس کے ساتھ دو ہزار سالانہ روزینہ مقرر کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قارس وغیرہ کی مہمات میں اکثر اس سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

شوتر کے بعد جندی ساہور پر حملہ ہوا۔ جو شوتر سے ۲۳ میل ہے، کئی دن تک

ان واقعات کو طبری نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ عہد الفاروق عبد الباق ابی بکر علی المرتضیٰ

مخاصروہا ایک دن شہر والوں نے خود دروازے کھول دیئے اور نہایت اطمینان کے ساتھ تمام لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہوئے۔ مسلمانوں کو ان کے اطمینان پر تعجب ہوا۔ اور اس کا سبب دریافت کیا۔ شہر والوں نے کہا ”تم ہم کو جزیہ کی شرط پر امن دے چکے ہو۔ اب کیا جھگڑا رہا“ سب کو حیرت تھی کہ امن کس نے دیا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگوں سے چھپا کر امن کا رقعہ لکھ دیا ہے۔ ابو موسیٰ نے کہا کہ ”ایک غلام کی خودداری حجت نہیں ہو سکتی“ شہر والے کہتے تھے کہ ہم آزاد اور غلام نہیں جانتے۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھ گیا۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ ”مسلمان غلام بھی مسلمان ہے۔ اور جس کو اس نے امن دے دی تمام مسلمان امن دے چکے“۔ اس شہر کی فتح نے تمام خوزستان میں اسلام کا سکہ بٹھا دیا۔ اور فتوحات کی فہرست میں ایک اور نئے ملک کا اضافہ ہو گیا۔

عراق عجم اور ہجری (۶۳۱ء)

جلولہ کے بعد جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ یزید گورے چلا گیا۔ لیکن یہاں کے رئیس کہاں جاوید نے یوقالی کی۔ اس لئے رے سے نکل کر اصفہان اور کرمان ہوتا ہوا خراسان پہنچا۔ یہاں پہنچ کر موسم اقامت کی۔ آتش باری ساتھ تھی اس کے لئے آتش کدہ تیار کر لیا۔ اور مطمئن ہو کر پھر سلطنت حکومت کے ٹھانڈے لگا دیئے۔ یہیں خبر لگی کہ عربوں نے عراق کے ساتھ خوزستان بھی فتح کر لیا۔ اور ہرمزان جو سلطنت کا زور دہانڈ تھا زندہ گرفتار ہو گیا۔ یہ حالات سن کر نہایت طیش میں آیا۔ اگرچہ سلطنت کی حیثیت سے اس کا وہ پہلا رعب و ادب باقی نہیں رہا تھا۔ تاہم تین ہزار برس کا خاندانی اثر دفعہ نہیں مٹ سکتا تھا۔ ایرانی اس وقت تک یہ سمجھتے تھے کہ عرب کی آمد ہی سرحدی مقامات تک پہنچ کر رک جائے گی اس لئے ان کو اپنی خاص سلطنت کی طرف سے اطمینان تھا۔ لیکن خوزستان کے واقعہ سے ان کی آنکھیں کھلیں۔ ساتھ ہی شہنشاہ کے فرامین اور قریب پہنچے۔ اس سے دفعہ طبرستان و ہریانہ پہنچے۔ رے، اصفہان، ہمدان سے گذر کر خراسان اور سندھ تک تھلا طمچ گیا۔ اور ڈیڑھ لاکھ فدیہ دل لشکر قہر میں آکر ٹھہرا۔ یزید گورے موان شاہ کو (ہرمز کا فرزند تھا) سر لشکر مقرر کر کے نماوند کی طرف روانہ کیا۔ اس معرکہ میں درفش کاویانی جس کو عجم قال ظفر سمجھتے تھے۔ مبارک خالی

سزائیں عراق و ہمدان پر عجم سے ملتی تھیں۔ کو عراقی عرب کہتے ہیں اور شرقی سے کو عراقی عجم کہتے ہیں عراق عجم کی حدود اردوبیہ ہیں کہ شمال میں طبرستان جنوب میں خراسان شرق میں خوزستان اور مغرب میں شہر مراء واقع ہیں۔ اس وقت اس کے پورے شہر اصفہان ہمدان اور رے کے چھوٹے چھوٹے حصے تھے۔ اس وقت رے بالکل ویران ہو گیا۔ اور اس کے قریب طبرستان آباد ہو گیا ہے جو شاہان کا پکار کا دار السلطنت ہے۔

کے لحاظ سے نکالا گیا۔ چنانچہ موان شاہ جب روانہ ہوا تو اس مبارک علم کا پھر اس پر سایہ کرتا جاتا تھا۔ عمار بن یاسر نے جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان حالات سے اطلاع دی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمار کا خط لے ہوئے مسجد نبوی میں آئے اور سب کو سنا کے کہا کہ ”مگر وہ عرب اس مرتبہ تمام ایران کمر بستہ ہو کر چلا ہے کہ مسلمانوں کو دنیا سے مٹا دے۔ تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟“ طلحہ بن عبید اللہ نے اٹھ کر کہا کہ امیر المؤمنین! واقعات نے آپ کو تجربہ کار بنا دیا ہے ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے کہ آپ جو حکم دیں بجالائیں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”میری رائے ہے کہ شام، یمن، بصرہ کے افسروں کو لکھا جائے کہ اپنی اپنی فوجیں لے کر عراق کو روانہ ہوں اور آپ خود اہل حرم کو لے کر مدینہ سے انھیں کوفہ میں تمام فوجیں آپ کے علم کے نیچے جمع ہوں اور پھر نماوند کی طرف رخ کیا جائے۔ حضرت عثمان کی رائے کو سب نے پسند کیا لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چپ تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دیکھا وہ بولے کہ ”شام اور بصرہ سے فوجیں نہیں تو ان مقامات پر سرحد کے دشمنوں کا قبضہ ہو جائے گا۔ اور آپ نے مدینہ چھوڑا تو عرب میں قیامت برپا ہو جائے گی۔ اور خود اپنے ملک کا تھامنا مشکل ہو جائے گا۔ میری رائے ہے کہ آپ یہاں سے نہ جائیں۔ اور شام اور یمن، بصرہ وغیرہ میں فرہان بھیج دیئے جائیں کہ جہاں جہاں جس قدر فوجیں ہیں ایک ایک ٹکٹ اور روانہ کر دی جائیں“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میری رائے بھی یہی تھی۔ لیکن خدا اس کا فیصلہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اب یہ بحث چش آئی کہ ایسی ہی مہم میں سپہ سالار بن کر کون جائے لوگ ہر طرف خیال دوڑا رہے تھے۔ لیکن اس درجہ کا کوئی شخص نظر نہیں آتا تھا۔ جو لوگ اس منصب کے قابل تھے وہ اور اور مہمات میں مصروف تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مراتب کمال میں یہ بات بھی داخل ہے کہ انہوں نے ملک کے حالات سے ایسی واقفیت حاصل کی تھی کہ قوم کے ایک ایک فرد کے اوصاف ان کی نگاہ میں تھے۔ چنانچہ اس موقع پر حاضرین نے خود کہا کہ اس کا فیصلہ آپ سے ہیہ کر کن کر سکتا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نعمان بن مقرن کو انتخاب کیا۔ اور سب نے اس کی تائید کی نعمان تیس ہزار کی جمعیت لے کر کوفہ سے روانہ ہوئے اس فوج میں بڑے بڑے صحابہ شامل تھے جن میں سے حذیفہ بن الیمان، عبداللہ بن عمر، جریر بن حنبل، منیو بن شعبہ، عمرو معدی کرب زیادہ مشہور ہیں۔ نعمان نے جاسوسوں کو بھیج کر معلوم کیا کہ نماوند تک راستہ صاف ہے۔ چنانچہ نماوند تک برابر بڑھتے چلے گئے۔ نماوند سے ۸ میل اور ہراپہاں ایک

مقام تھا۔ وہاں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ ایک بڑی تدبیر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہ فارس میں جو اسلامی فوجیں موجود تھیں ان کو لکھا کہ ایرانی اس طرف سے نہاوند کی طرف بڑھنے نہ پائیں۔ اس طرح دشمن ایک بہت بڑی مدد سے محروم رہ گیا۔

عجم نے نعمان کے پاس سفارت کے لئے پیغام بھیجا۔ چنانچہ مغیو بن شعبہ جو پہلے بھی اس کام کو انجام دے چکے تھے سفیر بن کر گئے۔ عجم نے بڑی شان سے دو دربار آراستہ کیا۔ موان شاہ کو تاج پٹا کر تخت زریں پر بٹھایا۔ تخت کے دائیں بائیں ملک ملک کے شہزادے دیبائے زرکش کی قبائیں سر پر تاج زہا تھوں میں سونے کے نگین پھنک کر بیٹھے۔ ان کے پیچھے دور دور تک سپاہیوں کی صفیں قائم کیں۔ جن کی برہنہ تلواروں سے آنکھیں خیر ہوئی جاتی تھیں حرم کے دریلے سے گفتگو شروع ہوئی۔ موان شاہ نے کہا کہ اہل عرب سب سے بد بخت ٹب سے زیادہ فائدہ مست سب سے زیادہ نپاک جو قوم ہو سکتی ہے تم ہو یہ قدر اندازو میرے تخت کے گرد کھڑے ہیں ابھی تمہارا فیصلہ کر دیتے۔ لیکن مجھ کو یہ گوارا نہ تھا کہ ان کے تیر تمہارے نپاک خون میں آلودہ ہوں۔ اب بھی اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو میں تم کو معاف کر دوں گا۔" مغیو نے کہا "ہاں ہم لوگ ایسے ہی ذلیل تھے۔ لیکن اس ملک میں اگر ہم کو دولت کا مزہ پڑ گیا۔ اور یہ مزہ ہم اسی وقت چھوڑیں گے جب ہماری لاشیں خاک پر بچھ جائیں۔ غرض سفارت بے حاصل گئی۔ اور دونوں طرف جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں نعمان نے مینہ اور میسور پر حذیفہ اور سید بن مقرن کو بھجوا کر تعاقب کو مقرر کیا۔ ساتھ پر مجاشع متعین ہوئے اور ہر مینہ پر زہوک اور میسور پر ہسن تھا۔ ہنسیوں نے میدان جنگ میں پہلے سے ہر طرف کو کھو بچھا دینے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو آگے بڑھنا مشکل ہوتا تھا۔ اور عجی جب چاہتے تھے شہر سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے۔ نعمان نے یہ حالت دیکھ کر افسوس کو جمع کیا۔ اور سب سے الگ الگ رائے لی۔ علی بن خالد الاسدی کی رائے کے موافق فوجیں آراستہ ہو کر شہر سے چھ سات میل کے فاصلہ پر ٹھہریں اور تعاقب کو تھوڑی سی فوج دے کر بھیجا کہ شہر حملہ آور ہوں۔ عجی بڑے جوش سے مقابلہ کو نکلے اور اس بندوبست کے لئے کہ کوئی شخص پیچھے نہ ہٹے پائے جس قدر بڑھتے آتے تھے گو کھو بچھاتے آتے تھے تعاقب نے لڑائی چھیڑ کر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ عجی برابر بڑھتے چلے آئے یہاں تک کہ گو کھو کی سرحد سے نکل آئے نعمان نے اوپر فوجیں جمار کئی تھیں۔ موقع کا انتظار کر رہی تھیں۔ جو غنی عجی زور پر آئے انہوں نے حملہ کرنا چاہا۔ لیکن نعمان نے روکا عجی جو برابر تیرہ سارے تھے اس سے سینکڑوں مسلمان کام آئے۔ لیکن افسر کی یہ اطاعت تھی کہ زخم

کھاتے تھے اور ہاتھ روکے کھڑے تھے۔ مغیو بار بار کہتے تھے کہ فوج بیکار ہوتی جاتی ہے۔ اور موقع ہاتھ سے نکلا جاتا ہے۔ لیکن نعمان اس خیال سے دوپہر کے ڈھلنے کا انتظار کر رہے تھے کہ رسول اللہ جب دشمن پر حملہ کرتے تھے تو اسی وقت کرتے تھے۔ غرض دوپہر ڈھلی تو نعمان نے دستور کے موافق تین نعرے مارے پہلے نعرے پر فوج سازو سامان سے درست ہو گئی۔ دوسرے پر لوگوں نے تلواریں قول لیں۔ تیسرے پر دو فسطحہ حملہ کیا۔ اور اس بے جگری سے ٹوٹ کر گرے کہ کشتیوں کے پٹنے لگ گئے میدان میں اس قدر خون بہا کہ گھوڑوں کے پاؤں پھسل جاتے تھے۔ چنانچہ نعمان کا گھوڑا پھسل کر گر اساتھ ہی خود بھی گرے اور زخموں سے چور ہو گئے۔ ان کا امتیازی لباس جس سے وہ معرکے میں پہچانے جاتے تھے۔ نکلا اور سفید قبائلی۔ جو غنی وہ گھوڑے سے گرے فہیم بن مقرن کے بھائی نے علم کو جھپٹ کر قمام لیا اور ان کی نکلا اور قبائلی کر ان کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ اس تدبیر سے نعمان کے مرنے کا حال کسی کو معلوم نہ ہوا۔ اور لڑائی بدستور قائم رہی۔ اس مبارک زمانے میں مسلمانوں کو خدا نے ضبط و استقلال دیا تھا اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ نعمان جس وقت زخمی ہو کر گرے تھے اعلان کر دیا تھا کہ میں عربی جاؤں تو کوئی شخص لڑائی چھوڑ کر میری طرف متوجہ نہ ہو۔ اتفاق سے ایک سپاہی ان کے پاس سے نکلا دیکھا تو کچھ سانس باتی ہے۔ اور دم توڑ رہے ہیں گھوڑے سے اتر کر ان کے پاس بیٹھنا چاہا ان کا حکم یاد آگیا۔ اسی طرح چھوڑ کر چلا گیا۔ فتح کے بعد ایک شخص سہارے گیا۔ انہوں نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا کہ کیا انجام ہوا؟ اس نے کہا "مسلمانوں کو فتح ہوئی" خدا کا شکر ادا کر کے کہا "خود عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دو۔" رات ہوتے ہنسیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ہر ان تک تعاقب کیا۔ حذیفہ بن الیمان نے جو نعمان کے بعد سر لشکر مقرر ہوئے نہاوند پہنچ کر مقام کیا۔ یہاں ایک مشہور آتش کدہ تھا۔ اس کا موبد حذیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ مجھ کو امن دیا جائے تو میں ایک متاع بے ہما کا پتہ دوں۔ چنانچہ کسری پرویز کے نہایت بیش بہا جو ہرات لاکر پیش کئے جس کو کسری نے مشکل وقتوں کے لئے محفوظ رکھا تھا۔ حذیفہ نے مال غنیمت کو تقسیم کیا اور پانچواں حصہ مع جوہرات کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہفتوں سے لڑائی کی خبر نہیں پہنچی تھی۔ قاصد نے مرثدہ فتح سنایا تو بے انتہا خوش ہوئے۔ لیکن جب نعمان کا شہید ہونا سنا تو بے اختیار رو پڑے اور دیر تک سر پر ہاتھ رکھ کر روتے رہے۔ قاصد نے اور شہداء کے نام گناے اور کہا کہ بہت سے اور لوگ بھی شہید ہوئے جن کو میں نہیں جانتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر روئے اور فرمایا کہ

”عمر نہ جانے تو نہ جانے خدا ان کو جانتا ہے جو اہرات کو دیکھ کر غصہ سے کہا کہ ”غور واپس لے جاؤ۔ اور حذیفہ سے کہو کہ بچ کر فوج کو تقسیم کر دیں۔“ چنانچہ یہ جو اہرات چار کروڑ ورم کے فروخت ہوئے۔

اس لڑائی میں تقریباً تیس ہزار عجمی لڑکر مارے گئے۔ اس معرکہ کے بعد عجم نے بھی کبھی زور نہیں پکڑا۔ چنانچہ عرب نے اس فتح کا نام فتح الفتوح رکھا۔ فیروز جس کے ہاتھ پر حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت لکھی تھی۔ اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔

ایران پر عام لشکر کشی ۱۱ ہجری (۶۳۲ء)

اس وقت تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایران کی عام تسخیر کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ اب تک جو لڑائیاں ہوئیں وہ صرف اپنے ملک کی حفاظت کے لئے تھیں۔ عراق کا البتہ ممالک محروسہ میں اضافہ کر لیا گیا تھا۔ لیکن وہ درحقیقت عرب کا ایک حصہ تھا۔ کیونکہ اسلام سے پہلے اس کے ہر حصہ میں عرب آباد تھے۔ عراق سے آگے بڑھ کر جو لڑائیاں ہوئیں وہ عراق کے سلسلہ میں خود بخود پیدا ہوتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود فرمایا کرتے تھے کہ ”کاش ہمارے اور فارس کے بیچ میں آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے نہ ہم ان پر چڑھ کر جا سکتے۔“ لیکن ایرانیوں کو کسی طرح چین نہیں آتا تھا۔ وہ ہمیشہ نئی فوجیں تیار کر کے مقابلے پر آتے تھے اور جو ممالک مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے وہاں غدر کروا دیا کرتے تھے۔ نمائندہ کے معرکہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر خیال ہوا۔ اور اکابر صحابہ کو بلا کر پوچھا کہ ممالک مفتوحہ میں بار بار بغاوت کیوں ہو جاتی ہے۔ لوگوں نے کہا جب تک یزید گرد ایران کی حدود سے نکل نہ جائے۔ یہ فتنہ فرو نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب تک ایرانیوں کو یہ خیال رہے گا کہ تخت کیان کا وارث موجود ہے۔ اس وقت تک ان کی امیدیں منقطع نہیں ہو سکتیں۔“

اس بناء پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کئے اور جدا جدا ممالک کے نام سے نامزد کر کے مشہور افسروں کے پاس بھیجے۔ چنانچہ خراسان کا علم اسف بن قیس کو، ساہو واد و شیر کا جاشع بن مسعود کو، اسطر کا عثمان بن العاص الثقفی کو، انساہ کا ساریہ بن ریم الکنافی کو، کرمان کا سہیل بن عدی کو، سیستان کا عاصم بن عمرو کو، کرمان کا حکم بن عمیر النضلی کو، آذربائیجان کا عقبہ کو عنایت کیا۔ ۱۱ ہجری میں یہ

افسر اپنے اپنے متعینہ ممالک کے طرف روانہ ہوئے۔ چنانچہ ہم ان کی الگ الگ ترتیب کے ساتھ لکھتے ہیں۔

فتوحات کے اس سلسلے میں سب سے پہلے اصفہان کا نمبر ہے۔ ۱۱ ہجری میں عبداللہ بن عبداللہ نے اس صوبہ پر چڑھائی کی۔ یہاں کے رئیس نے جس کا نام استدار تھا۔ اصفہان کے نواح میں بڑی جمعیت فراہم کی تھی جس کے ہر اہل پر شہر ہز جاوید ایک پرانہ تجربہ کار افسر تھا۔ دونوں فوجیں مقابل ہوئیں تو جاوید نے میدان میں آکر پکارا کہ جس کا دعویٰ ہو، تمام میرے مقابلہ کو آئے۔ عبداللہ خود مقابلے کو آئے۔ جاوید مارا گیا اور ساتھ ہی لڑائی کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ استدار نے معمولی شرائط پر صلح کر لی۔ عبداللہ نے آگے بڑھ کر بے یعنی خاص اصفہان کا محاصرو کیا۔ فاذوسفان یہاں کے رئیس نے پیغام بھیجا کہ دو سوہلوں کی جانیں کیوں ضائع ہوں، ہم تم لڑ کر خود فیصلہ کر لیں، دونوں حریف میدان آئے۔ فاذوسفان نے تمکار کا وار کیا۔ عبداللہ نے اس پاموئی سے اس کے حملہ کا مقابلہ کیا کہ فاذوسفان کے منہ سے بے اختیار آفرس نکلی۔ اور کہا کہ میں تم سے نہیں لڑتا چاہتا۔ بلکہ شہر اس شرط پر حوالہ کرتا ہوں کہ باشندوں میں سے جو چاہے جزیہ دے کر شہر میں رہے اور جو چاہے نکل جائے عبداللہ نے یہ شرط منظور کر لی۔ اور معلومہ صلح لکھ دیا۔

اسی بناء میں خبر لگی کہ ہمدان میں غدر ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فہم بن مقبل کو ادھر روانہ کیا۔ انہوں نے بارہ ہزار کی جمعیت سے ہمدان پہنچ کر محاصرو کے سامان کئے۔ لیکن جب محاصرو میں دیر لگی تو اضلاع میں ہر طرف فوجیں پھیلا دیں۔ یہاں تک کہ ہمدان چھوڑ کر باقی تمام مقامات فتح ہو گئے۔ یہ حالت دیکھ کر محصوروں نے بھی ہمت ہار دی اور صلح کر لی۔ ہمدان فتح ہو گیا۔ لیکن ولیم نے رے اور تورستان وغیرہ سے نامہ و پیام کر کے ایک بڑی فوج فراہم کی۔ ایک طرف سے فرخان کا باپ زینبیدی جو رے کا رئیس تھا۔ انہیں کیشلے کر کیا۔ دوسری طرف سے اسفندیار رستم کا بھائی پانچل۔ وادی رود میں یہ فوجیں مقابل ہوئیں۔ اور اس زور کارن پر کہ لوگوں کو نمائندہ کا معرکہ یاد آگیا۔ آخر ولیم نے شکست کھائی۔ عموہو واقعہ جیسے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس شکست کی خبر لے کر گئے تھے۔ اس فتح کا پیغام لے کر گئے تھے تاکہ اس دن کی تلاقی ہو جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولیم کی تیاریاں سن کر ندامت رود میں تھے۔ اور امداد کا سامان کر رہے تھے کہ دفعتاً عموہ پچھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیال ہوا کہ شگون اچھا نہیں، بے ساختہ زبان سے انا اللہ لکھا۔ عموہ نے کہا کہ آپ گھبرا نہیں۔ خدا نے مسلمانوں کو فتح دی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فہم کو نامہ لکھا کہ ہمدان پر کسی کو اپنا قائم مقام کر کے روانہ ہوں۔ رے کا حاکم اس وقت سیاوش تھا جو بہرام چوہیں کا پوتا تھا۔ اس نے دنیاوند طبرستان، قوس، جرجان کے رئیسوں سے مدد طلب کی اور ہر جگہ سے امدادی فوجیں آئیں۔ لیکن زمیندی جس کو سیاوش سے کچھ ملال تھا۔ فہم بن مقنن سے آگیا۔ اس کی سازش سے شہر پر حملہ ہوا اور حملہ کے ساتھ دفعتاً شہر فتح ہو گیا۔ فہم نے زمیندی کو رے کی ریاست دی اور پرانے شہر کو ہمواد کر کے حکم دیا کہ نئے سرے سے آباد کیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم کے مطابق فہم نے خود رے میں قیام کیا۔ اور اپنے بھائی سید کو قوس پر بھیجا جو بغیر کسی جنگ کے فتح ہو گیا۔ اس فتح کے ساتھ عراق غم پر پورا پورا قبضہ ہو گیا۔

۱۔ آذربائیجان ۲۲ ہجری (۶۴۳ء)

جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آذربائیجان کا علم قتب بن فرقد اور بکیر کو بھیجا تھا اور ان کے بڑھنے کی سختیں بھی متعین کر دی تھیں، بکیر جب میدان میں پہنچے تو اسفندیار کا سامنا ہوا، اسفندیار نے شکست کھائی اور زندہ گرفتار ہو گیا۔ دوسری طرف اسفندیار کا بھائی بہرام قتب کا سردار ہوا وہ بھی شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اسفندیار نے بھائی کی شکست کی خبر سنی تو بکیر سے کہا کہ اب لڑائی کی آگ بجھ گئی اور میں جزیہ پر تم سے صلح کر لیتا ہوں۔ چونکہ آذربائیجان انہی دونوں بھائیوں کے قبضے میں تھا۔ قتب نے اسفندیار کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ آذربائیجان کا رئیس رہ کر جزیہ ادا کرتا رہے۔ مؤرخ بلاذری کا بیان ہے کہ آذربائیجان کا علم حذیفہ بن یحییٰ کو ملا تھا وہ شاموند سے چل کر اردنیل پہنچے جو آذربائیجان کا پایہ تخت تھا۔ یہاں کے رئیس نے ماجروان، میمند، سراہ، سبز، میانج وغیرہ سے ایک انہوے کثیر جمع کر کے مقابلہ کیا۔ اور شکست کھائی پھر آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہو گئی۔ حذیفہ نے اس کے بعد موکان و جیلان پر حملہ کیا۔ اور فتح کے پھر رے اڑائے۔

اسی اثناء میں وہ بار خلافت سے حذیفہ کی معزولی کا فرمان پہنچا اور قتب بن فرقد ان کی جگہ مقرر ہوئے۔ قتب کے پہنچنے پہنچنے آذربائیجان کے تمام اطراف میں بغاوت پھیل چکی تھی

۱۔ قتب دیکھتے سے آذربائیجان کا یہ اس طرح لگے گا کہ شہر تبریز کو اس کا صدر مقام سمجھنا چاہئے (سابقہ میں شہر مراند دارالصدر تھا) یہود اور اردنیل اسی صوبہ میں آباد ہیں آذربائیجان کی وجہ تسمیہ میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ سید آذر کہہ لے ایک آتشکدہ بنایا تھا جس کا نام آذر تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ قتب پہلوی میں تار کے معنی آتش کے ہیں۔ اور پہلوی کے معنی ہیں کاغذ۔ یعنی کاغذ اور آتش پر تار۔ اس صوبہ میں آتش کی کدوں کی کثرت تھی۔ اس کی وجہ سے یہی نام ہو گیا جس کو عربوں نے اپنی زبان میں آذربائیجان کر لیا۔

چنانچہ قتب نے دوبارہ ان مقامات کو فتح کیا۔

۲۔ طبرستان ۲۲ ہجری (۶۴۳ء)

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ فہم نے جب رے فتح کر لیا تو ان کے بھائی سید قوس پر بڑے اور یہ وسیع صوبہ بغیر جنگ و جدل کے قبضہ میں آگیا۔ یہاں سے جرجان جو طبرستان کا مشہور ضلع ہے نہایت قریب ہے۔ سید نے وہاں کے رئیس روزبان سے نامہ پیام کیا۔ اس نے جزیہ پر صلح کر لی۔ اور معاہدہ صلح میں تصریح لکھ دیا کہ مسلمان جرجان اور ہستان وغیرہ کے امن کے ذمہ دار ہیں۔ اور ملک والوں میں جو لوگ بیوفی حملوں کے روکنے میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے وہ جزیہ سے بری ہیں۔ جرجان کی خبر سن کر طبرستان کے رئیس نے بھی جو سپہدار کھلاتا تھا اس شرط پر صلح کر لی کہ پانچ لاکھ درہم سالانہ دیا کرے گا اور مسلمانوں کو ان پر یا ان کو مسلمانوں پر کچھ حق نہ ہو گا۔

۳۔ آرمینیا

بکیر جو آذربائیجان کی صوبہ پر مامور ہوئے تھے۔ آذربائیجان فتح کر کے باب کے متصل پہنچ گئے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک نئی فوج تیار کر کے ان کی مدد کو بھیجی، باب کا رئیس جس کا نام شہرہ از تھا جو سی تھا۔ اور سلطنت ایران کا ماتحت تھا۔ مسلمانوں کی آمد سن کر خود حاضر ہوا۔ اور کہا مجھ کو آرمینیا کے کینوں سے کچھ ہمدودی نہیں ہے، میرا ایران کی نسل سے ہوں۔ اور جب خود ایران فتح ہو چکا تو میں بھی تمہارا مطیع ہوں، لیکن میری درخواست ہے کہ مجھ سے جزیہ نہ لیا جائے جب ضرورت پیش آئے تو فوجی امدادی جائے۔ چونکہ جزیہ درحقیقت صرف محافظت کا معاوضہ ہے اس لیے یہ شرط منظور کر لی گئی اس سے فارغ ہو کر فوجیں آگے بڑھیں۔ عبدالرحمن بن ریحہ بطحہ کی طرف جو مملکت خرز کا پایہ تخت تھا، روانہ ہوئے۔ شہرہ از ساتھ تھا۔ اس نے تعجب سے کہا کہ کیا ارادہ ہے؟ ہم لوگ اپنے عہد میں اسی کو نصیبت سمجھتے تھے کہ وہ لوگ ہم پر چڑھ کر نہ آئیں۔ عبدالرحمن نے کہا کہ ”لیکن میں جب تک اس کے قتل میں طبرستان فتوحات مکمل میں لے گا۔ اس لئے کہ خلافت فاروقی میں جزیہ رے کر ہمواد کیا تھا۔ اس کی حدود اربعہ ہیں۔ مشرق میں فرامان و جرجان، مغرب میں آذربائیجان، شمال میں جرجان اور جنوب میں طابیل بسلام اور اس کے مشہور شہر ہیں۔“

۲۔ صوبہ آرمینیا کو بلاد ارمن بھی کہتے ہو ایشائے کوچک کا ایک حصہ ہے۔ شمال میں خراسان، جنوب میں کوسہ اور صحرایہ حصہ دور تک چلا گیا ہے۔ مشرق میں گرجستان اور مغرب میں بلاد روم واقعہ ہیں۔ چونکہ یہ صوبہ خلافت عثمانی میں داخل فتح ہوا تھا۔ اس لئے نقشہ ہمدان فاروقی، نقشہ سے جدا ہے۔

کے جگر میں نہ گھس جاؤں باز نہیں آسکتا۔ چنانچہ بیضا فتح کیا تھا کہ خلافت فاروقی کا زمانہ تمام ہو گیا۔ اور کبیر نے قان کو جہان سے اردن کی سرحد شروع ہوتی ہے فتح کر کے اسلام کی سلطنت میں ملا لیا، حبیب بن مسلمہ اور حذیفہ نے تفلس اور جبال امان کا رخ کیا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہاں اسلام کا پھر اڑاڑا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ ختم ہو گیا۔ یہ تمام سمات حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں انجام کو پہنچیں۔

فارس ۳۳ ہجری (۶۴۴ء)

فارس پر اگرچہ اول اول علم ہجری میں حملہ ہوا۔ لیکن چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت سے نہ تھا اور نہ اس وقت چنداں کامیابی ہوئی۔ ہم نے اس زمانے کے واقعات کے ساتھ اس کو لکھنا مناسب نہ سمجھا عراق اور اہواز جو عرب کے ہمسایہ تھے فتح ہو چکے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے اور فارس کے بیچ میں آتشیں پہاڑ حائل ہوتا تو اچھا تھا۔ لیکن فارس سے ایک اتفاقی طور پر جنگ چھڑ گئی علاء بن الحضری علم ہجری میں بحرین کے عامل مقرر ہوئے وہ بڑی ہمت اور حوصلہ کے آدمی تھے۔ اور چونکہ مدینہ و قاص سے بعض اسباب کی وجہ سے رقابت تھی۔ ہرمیدان میں ان سے بڑھ کر قدم مارنا چاہتے تھے سعد نے جب قادیسیہ کی لڑائی جیتی تو علاء کو سخت رشک ہوا یہاں تک کہ دوبار خلافت سے اجازت تک نہ لی۔ اور فوجیں تیار کر کے دیوا کی راہ فارس پر چڑھائی کر دی۔ فلید بن منذر سر لشکر تھے اور جامد بن المصلیٰ اور سوار بن ہمام کے ماتحت الگ الگ فوجیں تھیں۔ اسلحہ پہنچ کر جہاز نے لشکر کیا۔ اور فوجیں کنارے پر اتریں یہاں کا حاکم ایک یہودی تھا وہ ایک انیہ کثیر لے کر پہنچا اور دیوا اتر کر اس پار صفیں قائم کیں کہ مسلمان جہاز تک پہنچنے نہ پائیں۔ اگرچہ مسلمانوں کی جمیعت نہایت کم تھی۔ اور جہاز بھی گویا دشمن کے قبضے میں آگئے تھے۔ لیکن سپہ سالار فوج کی ثابت قدمی میں فرق نہ آیا۔ بڑے جوش کے ساتھ مقابلہ کو بڑھے اور فوج کو لٹکارا کہ مسلمانوں نے دل نہ ہوتا۔ دشمن نے ہمارے جہازوں کو چھیننا چاہا ہے۔ لیکن خدا نے چاہا تو جہاز کے ساتھ دشمن کا ملک بھی ہمارا ہے۔

خلید اور جامد بڑی جانبازی سے رجز پڑھ پڑھ کر لڑے اور ہزاروں کو قتل کیا۔ خلید کا رجز یہ تھا۔

۱۔ حال کے نظریہ میں عراق کی حدود گھاٹا فارس کی حدود بھلائی گئی ہیں۔ مگر ہم نے جس وقت کا نقشہ دیا ہے اس وقت فارس کے حدود یہ تھے۔ شمال میں اصفہان جنوب میں خرق فارس مشرق میں کربلا اور مغرب میں عراق عرب اس کا سب سے بڑا اور مشہور شہر ہزار ہے۔

یال عبد القیس للنزاع
قد حبل الامداد بالجرع
وکلهم لی من المصاع
بحسن ضرب القوم بالقطاع

غرض سخت معرکہ ہوا۔ اگرچہ فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ لیکن چونکہ فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا آگے نہ بڑھ سکے پیچھے ہٹنا چاہا۔ مگر تقسیم نے جہاز غرق کر دیئے تھے مجبور ہو کر خشکی کی راہ بصو کا رخ کیا۔ بد قسمتی سے اوہر بھی راہیں بند تھیں۔ ایرانیوں نے پہلے سے ہر طرف ناکہ روک رکھے تھے اور جا بجا فوجیں متعین کر دی تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فارس کے حملہ کا حال معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے علاء کو نہایت شدید کاٹا۔ لکھا۔ ساتھ ہی عقبہ بن غزو ان کو لکھا کہ مسلمانوں کے بچانے کے لئے فوراً لشکر تیار ہو اور فارس پر جائے چنانچہ بارہ ہزار فوج جس کے سپہ سالار ابو ہریرہ تھے تیار ہو کر فارس پر بڑھی اور مسلمان جہاں رکے پڑے تھے وہاں پہنچ کر ڈیرے ڈالے۔ اوہر جو سیوں نے ہر طرف قیہ دوڑا دیئے تھے۔ اور ایک انیہ کثیر جس کا سر لشکر شرک تھا اکٹھا کر لیا تھا۔ دونوں حریف دل توڑ کر لڑے۔ بالآخر ابو ہریرہ نے فتح حاصل کی۔ لیکن چونکہ آگے بڑھنے کا حکم نہ تھا۔ بصو واپس چلے آئے۔ واقعہ نہایت بڑے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر طرف فوجیں روانہ کیں تو فارس پر بھی چڑھائی کی۔ اور جدا جدا فوجیں متعین کیں۔ پارسیوں نے توج کو صدر مقام قرار دے کر یہاں بڑا سامان کیا تھا۔ لیکن جب اسلامی فوجیں مختلف مقامات پر پھیل گئیں تو ان کو بھی منتشر ہونا پڑا اور یہ ان کی شکست کا دیباچہ تھا۔ چنانچہ ساہورہ اور شیر فوج اسلحہ سب باری باری فتح ہو گئے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اخیر خلافت یعنی ۳۳ ہجری میں جب عثمان بن ابی العاص بحرین کے عامل مقرر ہوئے تو شرک نے جو فارس کا مرزبان تھا بغاوت کی اور تمام مفتوحہ مقامات ہاتھ سے نکل گئے عثمان نے اپنے بھائی حکم کو ایک جمیعت کثیر کے ساتھ ہم پر مامور کیا۔ حکم جزیرہ البکاوان فتح کر کے توج پر بڑھے اور اس کو فتح کر کے وہیں چھائی ڈال دی۔ مسجدیں تعمیر کیں۔ اور عرب کے سمت سے قبائل آہا۔ کئے یہاں سے کبھی کبھی اٹھ کر سرحدی شہروں پر حملہ کرتے اور پھر واپس آجاتے اس طرح اور شیر ساہورہ اسلحہ ارجان کے سمت سے بھی دیا لئے۔ شرک یہ دیکھ کر نہایت طیش میں آیا۔ اور ایک فوج عظیم جمع کر کے توج پر بڑھا اور شیر پہنچا تھا کہ اوہر سے حکم خود آگے بڑھ کر مقابل ہوئے شرک نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی ایک دستہ سے پیچھے رکھا کہ کوئی سپاہی

چھپے پاؤں ہٹائے تو وہیں قتل کر دیا جائے۔ غرض جنگ شروع ہوئی اور دیر تک معرکہ رہا۔ پارسیوں کو شکست ہوئی اور شہرک جان سے مارا گیا۔ اس کے بعد عثمان نے ہر طرف فوجیں بھیج دیں۔ اس معرکہ سے تمام فارس میں دھماک پڑ گئی۔ عثمان نے جس طرف رخ کیا ملک تک فتح ہوئے چلے گئے۔ چنانچہ گازیوں ٹوبہ جان اور جان شیراز ساہو جو فارس کے صدر مقامات ہیں۔ خود عثمان کے ہاتھ سے فتح ہوئے۔ فساد دار الجہو فیہ پور فوجیں لگئیں اور کامیاب آئیں۔

۱۵۔ مکران ۳۳ ہجری (۶۳۴ء)

مکران کی فتح پر سہیل بن عدی مامور ہوئے تھے۔ چنانچہ ۳۳ ہجری میں ایک فوج لے کر جس کا ہر اول شیر بن عمر الجعفی کی افسری میں تھا۔ مکران پر حملہ آور ہوئے یہاں کے مرزبان نے نفس و فیو سے مدد طلب کر کے مقابلہ کیا۔ لیکن وہ خود میدان جنگ میں نسیو کے ہاتھ سے مارا گیا، چونکہ آگے کچھ روک ٹوک نہ تھی۔ جیرفت اور سیرجان تک فوجیں بڑھتی چلی گئیں۔ اور بے شمار اونٹ اور بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ جیرفت مکران کا تجارت گاہ اور سیرجان مکران کا سب سے بڑا شہر تھا۔

۱۶۔ سیستان ۳۳ ہجری (۶۳۴ء)

یہ ملک عاصم بن عمر کے ہاتھ سے فتح ہوا۔ ہاشم نے سرحد پر رائے نام لڑ کر بھاگ نکلے۔ عاصم براہر پڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ زرخ کا جو سیستان کا دو سرانام ہے۔ محاصو کیا محصوروں نے چند روز کے بعد اس شہر پر صلح کی درخواست کی کہ ان تمام اراضی حلی سمجھی جائے۔ مسلمانوں نے یہ شرط منظور کر لی۔ اور اس طرح وفا کی کہ جب مزدوریات کی طرف نکلتے تھے تو جلدی سے گزر جاتے تھے کہ زراعت چھو تک نہ جائے۔ اس ملک کے قبضے میں آنے سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سندھ سے لے کر نہر تک جس قدر ممالک تھے ان کی فتح کی نگید ہاتھ میں آئی۔ چنانچہ وقتاً فوقتاً ان ملکوں پر حملے ہوتے رہے۔

۱۔ اس کا قدیم نام کمانہ ہے۔ حدود اربعہ پر ہیں۔ شمال میں کوہستان جنوب میں خرقان شرق میں سیستان مغرب میں فارس سے زمانہ سابق میں اس کا دارالصدر کواسیہ (جویرا) تھا جس کی جگہ اب جیرفت آباد ہے۔
۲۔ سیستان کو عرب ہجستان کہتے ہیں۔ حدود اربعہ پر ہیں۔ شمال میں ہرات جنوب میں مکران شرق میں سندھ اور مغرب میں کوہستان یہاں کا مشہور قہر زرخ ہے۔ یہاں سے افراط سے پیدا ہوتا ہے۔ رقبہ ۲۵۰۰۰ میل مربع ہے۔

۱۷۔ مکران ۳۳ ہجری (۶۳۴ء)

مکران پر حکم بن عمرو التغلیبی مامور ہوئے تھے۔ چنانچہ ۳۳ ہجری میں روانہ ہو کر شہر مکران کے اس طرف فوجیں اتاریں مکران کا بادشاہ جس کا نام راسل تھا خود پارا تر کر آیا اور صف آرائی کی ایک بڑی جنگ کے بعد راسل نے شکست کھائی اور مکران پر قبضہ ہو گیا۔ حکم نے نامہ فتح کے ساتھ چند ہاتھی بھی جو لوٹ میں آئے تھے، دوبار خلافت میں بھیجے۔ صحار عبدی جو نامہ فتح لے کر گئے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے مکران کا حال پوچھا انہوں نے کہا اوض سهلها جبل ماء هاوشل ونمرها وقل وعدوها بطل وخیرها قليل وشرها طویل والكثير بها قليل۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا واقعات کے بیان کرنے میں قافیہ بندی کا کیا کام ہے انہوں نے کہا کہ میں واقعی حالات بیان کرتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ بھیجا کہ فوجیں جہاں تک پہنچ چکی ہیں وہیں رک جائیں۔ چنانچہ فتوحات فاروقی کی اخیر حد یہی مکران ہے لیکن یہ طبری کا بیان ہے۔ مؤرخ بلاذری کی روایت ہے کہ دہیل کے نشیبی حصہ اور تھانہ تک فوجیں آئیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں اسلام کا قدم سندھ و ہندوستان میں بھی آچکا تھا۔

۱۸۔ خراسان کی فتح اور یزدگرد کی ہزیمت

۳۳ ہجری (۶۳۴ء)

اور ہم لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن جن افسروں کو ملک کبریٰ کے علم بھیجے تھے ان میں اخنفت بن قیس بھی تھے۔ اور ان کو خراسان کا علم عنایت ہوا تھا۔ اخنفت نے ۳۳ ہجری میں خراسان کا رخ کیا۔ یمن ہو کر ہرات پہنچے اور اس کو فتح کر کے موشا جہان پر بڑھے۔ یزدگرد شاہشاہ فارس یہیں مقیم تھا۔ ان کی آمد سن کر مورود چلا گیا۔ اور آج کل مکران کا نصف حصہ بلوچستان کہلاتا ہے اگرچہ مورخ بلاذری فتوحات فاروقی کی کہ سندھ کے شہر دہیل تک لگتا ہے۔ مگر طبری نے مکران ہی کو اخیر حد قرار دیا ہے اس لئے ہم نے بھی فتوحات فاروقی کی وہیں تک حد قرار دی ہے۔

۱۔ علامہ بلاذری کے نزدیک تمام ماوراء النہر فرغانہ، خوارزم، طارستان اور سیستان کا رقبہ خراسان میں داخل تھا مگر اصل یہ ہے کہ اس کے حدود ہر زمانے میں مختلف رہے ہیں اس کے مشہور شہر نہشاہر، موہرات، طوس، نسا اور ابی دورہ وغیرہ تھے۔ جن میں سے پچھلے اب بالکل ویران ہیں۔

خاقان چین اور دیگر سلاطین کو استدعا کے نامے لکھے۔ انھن نے موشا جہان پر حارث بن النعمان باہلی کو چھوڑا اور خود موہو کی طرف بڑھے۔ یوگرہ دہاں سے بھی بھاگ۔ اور سید صالح پہنچا۔ اس اثناء میں کوفہ سے امدادی فوجیں آئیں جس سے مین و میسرو فیو کے افسر ملتر بن النضر، ربیع بن عامر، عیسیٰ، عبد اللہ بن ابی عقیل، الشقی ابن ام غزالہ امدادی تھے۔ انھن نے تازہ دم فوج لے کر پہلے حملہ کیا۔ یوگرہ نے شکست کھائی اور دریا اتر کر خاقان کی حکومت میں چلا گیا۔ انھن نے میدان خالی پا کر ہر طرف فوجیں بھیج دیں اور نیشاپور، بخارا، تاشکند تک فتح کر لیا۔ موہو کو تخت گاہ قرار دے کر مقام کیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نائبہ لکھا کہ خراسان اسلام کے قبضہ میں آگیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوحات کی وسعت کو چندال پسند نہیں کرتے تھے۔ قلعہ پڑھ کر فرمایا کہ ہمارے اور خراسان کے بیچ میں آگ کا دریا حائل ہو تا تو خوب ہوتا۔ انھن کے موافقہ حصول کی اگرچہ تعریف کی اور فرمایا کہ انھن شرقیوں کا سر تاج ہے۔ تاہم جواب میں جو نائبہ اس میں لکھا کہ جہاں تک پہنچ چکے ہو وہاں سے آگے نہ بڑھنا۔ اور یوگرہ خاقان کے پاس گیا اس نے بڑی عزت و توقیر کی۔ اور ایک فوج کثیر ہمراہ لے کر یوگرہ کے ساتھ خراسان کو روانہ ہوا۔ انھن جو میں ہزار فوج کے ساتھ پہلے میں مقیم تھے۔ خاقان کی آمد سن کر موہو کو روانہ ہوا۔ اور وہاں پہنچ کر مقام کیا۔ خاقان پہلے ہوتا ہوا موہو پہنچا۔ یوگرہ سے الگ ہو کر موشا جہان کی طرف بڑھا۔ انھن نے کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ نہرا اتر کر ایک میدان میں جس کی پشت پر پہاڑ تھا۔ صف آرائی کی۔ دونوں فوجیں مدت تک آمنے سامنے ٹھہریں۔ بجائے پڑی رہیں۔ عجمی صبح اور شام سازد سلمان سے آراستہ ہو کر میدان جنگ میں جاتے تھے۔ اور چونکہ اوہر سے کچھ جواب نہیں دیا جاتا تھا۔ بغیر لڑے واپس آجاتے تھے۔ ترکوں کا عام دستور ہے کہ پہلے تین بہادر جنگ میں باری باری ٹیل ڈمبارہ کے ساتھ جاتے ہیں پھر سارا لشکر جنبش میں آتا ہے۔ ایک دن انھن خود میدان میں گئے اوہر سے معمول کے موافق ایک ٹیل و علم کے ساتھ نکلا۔ انھن نے حملہ کیا۔ اور دیر تک دوپہل رہی آخر انھن نے جوش میں آکر کہا۔

ان علی کل ذنوب حقا ان یغضب الصلۃ او ینلقا

قائد کے موافق دو اور بہادر ترکی میدان میں آئے اور انھن کے ہاتھ سے مارے گئے۔ خاقان جب خود میدان میں آیا تو اپنے بہادری کی لاشیں میدان میں پڑی دیکھیں۔ چونکہ شکیں برا تھا۔ نہایت تپک و تاب کھایا اور فوج سے کہا کہ ہم بے قاعدہ پر لیا جھگڑا کیوں مول لیں۔

چنانچہ اسی وقت کوچ کا حکم دے دیا۔

یوگرہ موشا جہان کا محاصرہ کئے پڑا تھا کہ یہ خبر پہنچی فتح سے ناامید ہو کر خزانہ اور ہواہر خانہ ساتھ لیا اور ترکستان کا قصد کیا۔ درباریوں نے یہ دیکھ کر کہ ملک کی دولت ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ روکا اور جب اس نے نہ مانا تو برسر مقابلہ آکر تمام مال اور اسباب ایک ایک کر کے چھین لیا۔ یوگرہ بے سروسامان خاقان کے پاس پہنچا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اخیر خلافت تک فرغانہ میں ہو خاقان کا دار السلطنت تھا۔ مقیم رہا۔ انھن نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتح نائبہ لکھا۔ قاصد مدینہ پہنچا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام آدمیوں کو جمع کر کے مشورہ فتح سنایا۔ اور ایک پراثر تقریر کی۔ آخر میں فرمایا کہ آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہو گئی۔ اور اب وہ اسلام کو کسی طرح ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن اگر تم بھی راست کرداری پر ثابت قدم نہ رہے تو خدا تم سے بھی حکومت چھین کر دوسروں کے ہاتھ میں دے دے گا۔

مصر کی فتح ۶۴۰ ہجری (۶۴۱ء)

مصر کی فتح اگرچہ فاروقی کارناموں میں داخل ہے۔ لیکن اس کے بانی مہمانی عمرو بن العاص تھے وہ اسلام سے پہلے تجارت کا پیشہ کرتے تھے اور مصر ان کی تجارت کا بڑا گاہ تھا اس زمانے میں مصر کی نسبت کو اس قسم کا خیال بھی ان کے دل میں نہ گزرا ہو گا۔ لیکن اس کی زرخیزی اور شادابی کی تصویر ہمیشہ ان کی نظریں پھرتی رہتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام کا جو آخر سفر کیا اس میں یہ ان سے ملے اور مصر کی نسبت گفتگو کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے احتیاط کے لحاظ سے انکار کیا۔ لیکن آخر ان کے اصرار پر راضی ہو گئے اور چار ہزار فوج ساتھ کر دی اس پر بھی ان کا دل مطمئن نہ تھا۔ عمرو سے کہا کہ خدا کا نام لے کر روانہ ہو۔ لیکن مصر پہنچنے سے پہلے اگر میرا خط پہنچ جائے تو اسے پھرتا۔ عیش پہنچے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط پہنچا۔ اگرچہ اس میں آگے بڑھنے سے روکا تھا۔ لیکن چونکہ شرط یہ حکم تھا۔ عمرو نے کہا کہ اب تو ہم مصر کی حد میں آچکے ہیں۔ مگر زنی و فیہا میں لکھا ہے کہ قاصد مقام رفح میں عمرو سے ملا۔ انہوں نے اس خیال سے آگے بڑھنے سے منع کیا ہو گا قاصد سے خط نہیں لیا اور کہا کہ جلدی کیا ہے غلطی پر پہنچ کر لے لوں گا۔ عیش کے قریب پہنچے تو طے لے کر کھولا اور پڑھا اور کہا کہ امیر المومنین نے لکھا ہے کہ ”مصر پہنچ چکے ہو تو رک جانا“۔ لیکن ہم تو مصر کے حد میں آچکے لیکن عمرو بن العاص کی نسبت ایسی جیل بازی کے اتمام کی ضرورت ہے۔ اورا تو بازاری و فیہا نے تصریح کی ہے کہ خط ان کو عیش ہی میں ملا لیکن رفح میں ملا ہو تب بھی حق نہیں کہ نہ رفح نہ مصر میں داخل ہے۔

غرض عیش سے چل کر فوٹا پہنچے یہ شہر بحروم کے کنارے پر واقع ہے۔ اور گواب ویران پڑا ہے لیکن اس زمانے میں آباد تھا۔ اور جالینوس کی زیارت گاہ ہونے کی وجہ سے ایک ممتاز شہر گنا جاتا تھا۔ یہاں سرکاری فوج رہتی تھی۔ اس نے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا۔ اور ایک مہینے تک مصر کے کارزار گرم رہا۔ بالاخر رومیوں نے شکست کھائی۔ عمرو فوٹا سے چل کر بلیس اور ام دین کو فتح کرتے ہوئے فسطاط پہنچے فسطاط اس زمانے میں کف دست میدان تھا۔ اور اس قطعہ زمین کا نام تھا ”جو دریائے نیل اور جبل معلّم کے بیچ میں واقع ہے۔ اور جہاں اس وقت زراعت کے کھیت یا چراگاہ کے تختے تھے لیکن چونکہ یہاں سرکاری قلعہ تھا۔ اور رومی سلطنت کے حکام جو مصر میں رہتے تھے یہیں رہا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ چونکہ دریائے نیل پر واقع تھا اور جہاز اور کشتیاں قلعہ کے دروازے پر آکر لگتی تھیں۔ ان دنوں سے سرکاری ضرورتوں کے لئے نہایت مناسب مقام تھا۔ عمرو نے اول اسی کو آکا اور محاصروں کی

تاریاں کیں۔ متوقّس جو مصر کا فرمانروا اور قیصر کا بیکار تھا عمرو بن العاص سے پہلے قلعہ میں پہنچا تھا۔ اور لڑائی کا بندوبست کر رہا تھا۔ قلعہ کی مضبوطی اور فوج کی قلت کو دیکھ کر عمرو نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا۔ اور اعانت طلب کی۔ انہوں نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے اور خط میں لکھا کہ ان افسروں میں ایک ایک ہزار ہزار سوار کے برابر ہے یہ افسر زبیر بن العوام، عبادہ بن الصامت، مقداد بن عمرو، سلمہ بن ملجم تھے۔ زبیر کا جو رتبہ تھا اس کے لحاظ سے عمرو نے ان کو افسر بنایا۔ اور محاصروں وغیرہ کے انتظامات ان کے ہاتھ میں دیئے۔ انہوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے چاروں طرف چکر لگایا۔ اور جہاں جہاں مناسب تھا۔ مناسب تعداد کے ساتھ سوار اور پیادے متعین کئے۔ اس کے ساتھ منجھتیوں سے پتھر برسائے شروع کئے اس پر پورے سات مہینے گزر گئے اور فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ زبیر نے ایک دن تنگ آکر کہا آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر نکلی تو اتر ہاتھ میں لی اور بیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے چند اور صحابہ نے ان کا ساتھ دیا۔ فصیل پر پہنچ کر سب نے ایک ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کئے ساتھ ہی تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی زمین دہل اٹھی۔ عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے بدحواس ہو کر بھاگے۔ زبیر نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور تمام فوج اندر گھس آئی۔ متوقّس نے یہ دیکھ کر صلح کی درخواست کی۔ اور اسی وقت سب کو ایمان دے دی گئی۔

ایک دن عیسائیوں نے عمرو بن العاص اور افسران فوج کی دھوم دھام سے دعوت کی۔ عمرو بن العاص نے قبول کر لی۔ اور سلیقہ شعار لوگوں کو ساتھ لے گئے۔

دوسرے دن عمرو نے ان لوگوں کی دعوت کی۔ رومی بڑے تنگ و احتشام سے آئے اور مٹلی کر سیوں پر بیٹھے کھانے میں خود مسلمان بھی شریک تھے اور جیسا کہ عمرو نے پہلے سے حکم دیا تھا سادہ عربی لباس میں تھے۔ اور عربی انداز اور عادات کے موافق کھانے بیٹھے کھانا بھی سادہ یعنی معمولی گوشت اور روٹی تھی۔ عربوں نے کھانا شروع کیا تو گوشت کی بوئیاں شور بے میں ڈبو کر اس زور سے دانتوں سے نوچتے تھے کہ شور بے کی چھٹنیں اڑ کر رومیوں کے کپڑوں پر پڑتی تھیں۔ رومیوں نے کہا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو کل ہماری دعوت میں تھے۔ یعنی وہ ایسے گنوار اور بے سلیقہ تھے عمرو نے کہا ”وہ اہل الرائے تھے“ اور یہ سہاٹی ہیں۔“

متوقّس نے اگرچہ تمام مصر کے لئے معاہدہ صلح لکھوایا تھا۔ لیکن ہر قل کو جب خبر ہوئی تو اس نے نہایت ناراضگی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ قبلی اگر عربوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے تو رومیوں کی تعداد کیا کم تھی۔ اسی وقت ایک عظیم الشان فوج روانہ کی کہ اسکندریہ پہنچ کر

مسلمانوں کے مقابلے کے لئے تیار ہو۔

اسکندریہ کی فتح ۱۱ ہجری (۶۳۱-۶۳۲ء)

فسطاط کی فتح کے بعد عمرو نے چند روز تک یہاں قیام کیا۔ اور یہیں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ فسطاط فتح ہو چکا۔ اجازت ہو تو اسکندریہ پر فوجیں بڑھائی جائیں۔ وہاں سے منگوری آئی عمرو نے کوچ کا حکم دیا۔ اتفاق سے عمرو کے خیمہ میں ایک کبوتر نے گھونٹا بنایا تھا۔ خیمہ اکھاڑا جانے لگا تو عمرو کی نگاہ پڑی حکم دیا کہ اس کو میس رہنے دو کہ ہمارے ممان کو تکلیف نہ ہونے پائے چونکہ عربی میں خیمہ کو فسطاط کہتے ہیں۔ اور عمرو نے اسکندریہ سے واپس آکر اسی خیمہ کے قریب شہر بسایا اس لئے خود شہر بھی فسطاط کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اور آج تک یہی نام لیا جاتا ہے۔ بہر حال ۱۱ ہجری میں عمرو نے اسکندریہ کا رخ کیا۔ اسکندریہ اور فسطاط کے درمیان میں رومیوں کی جو آبادیاں تھیں انہوں نے سدا راہ ہونا چاہا۔ چنانچہ ایک جماعت عظیم سے جس میں ہزاروں قبلی بھی تھے فسطاط کی طرف بڑھے کہ مسلمانوں کو وہیں روک لیں۔ مقام کریون میں دونوں حریفوں کا سامنا ہوا۔ مسلمانوں نے نہایت طیش میں آکر جنگ کی اور بے شمار عیسائی مارے گئے۔ پھر کسی نے روک ٹوک کی جرات نہ کی۔ اور عمرو نے اسکندریہ پہنچ کر دم لیا۔ متوقس جزیہ دے کر صلح کرنا چاہتا تھا۔ لیکن رومیوں کے ڈر سے نہیں کر سکتا تھا۔ تاہم یہ درخواست کی کہ ایک مدت معین کے لئے صلح ہو جائے۔ عمرو نے انکار کیا۔ متوقس نے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے شہر کے تمام آویسوں کو حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر شہر بھاؤ کی فسیل پر مسلمانوں کے سامنے صف بنا کر کھڑے ہوں۔ عورتیں بھی اس حکم میں داخل تھیں اور اس غرض سے کہ پہچانی نہ جاسکیں انہوں نے شرکی طرف منہ کر لیا تھا۔ عمرو نے کہا بھیجا کہ ہم تمہارا مطلب سمجھتے ہیں۔ لیکن تم کو معلوم نہیں کہ ہم نے اب تک جو ملک فتح کئے کثرت فوج کے بل پر نہیں کئے تمہارا بادشاہ جو ہر قل جس ساندہ سالمان سے ہمارے مقابلے کو آیا تم کو معلوم ہے اور جو نتیجہ ہوا وہ بھی بخفی۔ نہیں۔ متوقس نے کہا سچ ہے۔ ”میں عرب ہیں جنہوں نے ہمارے بادشاہ کو قتل کیا۔ پھینکا کر چھوڑا۔“ اس پر رومی سردار نہایت غضبناک ہوئے متوقس کو بہت برا کہا اور لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔

فتح ایدان مسعود

متوقس کی مرضی چونکہ جنگ کی نہ تھی اس لئے عمرو سے اقرار لے لیا تھا کہ ”چونکہ

میں رومیوں سے الگ ہوں اس وجہ سے میری قوم (یعنی قبلی) کو تمہارے ہاتھ سے ضرر نہ پہنچے پائے“ قبیلوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ اس معرکے میں دونوں سے الگ رہے بلکہ مسلمانوں کو بہت کچھ مدد دی فسطاط سے اسکندریہ تک فوج کے آگے آگے پلوں کی مرمت کر کے اور سڑکیں بناتے گئے۔ خود اسکندریہ کے خاصہ میں بھی رسد وغیرہ کا انتظام انہی کی بدولت ہو سکا۔ رومی کبھی کبھی قلعہ سے باہر نکل نکل کر لڑتے تھے۔ ایک دن نہایت سخت معرکہ ہوا۔ تیوخذنگ سے گذر کر تلوار کی نوبت آئی ایک رومی نے صف سے نکل کر کہا کہ جس کا دعویٰ ہو تمہا میرے مقابلے کو آئے مسلہ بن قلد نے گھوڑا بڑھایا۔ رومی نے ان کو زمین پر دے مارا۔ اور جھک کر تلوار مارنا چاہتا تھا کہ ایک سوار نے آکر جان بچائی ”عمو کو اس پر اس قدر غصہ آیا کہ متانت ایک طرف مسلہ کے رجبہ کا بھی خیال نہ کر کے کہا کہ ”زنخوں کو میدان جنگ میں آنے کی کیا ضرورت ہے۔“ مسلہ کو نہایت ناگوار ہوا۔ لیکن مصلحت کے لحاظ سے کچھ نہ کہا۔ لڑائی کا زور اسی طرح قائم رہا آخر مسلمانوں نے اس طرح حملہ کیا کہ رومیوں کو دبا دے توئے قلعہ کے اندر گھس گئے۔ دیر تک قلعہ کے صحن میں معرکہ رہا۔ آخر میں رومیوں نے سنبھل کر ایک ساتھ حملہ کیا۔ اور مسلمانوں کو قلعہ سے باہر نکال کر دروازے بند کر دیئے اتفاق یہ کہ عمرو بن العاص اور مسلہ اور دو شخص اندر رہ گئے۔ رومیوں نے ان لوگوں کو زندہ گرفتار کرنا چاہا۔ لیکن جب ان لوگوں نے موانہ دار جان دینی چاہی تو انہوں نے کہا کہ دونوں طرف سے ایک ایک آدمی مقابلے کو نکلے اگر ہمارا آدمی مارا گیا تو ہم تم کو چھوڑ دیں گے کہ قلعہ سے نکل جاؤ اور تمہارا آدمی مارا جائے تو تم سب ہتھیار ڈال دو۔

عمرو بن العاص نے نہایت خوشی سے منظور کیا۔ اور خود مقابلے کے لئے نکلتا چاہا مسلہ نے روکا کہ تم فوج کے سردار ہو تم پر آج آئی تو انتظام میں غلط ہو گا۔ یہ کہہ کر گھوڑا بڑھایا۔ رومی بھی ہتھیار سنبھال چکا تھا۔ دیر تک وار ہوتے رہے بالآخر مسلہ نے ایک ہاتھ مارا کہ رومی وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ رومیوں کو معلوم نہ تھا کہ ان میں کوئی سردار ہے۔ انہوں نے اقرار کے موافق قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اور سب صحیح سلامت باہر نکل آئے عمرو نے مسلہ سے اپنی پہلی گستاخی کی معافی مانگی اور انہوں نے نہایت صاف دلی سے معاف کر دیا۔

بخصوص جس قدر طویل کھینچتا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زیادہ پریشانی ہوتی تھی۔ چنانچہ عمرو کو خط لکھا کہ ”شاید تم لوگ وہاں رہ کر عیسائیوں کی طرح عیش پرست بن گئے۔ ورنہ فتح میں اس قدر دیر نہ ہوتی جس دن میرا خط پہنچے تمام فوج کو جمع کر کے جماد پر خطبہ دو

اور پھر اس طرح حملہ کرو کہ جن کو میں نے افسر کر کے بھیجا تھا فوج کے آگے ہوں اور تمام فوج ایک دفعہ دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ عموماً نے تمام فوج کو یکجا کر کے خطبہ پڑھا اور ایک پراثر تقریر کی کہ مجھے ہوئے جوش تازہ ہو گئے عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو برسوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے تھے بلا کر کہا کہ اپنا نیزہ مجھ کو دیجئے۔ خود سر سے غلام اتارا اور نیزہ پر لگا کر ان کو حوالہ کیا کہ یہ سپہ سالار کا علم ہے اور آج آپ سپہ سالار ہیں۔ زبیر بن العوام اور مسلمہ بن حذافہ کو فوج کا ہراول کیا۔ غرض اس سرو سامان سے قلعہ پر حواہا ہوا کہ پہلے ہی حملہ میں شریع ہو گیا۔ عموماً نے اسی وقت معاویہ بن خدیج کو بلا کر کہا کہ جس قدر تیز جا سکو جاؤ۔ اور امیر المومنین کو مشورہ فتح سناؤ معاویہ اونٹنی پر سوار ہوئے اور دو منزلہ سر منزلہ کرتے ہوئے مدینہ پہنچے چونکہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا۔ اس خیال سے کہ یہ آرام کا وقت ہے پارگاہ خلافت میں جانے سے پہلے سیدھے مسجد نبوی کا رخ کیا۔ اتفاق سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لوبڈی اوجھر اٹھئی اور ان کو مسافر کی سیٹھ دیکھ کر پوچھا کہ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔ انہوں نے کہا کہ اسکندریہ سے۔ اس نے اسی وقت جا کر خبر کی اور ساتھ ہی واپس آئی کہ چلو تم کو امیر المومنین بلااتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتنا بھی انتظار نہیں کر سکتے تھے خود چلنے کے لئے تیار ہوئے اور چادر سنبھال رہے تھے کہ معاویہ پہنچ گئے فتح کا حال سن کر زمین پر گرے اور سجدہ شکر ادا کیا۔ اٹھ کر مسجد میں آئے اور منادی کرا دی الصلوٰۃ جامعہ سنتے ہی تمام مدینہ امداد کیا۔ معاویہ نے سب کے سامنے فتح کے حالات بیان کئے وہاں سے اٹھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کے گھر پر گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوبڈی سے پوچھا کچھ کھانے کو ہے۔ وہ روٹی اور روغن زیتون لائی۔ مہمان کے آگے رکھا اور کہا کہ آئے کے ساتھ میرے پاس کیوں نہیں چلے آئے انہوں نے کہا میں نے خیال کیا کہ یہ آرام کا وقت ہے شاید آپ سوتے ہوں۔ فرمایا افسوس تمہارا میری نسبت یہ خیال ہے میں دن کو سوؤں گا تو خلافت کا بار کون سنبھالے گا۔ (یہ تمام تفصیل متبرنی سے لی گئی ہے)

عمو اسکندریہ کی فتح کے بعد فسطاط کو واپس گئے اور وہاں شرب ساٹا چاہا۔ الگ الگ قلعے متعین کئے اور داغ بیل ڈال کر عرب کی سادہ وضع کی عمارتیں تیار کرائیں۔ تفصیل اس کے دوسرے حصے میں آئے گی۔

اسکندریہ اور فسطاط کے بعد اگرچہ برابر کا کوئی حریف نہیں رہا تھا۔ تاہم چونکہ مصر کے

تمام اضلاع میں رومی پھیلے ہوئے تھے۔ ہر طرف تھوڑی تھوڑی فوجیں روانہ کیں کہ اسکندہ کسی خطرے کا احتمال نہ رہ جائے۔ چنانچہ خارجہ بن حذافہ العدوی قیوم، اشوتین، انعمیم، بشروات، معبد اور اس کے تمام مضافات میں پکڑ لگا آئے اور ہر جگہ لوگوں نے خوشی سے جزیہ دینا قبول کیا۔ اسی طرح عمیر بن وہب الجمحی نے تنس و میاط، تونہ، دمیہ، شلا، وقہلہ، یٹا، بوبیر کو مسخر کیا، عقب بن عامر الجلی نے مصر کے تمام لیبی حصے فتح کئے۔ (تاریخ البلدان صفحہ ۴۷۷)

چونکہ ان لڑائیوں میں نہایت کثرت سے قبلی اور رومی گرفتار ہوئے تھے عموماً نے دربار خلافت کو لکھا کہ ان کی نسبت کیا کیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جواب لکھا کہ سب کو بلا کر کہہ دو کہ ان کو اختیار ہے کہ مسلمان ہو جائیں یا اپنے مذہب پر قائم رہیں اسلام قبول کریں گے تو ان کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ ورنہ جزیہ دینا ہو گا۔ جو تمام ذمیوں سے لیا جاتا ہے عموماً نے تمام قیدی جو تعداد میں ہزاروں سے زیادہ تھے ایک جا جمع کئے عیسائی سرداروں کو طلب کیا اور مسلمان و عیسائی الگ الگ ترتیب سے آنے سامنے بیٹھے بیچ میں قیدیوں کا گروہ تھا۔ فرمان خلافت پڑھا گیا تو بہت سے قیدیوں نے جو مسلمانوں کی کھڑک سلاخ کے فوق سے آشنا ہو گئے تھے اسلام قبول کیا اور بہت سے اپنے مذہب پر قائم رہے۔ جب کوئی شخص اسلام کا اظہار کرتا تھا تو مسلمان اللہ اکبر کا نعرو بلند کرتے تھے اور خوشی سے بچھے جاتے تھے اور جب کوئی شخص عیسائیت کا اقرار کرتا تھا تو تمام عیسائیوں میں مبارکباد کا غل پڑتا تھا۔ اور مسلمان اس قدر غمزہ ہوتے تھے کہ بہتوں کے آنسو نکل پڑتے تھے دیر تک یہ سلسلہ جاتابا رہا اور دونوں فریق اپنے اپنے حصہ رسدی کے موافق کامیاب آئے۔ (طبری صفحہ ۲۵۷-۲۵۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت

(۳۶ ذوالحجہ ۲۳ ہجری - ۶۴۴ عیسوی)

(کل مدت خلافت دس برس چھ مہینے چار دن)

مدینہ منورہ میں فیروز نامی ایک پارسی غلام تھا۔ جس کی کنیت ابو لؤلؤ تھی اس نے ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اگر شکایت کی کہ میرے آقا منیع بن شعبہ نے مجھ پر بہت بھاری محمول مقرر کیا ہے۔ آپ کم کرا دیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعداد پوچھی اس نے کہا روزانہ دو درہم (قریباً سات آنے) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا تو کونسا پیش کرتا ہے بولا کہ "نجاری نقاشی" آہنگری "فرمایا کہ "ان صنعتوں کے مقابلہ میں رقم کچھ بہت نہیں ہے۔ فیوز دل میں سخت ناراض ہو کر چلا گیا۔

دوسرے دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صبح کی نماز کو نکلے تو فیوز منجھلے کر مسجد میں آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفیں درست کریں جب صفیں سیدھی ہو جاتیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لاتے تھے اور امامت کرتے تھے اس دن بھی حسب معمول صفیں درست ہو چکیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امامت کے لئے بڑھے۔ اور جوں ہی نماز شروع کی۔ فیوز نے دفعہ گھٹات میں سے نکل کر چھ وار کئے جن میں ایک ناف کے نیچے پڑا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً عبدالرحمن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا۔ اور خود زخم کے صدمہ سے گر پڑے۔

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی حالت میں نماز پڑھائی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سامنے بٹل پڑے تھے فیوز نے اور لوگوں کو بھی زخمی کیا لیکن بالآخر پکڑا گیا اور ساتھ ہی اس نے خود کشی کر لی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگ گھولائے سب سے پہلے انہوں نے پوچھا کہ "میرا قاتل کون تھا۔ لوگوں نے کہا کہ فیوز" فرمایا کہ الحمد للہ کہ میں ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں مار گیا جو اسلام کا دعویٰ رکھتا تھا۔ لوگوں کو خیال تھا کہ زخم چنداں کاری نہیں غالباً شفا

ہو جائے۔ چنانچہ ایک طبیب بلایا گیا اس نے خیزہ کھودھ پلایا۔ اور دونوں چیزیں زخم کی راہ سے باہر نکل آئیں۔ اس وقت لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ اس زخم سے جانبر نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ لوگوں نے ان سے کہا کہ "آپ اپنا دلی عہد منتخب کر جائیے۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبد اللہ اپنے فرزند کو بلا کر کہا کہ "معاشرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جاؤ اور کو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ عبد اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے وہ رو رہی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلام کیا اور بیٹھام پینچایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ "اس جگہ کو میں اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔ لیکن آج میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پر ترجیح دوں گی۔" عبد اللہ واپس آئے۔ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر کی "بیٹے کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا کہ کیا خبر لائے؟ انہوں نے کہا کہ جو آپ چاہتے تھے فرمایا "میں سب سے بڑی آرزو تھی۔"

اس وقت اسلام کے حق میں محسب سے اہم کام تھا کہ وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا۔ تمام صحابہ بار بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کرتے تھے کہ اس مہم کو آپ طے کر جائیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کے معاملہ پر دقتوں غور کیا تھا۔ اور اکثر سوچا کرتے تھے بار بار لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ شکر بیٹھے کچھ سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطیاں و پچھتاہیں ہیں۔

مدت کے غور و فکر پر بھی ان کے انتخاب کی نظر کسی شخص پر جمی نہ تھی۔ بارہا ان کے منہ سے یہ سانس نہ آتا تھا کہ "افسوس اس بار گراں کا کوئی اٹھانے والا نظر نہیں آتا۔" تمام صحابہ میں اس وقت چھ شخص تھے جن پر انتخاب کی نگاہ پڑ سکتی تھی۔ علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم، لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سب میں کچھ نہ کچھ کی بات لیتے تھے۔ اور اس کا انہوں نے مختلف موقعوں پر اظہار بھی کیا۔ حضرت عمر نے اور بزرگوں کی نسبت جو خود کہیا ان میں سے کسی کو اب سے نہیں نکھانے ان میں جاتے کام نہیں البتہ حضرت علی کے حلق جو کچھ چینی حضرت عمر کی لسانی عام آدمیوں میں مقبول ہے یہی ہے کہ ان کے مزاج میں خلوت ہے۔ ایک خیالی خیال معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علی قرطب تھے عریض تھے بخشنا لطیف المزاج بزرگ ہو سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی کے تعلقات قریش کے بزرگوں سے تھے کہ قریش کسی طرح ان کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ علامہ طبری نے اس معاملہ کے متعلق حضرت عمر کے خیالات و مکالمہ کی صورت میں نقل کئے ہیں۔ ہم ان کو اس موقع پر اس لئے درج کر رہے ہیں کہ اس سے حضرت عمر کے خیالات کا راز بہت معلوم ہو گا۔ مکالمہ عبد اللہ بن عباس سے ہوا جو حضرت علی کے ہم قبیلہ اور طرفدار تھے۔

حضرت عمر کیوں عبد اللہ بن عباس! علی بن ابی طالب سے ساتھ کیوں نہیں شریک ہوئے؟ (ابن حجر عسقلانی)

کر دیا تھا۔ چنانچہ طبری وغیرہ میں ان کے ربح و کس بتفصیل مذکور ہیں۔ مذکورہ بالا ہزار گوں میں وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب سے بہتر جانتے تھے۔ لیکن بعض اسباب سے ان کی نسبت قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔ (طبری صفحہ ۲۷۷)

غرض وفات کے وقت جب لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ ”میں چھ شخصوں میں جس کی نسبت کثرت رائے ہو وہ خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قوم اور ملک کی یہودی گلو خیال تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عین کرب و تکلیف کی حالت میں جہاں تک ان کی قوت اور توانا نے یاد دی وہی اسی دھن میں مصروف رہے۔ لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ ”جو شخص خلیفہ منتخب ہو اس کو میں وصیت کرتا ہوں کہ پانچ فرقوں کے حقوق کا نہایت خیال رکھے۔ مہاجرین، انصار، اعراب وہ اہل عرب جو اور شہروں میں جا کر آباد ہو گئے ہیں۔ اہل ذمہ (یعنی عیسائی، یہودی، پارسی جو اسلام کی رعایا تھے)“ پھر ہر ایک کے حقوق کی تصریح کی، چنانچہ اہل ذمہ کے حق میں جو الفاظ

عبداللہ بن عباسؓ میں میں بیان کرتے ہیں۔

حضرت مڑیؓ تمہارے باپ رسول اللہؐ کے چچا اور تم رسول اللہؐ کے چچے بھائی ہو۔ پھر تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیل نہیں ہوگی!

عبداللہ بن عباسؓ میں میں نہیں جانتا۔

حضرت مڑیؓ لیکن میں جانتا ہوں تمہاری قوم تمہارا سردار ہوگا اور انہیں کرتی تھی۔

عبداللہ بن عباسؓ کیل؟

حضرت مڑیؓ وہ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں۔ شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابو بکرؓ تم کو خلافت سے محروم کر دیا۔ لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں۔ ابو بکرؓ نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر وہ تم کو خلافت دینا چاہتی ہے تو ان کو ایسا کرنا تمہارے حق میں کچھ مفید نہ ہوگا۔

دوسرا حکم اس سے زیادہ مفید ہے کچھ باتیں تو دی ہیں جو پہلے حکم میں گذر چکی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ حضرت مڑیؓ کیوں عبداللہ بن عباسؓ تمہاری نسبت میں بعض بعض باتیں سن کر آقاؐ میں نے اس خیال سے اس کی تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزت میری آنکھوں میں کم نہ ہو جائے۔

عبداللہ بن عباسؓ وہ کیا باتیں ہیں؟

حضرت مڑیؓ میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافت خدا کا حکم نہیں لی۔

عبداللہ بن عباسؓ خلافت کی نسبت تو میں نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ بات کسی پر چھٹی نہیں۔ لیکن خدا تو اس کا جواب کیا ہے۔

ابو بکرؓ نے آدمؑ پر خدا کیا اور ہم لوگ تو مہدی کی اولاد ہیں پھر محسوس ہوں تو کیا جواب ہے؟

حضرت مڑیؓ افسوس خاندان نبویؐ کا ہم کے دلوں سے رائے دن کھینچنے نہ چاہیں گے۔

عبداللہ بن عباسؓ ایسی بات نہ کہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی باقی ہی تھے۔

حضرت مڑیؓ اس تذکرے کو جانے دو۔

عبداللہ بن عباسؓ بہت مناسب (دیکھو تاریخ طبری صفحہ ۲۷۷ تا ۲۷۸)

ان حکایات سے علاوہ اصل واقعہ کے تم اس بات کا بھی اندازہ کر سکو گے کہ حضرت مڑیؓ کے مبارک عہد میں لوگ

کس دلیوری اور بے باکی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے۔ اور یہ زیادہ تر اسی وجہ سے تھا کہ حضرت مڑیؓ آزاد

اور حق کوئی قوم میں پیدا ہوا ہے۔

کہے وہ یہ تھے ”میں خلیفہ وقت کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ خدا کی ذمہ داری اور رسول اللہ کی ذمہ داری کا لحاظ رکھے۔ یعنی اہل ذمہ سے جو اقرار ہے وہ پورا کیا جائے۔ ان کے دشمنوں سے لڑا جائے۔ اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔“

قوم کے کام سے فراغت ہو چکی تو اپنے ذاتی مطالب پر توجہ کی۔ عبداللہ اپنے بیٹے کو بلا کر کہا کہ مجھ پر کس قدر قرض ہے۔ معلوم ہوا کہ چھیالیس ہزار درہم، فرمایا کہ میرے متروکہ سے ادا ہو سکے تو بہتر ورنہ خاندان عدی سے درخواست کرنا اور اگر وہ بھی پورا نہ کر سکیں تو کل قریش سے۔ لیکن قریش کے علاوہ لوگوں کو تکلیف نہ دینا۔ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ (دیکھو کتاب المناقب باب قتہ ابیہ والا اتفاق علی عثمان) لیکن عمر بن شیبہؓ نے کتاب البدیع میں ”سند صحیح روایت کیا ہے کہ نافع بن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام تھے کہتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر قرض کیونکر رو سکنا تھا۔ حالانکہ ان کے ایک وارث نے اپنے حصہ وارث کو ایک لاکھ میں بیچا تھا۔ (دیکھو تاریخ بخاری مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۵۷)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر چھیالیس ہزار کا قرض ضرور تھا۔ لیکن وہ اس طرح ادا کیا گیا کہ ان کا سکون مکان بیچ ڈالا گیا۔ جس کو امیر معاویہؓ نے خریدا۔ یہ مکان باب السلام اور باب رحمت کے بیچ میں واقع تھا۔ اور اس مناسبت سے کہ اس سے قرض ادا کیا گیا۔ ایک مدت تک دارالقضا کے نام سے مشہور رہا۔ چنانچہ ”خلافت الوقافی اخبار دارالاصطفیٰ“ میں یہ واقعہ بتفصیل مذکور ہے۔ (دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ مصر صفحہ ۱۷۹)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین دن کے بعد انتقال کیا۔ اور محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن مدفون ہوئے نماز جنازہ صیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔ حضرت عبدالرحمنؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، ملکہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قبر میں اتارا اور وہ آفتاب کا لہجہ خاک میں چھپ گیا۔

مغرب کی جانب چونکہ صرف جدہ تک حد حکومت تھی اس لئے وہ قائل ذکر نہیں۔

اس میں شام، مصر، عراق، بجزیرہ، خوزستان، عراق، عجم، آرمینہ، آذربائیجان، فارس، کرمان، خراسان اور کرمان جس میں بلوچستان کا حصہ آجاتا ہے شامل تھا، ایشیائے کوچک پر جس کو اہل عرب روم کہتے ہیں ۷۰ ہجری میں حملہ ہوا تھا لیکن وہ فتوحات کی فہرست میں شمار ہونے کے قائل نہیں۔ یہ تمام فتوحات خاص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فتوحات ہیں۔ اور اس کی تمام مدت دس برس سے کچھ ہی زیادہ ہے۔

فتح کے اسباب یورپین مؤرخوں کی رائے کے موافق

پہلے سوال کا جواب یورپین مؤرخوں نے یہ دیا ہے کہ اس وقت فارس و روم دونوں سلطنتیں اوج اقبال سے گر چکی تھیں۔ فارس میں خسرو پرویز کے نظام سلطنت بالکل ورہم برہم ہو گیا تھا۔ کیونکہ کوئی لائق شخص جو حکومت کو سنبھال سکتا ہو موجود نہ تھا ورنہ ہار کے تمام کین وار کان میں سازشیں شروع ہو گئی تھیں۔ اور انہی سازشوں کی بدولت تخت نشینوں میں اول بدل ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ تین چار برس کے عرصے میں ہی عثمان حکومت چھ ساتھ فرمانرواؤں کے ہاتھ میں آئی اور نکل گئی۔ ایک اور وجہ یہ ہوئی کہ نو شیرواں سے کچھ پہلے مزوکیہ فرقہ کا بہت زور ہو گیا تھا۔ جو الحاد و زندقہ کی طرف مائل تھا۔ نو شیرواں نے گوتموار کے ذریعے سے اس مذہب کو دبا دیا تھا۔ لیکن بالکل مٹا نہ سکا۔ اسلام کا قدم جب فارس میں پہنچا تو اس فرقے کے لوگوں نے مسلمانوں کو اس حیثیت سے اپنا پشت پناہ سمجھا کہ وہ کسی کے مذہب و عقائد سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ عیسائیوں میں سنو رین فرقہ جس کو اور کسی حکومت میں پناہ نہیں ملتی تھی وہ اسلام کے سایہ میں اگر مخالفوں کے ظلم سے بچ گیا، اس طرح مسلمانوں کو دو بڑے فرقوں کی ہمدردی اور اعانت مفت میں ہاتھ آگئی، روم کی سلطنت خود کمزور ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ عیسائیت کے باہمی اختلافات ان دنوں زور پر تھے اور چونکہ اس وقت تک مذہب کو نظام حکومت میں دخل تھا اس لئے اس اختلاف کا اثر مذہبی خیالات تک محدود نہ تھا بلکہ اس کی وجہ سے خود سلطنت کمزور ہوتی جاتی تھی۔

یورپین مؤرخین کی رائے کی غلطی

یہ جواب گوارا قیامت سے خالی نہیں، لیکن جس قدر واقعیت ہے اس سے زیادہ

حصہ دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فتوحات پر ایک اجمالی نظر

پہلے حصے میں تم فتوحات کی تفصیل پڑھ آئے ہو۔ اس سے تمہارے دل پر اس عہد کے مسلمانوں کے جوش، بہت، عزم و استقلال کا قوی اثر پیدا ہوا ہو گا۔ لیکن اسلاف کی داستان سننے میں تم نے اس کی پرواہ نہ کی ہو گی کہ واقعات کو فلسفہ تاریخی کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

لیکن ایک نکتہ سچ مؤرخ کے دل میں فوراً یہ سوالات پیدا ہوں گے کہ چند صحرا نشینوں نے کیونکر فارس و روم کا و فتر الٹ دیا! کیا یہ تاریخ عالم کا کوئی مستثنیٰ واقعہ ہے؟ آخر اس کے اسباب کیا تھے کیا ان واقعات کو سکندر و چنگیز کی فتوحات سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی؟ جو کچھ ہوا اس میں فرمانروائے خلافت کا کتنا حصہ تھا؟ ہم اس موقع پر انہی سوالات کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ لیکن اجمال کے ساتھ پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ فتوحات فاروقی کی وسعت اور اس کے حدود اربعہ کیا تھے۔

فتوحات فاروقی کی وسعت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ ۳۳۵۰۰ میل مربع یعنی مکہ سے شمال کی جانب ۳۶۰۰ میل مشرق کی جانب ۸۷۰ میل جنوب کی جانب ۸۳۰ میل تھا۔

طرز استدلال کی طبع سازی ہے۔ جو یورپ کا خاص انداز ہے بے شبہ اس وقت فارس و روم کی سلطنتیں اصلی عروج پر نہیں رہی تھیں۔ لیکن اس کا صرف اس قدر نتیجہ ہو سکتا تھا کہ وہ پرزور قوی سلطنت کا مقابلہ نہ کر سکتیں نہ یہ کہ عرب جیسی مسرور سلمان قوم سے ٹکرا کر پڑے پڑے ہو جاتیں روم و فارس کو کسی حالت میں تھے تاہم فنون جنگ میں ماہر تھے۔ یونان میں خاص قواعد حرب پر جو کتابیں لکھی گئی تھیں اور جواب تک موجود ہیں رومیوں میں ایک مدت تک ان کا عملی رواج رہا۔ اس کے ساتھ رسد کی فراوانی مسرور سلمان کی بہتات، آفات جنگ کے تنوع فوجوں کی کثرت میں کمی نہیں آئی تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کسی ملک پر چڑھ کر جانا نہ تھا بلکہ اپنے ملک میں اپنے قلعوں میں اپنے مورچوں میں رہ کر اپنے ملک کی حفاظت کرتی تھی مسلمانوں کے حملے سے ذرا ہی پہلے خسرو پرویز کے عہد میں جو ایران کی شان و شوکت کا عین شباب تھا۔ قیصر روم نے ایران پر حملہ کیا اور ہر قدم پر فتوحات حاصل کرتا ہوا اصفہان تک پہنچ گیا۔ شام کے صوبے جو ایرانیوں نے چھین لئے تھے واپس لے لئے اور نئے سرے سے نظم و نسق قائم کیا۔

ایران میں خسرو پرویز تک تو عمومی مسلم ہے کہ سلطنت کو نہایت جاہ جلال تھا۔ خسرو پرویز کی وفات سے اسلامی حملے تک صرف تین چار برس کی مدت ہے۔ اتنے تھوڑے عرصے میں ایسی قوم اور قدیم سلطنت کہاں تک کمزور ہو سکتی تھی۔ البتہ تخت نشینوں کی اول بدل سے نظام میں فرق آیا تھا۔ لیکن چونکہ سلطنت کے اجزاء یعنی خزانہ، فوج اور محاصل میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ اس لئے جب یزید کو تخت نشین ہوا اور دیباہوں نے اصلاح کی طرف توجہ کی تو فوراً نئے سرے سے وہی شان و شوکت قائم ہو گئے۔ مزید کہ فرقہ گواران میں موجود تھا۔ لیکن ہم کو تمام تاریخ میں ان سے کسی قسم کی مدولنے کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح فرقہ سنو رین کی کوئی اعانت ہم کو معلوم نہیں۔ عیسائیت کے اختلاف مذہب کا اثر بھی کسی واقعہ خود یورپین مٹارخوں نے کہیں نہیں بتایا۔

اب عرب کی حالت دیکھو! تمام فوجیں جو مصر و ایران و روم کی جنگ میں مصروف تھیں ان کی مجموعی تعداد کبھی ایک لاکھ تک بھی نہ پہنچی۔ فنون جنگ سے واقفیت کا یہ حال تھا کہ ہر موک پہلا معرکہ ہے جس میں عرب نے تعبہ کے طرز پر صف آرائی کی۔ خود زور چلتا، جو شن، بکتر، چار آئینہ، آہنی دستاں، جہلم موزے جو ہر ایرانی سپاہی کا لازمی ملبوس جنگ تھا۔ اس میں سے عربوں کے پاس صرف زور تھی اور وہ بھی اکثر چمڑے کی ہوتی تھی۔ رکاب

۱. ابن خلدون نے اخبار اللہ میں لکھا ہے۔ یہ چیزیں ہر سپاہی کو استعمال کرنی پڑتی تھیں۔

لوہے کے بجائے لکڑی کی ہوتی تھی۔ آفات جنگ میں گرو کمند سے عرب بالکل آشنا نہ تھے تھے لیکن ایسے چھوٹے اور کم حیثیت کہ قادیسہ کے معرکہ میں ایرانیوں نے جب پہلے پہل ان کو دیکھا تو سمجھا کہ نکلے ہیں۔

فتوحات کے اصلی اسباب

ہمارے نزدیک اس سوال کا اصلی جواب صرف اس قدر ہے کہ مسلمانوں میں اس وقت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت جو جوش، عزم، استقلال بلند حوصلگی، دلیری پیدا ہو گئی تھی۔ اور جس کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور زیادہ قوی اور تیز کر دیا تھا۔ روم اور فارس کی سلطنتیں عین عروج کے زمانے میں بھی اس کی فکر نہیں اٹھا سکتی تھیں۔ البتہ اس کے ساتھ اور چیزیں بھی مل گئی تھیں۔ جنہوں نے فتوحات میں نہیں بلکہ قیام حکومت میں مدد دی۔ اس میں سب سے مقدم چیز مسلمانوں کی راست بازی اور دیباہ اندازی تھی۔ جو ملک فتح ہوتا جاتا تھا وہاں کے لوگ مسلمانوں کی راست بازی کے اس قدر گرویدہ ہو جاتے تھے کہ باوجود اختلاف مذہب کے ان کی سلطنت کا زوال نہیں چاہتے تھے۔ ہر موک کے معرکہ میں مسلمان جب شام کے اضلاع سے نکلے تو تمام عیسائی رعایا نے پکار کر کہ ”خدا اتم کو پھر اس ملک میں لائے۔“ اور یہودیوں نے توریت ہاتھ میں لے کر کہا کہ ”ہمارے جیتے جی قیصر اب یہاں نہیں آسکتا۔“

رومیوں کی حکومت جو شام و مصر میں تھی وہ بالکل جاہلانہ تھی۔ اس لئے رومیوں نے جو مقابلہ کیا وہ سلطنت اور فوج کے زور سے کیا۔ رعایا ان کے ساتھ نہ تھی۔ مسلمانوں نے جب سلطنت کا زور توڑا تو آگے مطلع صاف تھا۔ یعنی رعایا کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت نہ ہوتی البتہ ایران کی حالت اس سے مختلف تھی۔ وہاں سلطنت کے نیچے بہت سے بڑے بڑے رئیس تھے جو بڑے بڑے اضلاع اور صوبوں کے مالک تھے وہ سلطنت کے لئے نہیں بلکہ خود اپنی ذاتی حکومت کے لئے لڑتے تھے یہی وجہ تھی کہ پائے تخت کے فتح کر لینے پر بھی فارس میں ہر قدم پر مسلمانوں کو مزاحمتیں پیش آئیں لیکن عام رعایا وہاں بھی مسلمانوں کی گرویدہ ہو جاتی تھی۔ اور اس لئے فتح کے بعد بھائے حکومت میں ان سے بہت مدولتی تھی۔

ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کا اول اول حملہ شام و عراق پر ہوا۔ اور دونوں مقامات میں کثرت سے عرب آباد تھے شام میں دمشق کا حاکم غسانی خاندان تھا جو برائے نام

قیصر کا محکوم تھا۔ عراق میں غنی خاندان والے دراصل ملک کے مالک تھے۔ گو کسٹنی کو خراج کے طور پر کچھ دیتے تھے ان عربوں نے اگرچہ اس وجہ سے کہ عیسائی ہو گئے تھے اول اول مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن قوی اتحاد کا جذبہ رائیگاں نہیں جاسکتا تھا۔ عراق کے بڑے بڑے رئیس بہت جلد مسلمان ہو گئے اور مسلمان ہو جانے پر وہ مسلمانوں کے دست و پاؤں، لان گئے شام میں بھی آخر عربوں نے اسلام قبول کر لیا اور رومیوں کی حکومت سے آزاد ہو گئے۔ سکندر اور چنگیز و قیو کا نام لینا یہاں بالکل بے موقع ہے، بے شبہ ان دونوں نے بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں۔ لیکن کیونکر؟ قہر، ظلم اور قتل عام کی بدولت چنگیز کا حال تو سب کو معلوم ہے۔

سکندر و غیرہ کی فتوحات کا موازنہ

سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ جب اس نے شام کی طرف شہر صور کو فتح کیا تو چہ ننگہ وہاں کے لوگ دیر تک جم کر لڑے تھے اس لئے قتل عام کا حکم دیا اور ایک ہزار شہریوں کے سر شہر بنگاہ کی دیوار پر لٹکا دیئے۔ اس کے ساتھ ۳۰ ہزار باشندوں کو لونڈی غلام بننا کر کچ ڈالا۔ جو لوگ قدیم باشندے اور آزادی پسند تھے ان میں ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑا اسی طرح فارس میں جب اسطرکو فتح کیا تو تمام مہموں کو قتل کر دیا۔ اسی طرح کی اور بھی بے رحمیاں اس کے کارناموں میں مذکور ہیں۔ عام طور پر مشہور ہے کہ قلم اور ستم سے سلطنت برباد ہو جاتی ہے یہ اس لحاظ سے صحیح ہے کہ قلم کی بھانئیں۔ چنانچہ سکندر اور چنگیز کی سلطنتیں بھی ویرانہ ہوئیں لیکن فوری فتوحات کے لئے اسی قسم کی سفالیاں کارگر ثابت ہوئی ہیں۔ ان کی وجہ سے ملک کا ملک مرعوب ہو جاتا ہے اور چہ ننگہ رعایا کا بڑا گروہ ہلاک ہو جاتا ہے اس لئے بغاوت و فساد کا اندیشہ باقی نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ چنگیز، بخت نصر، تیمور اور جتھے بڑے بڑے فاتح گذرے ہیں سب کے سب سفاک بھی تھے۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فتوحات میں کبھی سر مو قانون انصاف سے تجاوز نہیں ہو سکتا تھا، آدمیوں کا قتل عام ایک طرف دہشتوں کے کاٹنے تک کی اجازت نہ تھی۔ بچوں اور بوڑھوں سے پاگل قعرض نہیں کیا جاسکتا تھا۔ مجرمین معرکہ کارزار کے کوئی شخص قتل نہیں کیا جاسکتا تھا دشمن سے کسی موقع پر بد عمدی یا فریب دہی نہیں کی جاسکتی تھی۔ افسروں کو تاکیدی احکام دیئے جاتے تھے۔

۱۔ آگے چل کر ایک موقع پر ہم نے ان کے نام بھی تفصیل سے لکھے ہیں۔

فَان قَاتِلُوْكُمْ فَلَا تُفْدُوْهُمۡ اُولَآئِیۡمُ الَّذِیۡنَ قَتَلُوْا اَوْلَادَهُمْ اُولَآئِیۡمُ الَّذِیۡنَ قَتَلُوْا اَوْلَادَهُمْ

(كتاب القراج ص ۳۰)

”یعنی دشمن تم سے لڑائی کریں تو ان سے فریب نہ کرو۔ کسی کی ناک کاٹ نہ کاٹو۔ کسی بچے کو قتل نہ کرو۔“

جو لوگ مطلع ہو کر باقی ہو جاتے تھے ان سے دوبارہ اقرار لے کر درگزر کی جاتی تھی یہاں تک کہ جب عیسویوں والے تین تین دفعہ متواتر اقرار کر کے پھر گئے تو صرف اس قدر کیا کہ ان کو وہاں سے جلا وطن کر دیا لیکن اس کے ساتھ ان کی کل جائیداد مقبوضہ کی قیمت ادا کر دی، خیر کے عیسویوں کو سازش اور بغاوت کے جرم میں نکالا تو ان کی مقبوضہ ارضیات کا معاوضہ دیا اور اضلاع کے حکام کو احکام بھیج دیئے کہ جدھر سے ان لوگوں کا گذر ہو ان کو ہر طرح کی اعانت دی جائے اور جب کسی شہر میں قیام پزیر ہو تو ایک سال تک ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔

جو لوگ فتوحات فاطمی کی حیرت انگیزی کا جواب دیتے ہیں کہ دنیا میں اور بھی ایسے فاتح گذرے ہیں ان کو یہ دکھانا چاہئے کہ اس احتیاط اس قید اس پابندی اس درگزر کے ساتھ دنیا میں کس حکمران نے ایک چپہ بھر زمین بھی فتح کی ہے۔

اس کے علاوہ سکندر اور پیٹنگیز وغیرہ خود ہر موقع اور ہر جنگ میں شریک رہتے تھے اور خود پہ سالار بن کر فوج کو لڑاتے تھے۔ اس کی وجہ سے علاوہ اس کے کہ فوج کو ایک ماہر پہ سالار ہاتھ آتا تھا۔ فوج کے دل قوی رہتے تھے اور ان میں بالطبع اپنے آقا پر فدا ہو جانے کا جوش پیدا ہوتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام مدت خلافت میں ایک دفعہ بھی کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ فوجیں ہر جگہ کام کر رہی تھیں۔ البتہ ان کی باگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ ایک اور صریح فرق یہ ہے کہ سکندر وغیرہ کی فتوحات گزرنے والے بادل کی طرح تھیں ایک دفعہ زور سے آیا اور نکل گیا۔ ان لوگوں نے جو ممالک فتح کئے وہاں کوئی نظم حکومت نہیں قائم کیا۔ برخلاف اس کے فتوحات فاروقی میں یہ استواری تھی کہ جو ممالک اس وقت فتح ہوئے تہہ سو برس گزرنے پر آج بھی اسلام کے قبضے میں ہیں اور خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ہر قسم کے ملکی انتظامات وہاں قائم ہو گئے تھے۔

فتوحات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اختصار

آخر سوال کا جواب عام رائے کے موافق یہ ہے کہ فتوحات میں خلیفہ وقت کی چنداں تحقیق نہ تھی۔ اس وقت کے جوش اور عزم کی جو حالت تھی وہ خود تمام فتوحات کی کفیل تھی۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی تو آخر وہی مسلمان تھے۔ لیکن کیا نتیجہ ہوا؟ جوش اور اثر بے شبہ برقی قوتیں ہیں۔ لیکن یہ قوتیں اسی وقت کام دے سکتی ہیں جب کام لینے والا بھی اسی زور قوت کا ہو۔ قیاس اور استدلال کی ضرورت نہیں واقعات خود اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ فتوحات کے تفصیلی حالات پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام فوج پتلی کی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشاروں پر حرکت کرتی تھی۔ اور فوج کا جو نظم و نسق قہارہ خاص ان کی سیاست و تدبیر کی بدولت تھا۔ اسی کتاب میں آگے چل کر جب تم مفصل طور پر پڑھو گے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کی ترتیب فوجی مشقیں، پارکوں کی تعمیر، کھوڑوں کی پرواخت قلعوں کی حفاظت، جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے حملوں کا تعین، فوج کی نقل و حرکت، پرچہ نویسی کا انتظام، افسران فوجی کا انتخاب، قلعہ شکن نکلات کا استعمال، یہ اور اس قسم کے امور کے متعلق کیا کیا انتظام خود ایجاد کئے اور ان کو کس عجیب و غریب زور و قوت کے ساتھ قائم رکھا تو تم خود فیصلہ کر لو گے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بغیر یہ کل مطلق کام نہیں دے سکتی تھی۔

عراق کی فتوحات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درحقیقت خود سپہ سالاری کا کام کیا تھا۔ فوج جب مدینہ سے روانہ ہوئی تو ایک ایک منزل بلکہ راستہ تک خود متعین کر دیا تھا اور اس کے موافق تحریری احکام بھیجے رہتے تھے۔ فوج قادیسہ کے قریب پہنچی تو موقع کا نقشہ منگوا بھیجا اور اس کے لحاظ سے فوج کی ترتیب اور صف آرائی کے متعلق ہدایتیں بھیجیں جس قدر افسر جن جن کاموں پر مامور ہوتے تھے ان کے خاص حکم کے موافق مامور ہوئے تھے۔

تاریخ طبری میں عراق کے واقعات کو تفصیل سے دیکھو تو صاف نظر آتا ہے کہ ایک بڑا سپہ سالار دور سے تمام فوجوں کو لڑا رہا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اس کے اشاروں پر ہوتا ہے۔ ان تمام لڑائیوں میں جو دس برس کی مدت میں پیش آئیں سب سے زیادہ خطرناک دو موقع تھے ایک نماوند کا معرکہ جب ایرانیوں نے فارس کے صوبجات میں ہر جگہ قریب دوڑا کر تمام ملک

میں آگ لگا دی تھی۔ اور لاکھوں فوج مہیا کر کے مسلمانوں کی طرف بڑھے تھے۔ دوسرے جب قیصر روم نے جزیرہ والوں کی اعانت سے دوبارہ عجم پر چڑھائی کی تھی ان دونوں معرکوں میں صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حسن تدبیر تھی جس نے ایک طرف ایک اٹھتے ہوئے طوفان کو دبا دیا۔ اور دوسری طرف ایک کوہ گراں کے پرچے اڑا دیئے چنانچہ ہم ان واقعات کی تفصیل پہلے حصے میں لکھ آئے ہیں۔

ان واقعات کی تفصیل کے بعد یہ دعویٰ صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ جب سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے آج تک کوئی شخص فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر فاتح اور کشورستان نہیں گذرا جو فتوحات اور عدل دونوں کا جامع ہو۔

نظام حکومت

اسلام میں خلافت یا حکومت کی بنیاد اگرچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں پڑی۔ لیکن حکومت کا دور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو سالہ خلافت میں گرچہ بڑی بڑی مہمات کا فیصلہ ہوا۔ یعنی عرب کے مرتدوں کا خاتمہ ہو گیا۔ اور بیرونی فتوحات شروع ہوئیں۔ تاہم حکومت کا کوئی خاص نظام نہیں قائم ہوا۔ اور نہ اتنا مختصر زمانہ اس کے لئے کافی ہو سکتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک طرف تو فتوحات کو وسعت دی کہ قیصر و کسریٰ کی وسیع سلطنتیں لوٹ کر عرب میں مل گئیں۔ دوسری طرف حکومت و سلطنت کا نظام قائم کیا اور اس کو اس قدر ترقی دی کہ ان کی وفات تک حکومت کے جس قدر مختلف شعبے ہیں سب وہود میں آچکے تھے۔

لیکن قبل اس کے کہ ہم حکومت کے قواعد و آئین کی تفصیل بتائیں پہلے یہ بتانا چاہئے ہیں کہ اس حکومت کی ترکیب اور ساخت کیا تھی؟ یعنی شخصی تھی یا جمہوری؟ اگرچہ اس وقت عرب کا تمدن جس حد تک پہنچا تھا اس کے لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر جمہوری یا شخصی دونوں میں سے کسی ایک کا بھی اطلاق نہیں ہو سکتا لیکن ایسے موقع پر صرف اس ایک بات کا پتہ لگانا کافی ہے کہ حکومت کا جو انداز تھا وہ جمہوریت سے ملتا تھا یا شخصیت سے ملتا تھا۔ یعنی سلطنت کا میلان ذاتی اختیار پر تھا یا عام رائے پر۔

جمہوری اور شخصی سلطنت کا موازنہ

جمہوری اور شخصی طریق حکومت میں جو چیز سب سے بڑھ کر ماپہ امتیاز ہے وہ عوام کی مداخلت اور عدم مداخلت ہے یعنی حکومت میں جس قدر رعایا کو دخل دینے کا زیادہ حق حاصل ہو گا اسی قدر اس میں جمہوریت کا عنصر زیادہ ہو گا۔ یہاں تک کہ سلطنت جمہوری کی اخیر حد یہ ہے کہ مستند شخص حکومت کے ذاتی اختیارات بالکل فنا ہو جائیں اور وہ جماعت کا صرف ایک ممبر رہ جائے۔ برخلاف اس کے شخصی سلطنت میں تمام دار و مدار صرف ایک شخص پر ہوتا ہے۔ اس بناء پر شخصی سلطنت سے خواہ خواہ نتائج پید ا ہوتے ہیں۔

① بجائے اس کے کہ ملک کے تمام قابل اشخاص کی قیادتیں کام میں لیں۔ صرف چند ارکان

سلطنت کی عقل و تدبیر پر کام چلتا ہے۔

② چونکہ مجر چند عہد ایداروں کے اور لوگوں کو ملکی انتظامات سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔

اس لئے قوم کے اکثر افراد سے انتظامی قوت اور قابلیت رفتہ رفتہ معدوم ہونے لگتی ہے۔

③ مختلف فرقوں اور جماعتوں کے خاص خاص حقوق کی اچھی طرح حفاظت نہیں ہوتی۔

کیونکہ جن لوگوں کو ان حقوق سے غرض ہے ان کو انتظام سلطنت میں دخل نہیں ہوتا اور جن

لوگوں کو دخل ہوتا ہے ان کو غیروں کے حقوق سے اس قدر ہمدردی نہیں ہو سکتی جتنی کہ خود

ارباب حقوق کو ہو سکتی ہے۔ چونکہ مجر چند ارکان سلطنت کے کوئی شخص ملکی اور قومی کاموں

میں دخل دینے کا مجاز نہیں ہوتا۔ اس لئے قوم میں ذاتی اغراض کے سوا قومی کارناموں کا مذاق

معدوم ہو جاتا ہے۔ یہ نتائج شخصی سلطنت کے لوازم ہیں۔ اور کبھی اس سے جدا نہیں ہو

سکتے۔ برخلاف اس کے جمہوری سلطنت میں اس کے برعکس نتائج ہوں گے اس بناء پر جس

سلطنت کی نسبت جمہوری کی شخصی بحث ہو اس کی نوعیت کا اندازہ نتائج سے بھی کیا جاسکتا

ہے۔

یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ جمہوریت کا طریقہ عرب کا فطری مذاق تھا اور اس لئے

عرب میں جو حکومت قائم ہوتی وہ خواہ خواہ جمہور کی ہوتی۔ عرب میں مدت سے تین وسیع حکومتیں

تھیں لغھی، تمیمی، غسانی لیکن یہ سب شخصی تھیں۔ قبائل کے سردار جمہوری اصولوں پر

انتخاب کئے جاتے تھے۔ لیکن ان کو کسی قسم کی ملکی حکومت حاصل نہ تھی بلکہ ان کی حیثیت

پہ سالاروں یا قاضیوں کی ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت نے بھی اس

بحث کا کچھ فیصلہ نہیں کیا۔ گو ان کا انتخاب کثرت رائے پر ہوا تھا۔ لیکن وہ ایک فوری کارروائی

تھی چنانچہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

فلا یغترون امران بقول انما کانت بمعانی بکر فلتتو تحت الا

وانھا قد کانت کذا لکن اللہ ولی شرھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گروہ پیش جو سلطنتیں تھیں وہ بھی جمہوری نہ

تھیں۔ ایران میں تو سرے سے کبھی یہ مذاق ہی نہیں پیدا ہوا۔ روم البتہ کسی زمانے میں اس

شرف سے ممتاز تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے سے پہلے وہاں شخصی

حکومت قائم ہو چکی تھی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں تو وہ بالکل ایک جابرانہ خود

مختار سلطنت رہ گئی تھی۔ غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغیر مثال اور نمونے کے

جمہوری حکومت کی بنیاد زالی اور اگرچہ وقت کے اقتضاء سے اس کے تمام اصول و فروع مرتب نہ ہو سکے تاہم جو چیزیں حکومت جمہوری کی روح ہیں سب وجود میں آئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مجلس شوریٰ (کونسل)

ان میں سب کا اصل الاصول مجلس شوریٰ کا انعقاد تھا۔ یعنی جب کوئی انتظام پیش آتا تھا تو ہمیشہ ارباب شوریٰ کی مجلس منعقد ہوتی تھی۔ اور کوئی امر بغیر مشورہ اور کثرت رائے کے عمل میں نہیں آسکتا تھا۔ تمام جماعت اسلام میں اس وقت دو گروہ تھے جو کل قوم کے پیشوا تھے۔ اور جن کو تمام عرب نے گویا اپنا قائم مقام تسلیم کر لیا تھا۔ یعنی مہاجرین و انصار۔

مجلس شوریٰ کے ارکان اور اس کے انعقاد کا طریقہ

مجلس شوریٰ میں ہمیشہ لازمی طور پر ان دونوں گروہ کے ارکان شریک ہوتے تھے۔ انصار بھی دو قبیلوں میں منقسم تھے۔ اوس و خزرج۔ چنانچہ ان دونوں خاندانوں کا مجلس شوریٰ میں شریک ہونا ضرور تھا۔ مجلس شوریٰ کے تمام ارکان کے نام اگرچہ ہم نہیں بتا سکتے تاہم اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت معاذ بن جبل، ابی بن کعب، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل تھے مجلس کے انعقاد کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ اسلوة جامعہ یعنی سب لوگ نماز کے لئے جمع ہو جائیں۔ جب لوگ جمع ہو جاتے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی میں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ نماز کے بعد منبر پر چڑھ کر خطبہ دیتے تھے اور بحث طلب امر پیش کیا جاتا تھا۔ (تاریخ طبری صفحہ ۲۵)

مجلس شوریٰ کے جملے

معمولی اور روز مو کے کاروبار میں اس مجلس کے فیصلے کافی سمجھے جاتے تھے لیکن جب کوئی امر اہم پیش آتا تھا تو مہاجرین اور انصار کا اجلاس عام ہوتا تھا اور سب کے اتفاق سے وہ امر طے پایا جاتا تھا مثلاً عراق و شام کے فتح ہونے پر جب بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات فوج کی جاگیر میں بکسے جائیں تو بہت بڑی مجلس منعقد ہوئی۔ جس میں تمام قدامتے مہاجرین اور انصار میں سے عام لوگوں کے علاوہ دس بڑے بڑے سردار جو تمام قوم میں ممتاز تھے اور جن میں پانچ شخص قبیلہ اوس اور پانچ قبیلہ خزرج کے تھے

شریک ہوئے کئی دن تک مجلس کے جملے رہے اور نہایت آزادی و بیباکی سے لوگوں نے تقریریں کیں اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو یہ تقریر کی جسے فقہے ہم اس لحاظ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے منصب خلافت کی حقیقت اور غلیظہ وقت کے اقتیارات کا اندازہ ہوتا ہے۔

انی لم ازعجکم الا لان تشرکوا فی امانتی لہما حملت من
امورکم فانی واحد کا حدکم۔ ولست اریہ ان یتبعوا هذا
الذی ہواہی۔

۱۸۱ ہجری میں جب نمونہ کا سخت معرکہ پیش آیا اور غمیوں نے اس سرور مسلمان سے تیاری کی کہ لوگوں کے نزدیک خود غلیظہ وقت کا اس صمم پر جانا ضروری ٹھہرا تو بہت بڑی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ حضرت عثمان، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن العوام، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم و فیوہ نے باری باری کھڑے ہو کر تقریریں کیں۔ اور کہا کہ آپ کا خود موقع جنگ پر جانا مناسب نہیں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور ان لوگوں کی تائید میں تقریر کی غرض کثرت رائے سے یہی فیصلہ ہوا کہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ موقع جنگ پر نہ جائیں اسی طرح فوج کی تحفہ و فتر کی ترتیب، عمال کا تقرر، غیر قوموں کی تجارت کی آزادی اور ان پر محصول کی تخصیص۔ اسی قسم کے بہت سے معاملات ہیں جن کی نسبت نامہ نقل میں بہ تصریح مذکور ہے کہ مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پائے ان امور کے پیش ہوتے وقت ارکان مجلس نے جو تقریریں کیں وہ بھی نامہ نقل میں مذکور ہیں۔

مجلس شوریٰ کا انعقاد اور اہل الرائے کی مشورت استحسان و تمیغ کے طور پر نہ تھی بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف موقعوں پر صاف صاف فرمایا تھا کہ مشورے کے بغیر خلافت سرے سے جائز ہی نہیں ان کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

لا خلافت الا عن مشورۃ (کنز العمال، بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۳۴)

ایک اور مجلس

مجلس شوریٰ کا اجلاس اکثر خاص خاص ضرورتوں کے پیش آنے کے وقت ہوتا تھا۔ لیکن اس کے علاوہ ایک اور مجلس تھی جہاں روزانہ انتظامات اور ضروریات پر گفتگو ہوتی تھی۔ یہ مجلس ہمیشہ مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھی۔ اور صرف مہاجرین صحابہ اس میں شریک ہوتے

تھے۔ صوبجات اور اضلاع کی روزانہ خبریں جو دوبار خلافت میں پہنچتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو اس مجلس میں بیان کرتے تھے اور کوئی بحث طلب امر ہوتا تھا تو اس میں لوگوں سے استصواب کیا جاتا تھا۔ مجوسیوں پر جزیہ مقرر کرنے کا مسئلہ اول اسی مجلس میں پیش ہوا تھا۔ مؤرخ بلاذری نے اس مجلس کا حال ایک ضمنی تذکرے میں ان الفاظ میں لکھا ہے۔

للمهاجرين مجلس في المسجد فكان عمر تجلس معهم فيه
ويحدثهم عما يتنبى اليه من أمر من أمر الأفاق فقال يونا
مأذرى كيف اصنع بالمجوس۔

عام رعایا کی مداخلت

مجلس شورعی کے ارکان کے علاوہ عام رعایا کو انتظامی امور میں مداخلت حاصل تھی۔ صوبجات اور اضلاع کے حاکم رعایا کی مرضی سے مقرر کئے جاتے تھے بلکہ بعض اوقات بالکل انتخاب کا طریقہ عمل میں آیا تھا کوفہ، بصرہ اور شام میں جب عمال خراج مقرر کئے جانے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تینوں صوبوں میں احکام بھیجے کہ وہاں کے لوگ اپنی اپنی پسند سے ایک ایک شخص کا انتخاب کر کے بھیجیں جو ان کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ دانتدار اور قابل ہوں۔ چنانچہ کوفہ سے عثمان بن فرقہ، بصرہ سے حجاج بن اعاص، شام سے معن بن یزید کو لوگوں نے منتخب کر کے بھیجا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں لوگوں کو ان مقامات کا حاکم مقرر کیا۔ قاضی ابویوسف صاحب نے اس واقعہ کو جن الفاظ میں بیان کیا ہے یہ ہیں۔

كتب عمر بن الخطاب الى اهل الكوفة يبعثون اليه رجلاً من
اخيرهم واصلاهم والى اهل البصرة كذا والك والى اهل الشام
كذا الك قال فبعث اليه اهل الكوفة عثمان بن فرقہ وبعث اليه
اهل الشام معن بن يزد وبعث اليه اهل البصرة الحجاج بن
علاط كلهم مسلمون قال فاستعمل كل واحد منهم على

خراج ارضهم (كتاب الخزان ص ۳۰)

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت بڑے رتبے کے صحابی اور نوشیروانی تخت کے فاتح تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ لیکن جب

لوگوں نے ان کی شکایت کی تو معزول کر دیا۔

حکومت جمہوری کا ایک بہت بڑا اصول یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق اور اغراض کی حفاظت کا پورا اختیار اور موقع دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت میں ہر شخص کو نہایت آزادی کے ساتھ یہ موقع حاصل تھا اور لوگ عامیہ اپنے حقوق کا اظہار کرتے تھے۔ اضلاع سے قریباً ہر سال سفارتیں آتی تھیں جن کو وفد کہتے تھے اس سفارت کا صرف یہ مقصد ہوتا تھا کہ دوبار خلافت کو ہر قسم کے حالات اور شکایات سے مطلع کیا جائے اور وہاں رہی جاتی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود بار بار مختلف موقعوں پر اس حق کا اعلان کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ خاص اس کے لئے مجمع عام میں خطبہ پڑھا۔ قریباً تین تہائی کی اور ایک وفد تمام عمالان سلطنت کو حج کے مجمع عام میں طلب کر کے اس کا اعلان کیا چنانچہ اس کی پوری تفصیل عمالوں کے بیان میں آئے گی۔

خليفة کا عام حقوق میں سب کے ساتھ مساوی ہونا

حکومت جمہوری کا اصلی زیور یہ ہے کہ بادشاہ ہر قسم کے حقوق میں عام تو میوں کے ساتھ برابری رکھتا ہو۔ یعنی کسی قانون کے اثر سے مستثنیٰ نہ ہو ملک کی آمدنی میں سے ضروریات زندگی سے زیادہ نہ لے سکے۔ عام معاشرت میں اس کی حاکمانہ حیثیت کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے اس کے اختیارات محدود ہوں ہر شخص کو اس پر نکتہ چینی کا حق حاصل ہو۔ یہ تمام امور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں اس درجے تک پہنچے تھے کہ اس سے زیادہ ممکن نہ تھے اور جو کچھ ہوا تھا وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلطی عمل کی بدولت ہوا تھا۔ انہوں نے متعدد موقعوں پر ظاہر کر دیا تھا کہ حکومت کے لحاظ سے ان کی کیا حیثیت ہے اور ان کے کیا اختیارات ہیں۔ ایک موقع پر انہوں نے اس کے متعلق جو تقریر کی اس کے بعض بعض فقرے اس موقع پر لکھنے کا قابل ہیں۔

انما انا و مالکم کولی الیتیم ان استغنت استعفت وان
افتقرت اکتبت بالمعروف لکم علی ایہا الناس خصال فخذونی
بہا لکم علی ان لا اجتبی شیناً من خراجکم ولا معا ائاء اللہ
علیکم الا من وجہہ ولکم علی انا وقع فی بدی ان لا یخرج
منی الا فی حقہ وانکم علی ان ازید فی عقیباتکم واسد ثغورکم

ولکم علی ان لا تقکم فی المہالک (کتاب الخراج ص ۶۰)

”مجھ کو تمہارے مال (یعنی بیت المال) میں اس قدر حق ہے جتنا تمیم کے مہل کو تمیم کے مال میں اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور ضرورت پڑے گی تو دستور کے موافق کھانے کے لئے لوں گا۔ صاحبو! میرے اوپر تم لوگوں کے متعدد حقوق ہیں جس کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہئے“ ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مال غنیمت بیجا طور سے نہ جمع کیا جائے“ ایک یہ کہ جب میرے ہاتھ میں خراج اور غنیمت آئے تو بیجا طور سے صرف نہ ہونے پائے“ ایک یہ کہ میں تمہارے روزینے پر معاویوں اور تمہاری سرحدوں کو محفوظ رکھوں“ ایک یہ کہ تم کو خطروں میں نہ ڈالوں۔“

ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے کہا کہ اتق اللہ جامعہ یعنی ”اے عمر خدا سے ڈر“۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کو روکا اور کہا کہ بس بہت ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”میں کہنے دو اگر یہ لوگ نہ کہیں تو یہ بے مصرف ہیں“ اور ہم لوگ نہ مانیں تو ہم ”ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ خلافت اور حکومت کے اختیارات اور حدود تمام لوگوں پر ظاہر ہو گئے تھے اور شخص شوکت اور اقتدار کا تصور دلوں سے جاتا رہا تھا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رومیوں کی سفارشات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے متعلق جو تقریر کی تھی وہ درحقیقت حکومت جمہوری کی اصل تصویر ہے اور حکومت جمہوری کی حقیقت آج بھی اس سے واضح تر اور صحیح تر نہیں بیان کی جاسکتی۔

نوعیت حکومت بنانے کے بعد ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نظام حکومت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

حکومت کے نظم و نسق میں جو چیز سب سے مقدم ہے یہ ہے کہ انتظام کے تمام مختلف صیغے ایک دوسرے سے ممتاز اور الگ الگ ہوں اور یہی ترقی و تمدن کی سب سے بڑی دلیل ہے جس طرح تمدن کی ابتدائی حالت میں مکانات کی یہ قطع ہوتی ہے کہ ایک ہی جگہ تمام ضرورتوں کے لئے کافی ہوتا ہے پھر جس قدر تمدن بڑھتا جاتا ہے کھانے، سونے، ملاقات کرنے، لکھنے پڑھنے اور دیگر ضروریات کے لئے جدا جدا کمرے بننے جاتے ہیں یہی حالت بالکل سلطنت

کی ہے ”ابتداءً تمدن میں انتظامات کے تمام صیغے ملے جلتے رہتے ہیں جو شخص صوبہ کا گورنر ہوتا ہے وہی لڑائی کے وقت سپہ سالار بن جاتا ہے مقدمات کے انفصال کے وقت وہی قاضی کا کام دیتا ہے۔ جرائم کی تعزیر میں وہی پولیس کی حیثیت رکھتا ہے جس قدر تمدن ترقی کرتا ہے۔ الگ الگ صیغے قائم ہوتے جاتے ہیں۔ اور ہر صیغے کا الگ افسر ہوتا ہے۔ انگریزی حکومت کو ۱۸۴۷ء میں لیکن جوڈیشل اور ایگزیکٹو اختیارات اب تک ملے جلتے ہیں۔ یعنی حاکم ضلع مان گزاری بھی وصول کرتا ہے اور مقدمات بھی فیصل کرتا ہے اور غیر آئینی اضلاع میں تو بہت زیادہ غلط بحث ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عجیب و غریب کارناموں میں ایک یہ بھی ہے کہ باوجود اس کے کہ اس وقت کا تمدن نہایت ابتدائی حالت میں تھا۔ اور سلسلہ حکومت کے تھکاؤ کو صرف چند برس گزرے تھے تاہم انہوں نے بہت سے شعبے جو مخلوط تھے الگ کر کے جدا گانہ چلنے قائم کئے۔ چنانچہ ان تمام شعبوں کو ہم تفصیل سے لکھتے ہیں۔

ملک کی تقسیم صوبجات اور اضلاع عمید اران ملکی

نظام حکومت کا ابتدائی سلسلہ جس پر تمام انتظامات متعین ہیں ملک کا مختلف حصوں میں تقسیم ہونا ہے جن کو صوبہ، ضلع اور پرگنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اسلام میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کی ابتداء کی اور اس زمانے کے موافق نہایت موزونی اور مناسب سے اس کے حدود قائم کئے۔ تمام موثرین نے اس کی تصریح کی ہے کہ انہوں نے ممالک مقبوضہ کو ۸ صوبوں میں تقسیم کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ صوبے

مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر، فلسطین، یمن، یثرب، نے ۸ صوبے بنائے۔ یہ صوبے تھے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ یہ انتظام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصر، بصرہ میں کیا تھا موثرین کا یہ بیان اگرچہ درحقیقت صحیح ہے لیکن اس میں ایک اجمال ہے جس کی تفصیل بتا دینی ضروری ہے فاروقی فتوحات کو جو وسعت حاصل تھی اس کے لحاظ سے صرف یہ ۸ صوبے کافی نہیں ہو سکتے تھے فارس، خوزستان، کرمان وغیرہ بھی آخر صوبے ہی کی حیثیت رکھتے تھے۔ اصل یہ ہے کہ جو ممالک فتح ہوئے ان کی جو تقسیم پہلے سے تھی اور نو مقامات صوبے

یا ضلع تھے اکثر جگہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی طرح رہنے دیئے اس لئے مؤرخین نے ان کا نام نہیں لیا۔ البتہ جو صوبے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قائم کئے ان کا ذکر ضرور تھا اور وہ یہی ۸ تھے لیکن یہ امر بھی ملحوظ القلب صحیح ہے ورنہ تاریخی تصدیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پچھلی تقسیم ملکی میں بھی تصرفات کئے تھے فلسطین پہلے ایک صوبہ شمار کیا جاتا تھا۔ اور اس میں مہ ضلع شامل تھے کھرجی میں جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود فلسطین جا کر معاہدہ امن لکھا تو اس صوبے کے دو حصے کر دیئے۔ ایک کا صدر مقام ایلیا اور دوسرے کا رملہ قرار دیا۔ اور جلقمہ بن حکیم و ملقمہ بن جعفر کو الگ الگ دونوں صوبوں میں متعین کیا۔ مصر کی نسبت ہم کو معلوم نہیں کہ فتح سے پہلے اس کی کیا حالت تھی لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو دو صوبوں میں تقسیم کیا۔ بالائی حصہ جس کو عربی میں صعید کہتے ہیں اور جس میں ۲۸ ضلع شامل تھے ایک الگ صوبہ قرار دے کر عبداللہ بن سعد ابی سرح کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ اور نشبی حصہ میں کھڑے ضلع شامل تھے اس پر ایک دوسرا افسر تعینات کیا۔ عمرو بن العاص بطور گورنر جنرل کے تھے۔

نوشیروانی عہد کے صوبے

فارس و فیوہ میں چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقریباً تمام نوشیروانی انتظامات بحال رہنے دیئے تھے اس لئے صرف یہ بتا دینا کافی ہے کہ نوشیروان کے عہد میں یہ ممالک کتنے حصوں میں منقسم تھے۔

مؤرخ یعقوبی (تاریخ یعقوبی صفحہ ۲۴۹-۲۵۰ جلد اول) نے لکھا ہے کہ نوشیروان کی سلطنت عراق کے علاوہ تین بڑے بڑے صوبوں میں منقسم تھی۔

خراسان : اس میں مفصل ذیل اضلاع شامل تھے۔

نیشاپور، ہرات، مو، مرو، قاریاب، طالقان، بلخ، بخارا، باغیس، باور، غرستان، طوس، سرخس، جرجان۔

آذربائیجان : اس میں مفصل ذیل اضلاع شامل تھے۔

طبرستان، رے، قزوین، زنجان، قم، اصفہان، ہمدان، نماوند، وینور، حلوان، ماسندان، طبرستان، قزوین، شروز، سامغان، آذربائیجان۔

فارس : اس میں مفصل ذیل اضلاع شامل تھے۔

اسطخر، شیراز، نوبندجان، بوزگادون، قبادار، بجو، اردشیر خرم، ساہور، ابواز، چندیاربور، سوس، نہر تیری، منادر، کستو، اینج، رام ہرمز۔

صوبوں کے افسر

صوبوں میں مفصل ذیل بڑے بڑے عہدہ دار رہتے تھے۔ والی یعنی حاکم صوبہ، کاتب یعنی میرٹھی، کاتب دیوان یعنی وفتروج کا میرٹھی، صاحب الخراج یعنی کلکٹر صاحب امداد یعنی افسر پولیس، صاحب بیت المال یعنی افسر خزانہ، قاضی یعنی صدر الصدور و منصف چنانچہ کوفہ میں عمار بن یاسروالی، عثمان بن حنیف، کلکٹر عبداللہ بن مسعود افسر خزانہ، شریح قاضی، عبداللہ بن خلف الخزانہ کاتب دیوان تھے۔ ہر صوبے میں ایک یا کئی جگہ بھی رہتا تھا لیکن اکثر حالتوں میں صوبے کا عامل ہی اس خدمت پر بھی مامور ہوتا تھا۔ پولیس کا محکمہ بھی جہاں تک ہم کو معلوم ہے ہر جگہ الگ نہ تھا۔ اکثر کلکٹر یا عامل اس خدمت کو بھی انجام دیتا تھا۔ مثلاً عمار بن یاسر جس وقت کوفہ کے حاکم تھے پولیس کا کام بھی انہی کے سپرد تھا۔ بحرین میں قدامت بن خلفون صاحب الخراج تھے اور پولیس کا کام بھی کرتے تھے۔ والی کا اشاف و سبغ اور مستقل اشاف ہوتا تھا اور اس کے ممبر خود دربار خلافت کی طرف سے مامور ہوتے تھے عمار کو جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا تو دس معزز آدمی ان کے اشاف میں دیئے جن میں ایک قوط خروزی بھی تھے (مسند القاضی ص ۱۰۱)۔

میرٹھی قابل تفریاد و تفریح میں یکتا ہوتا تھا ابو موسیٰ اشعری جو بصرہ کے گورنر تھے ان کا میرٹھی زید بن عیہ تھا۔ جس کی فصاحت و بلاغت پر خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حیران رہ گئے تھے اور عمرو بن العاص کہا کرتے تھے کہ اگر یہ نوجوان قریش کی نسل سے ہوتا تو تمام عرب اس کے علم کے نیچے آجاتا۔

اضلاع میں بھی عامل، افسر خزانہ اور قاضی و فیوہ ہوتے تھے۔ اور یہ سب گورنر کے ماتحت اور اس کے زیر حکومت کام کرتے تھے۔ پرگنوں میں غالباً صرف تحصیلدار رہتے تھے اور اس کے ساتھ اس کا عملہ ہوتا تھا۔

صوبجات اور اضلاع کی تقسیم کے بعد سب سے مقدم جو چیز تھی ملکی عہدیداران کا انتخاب اور ان کی کاروائی کا دستور العمل بنانا تھا۔ کوئی فرمانروا کتنا ہی بیدار مغز اور کوئی قانون کتنا ہی عمل ہو۔ لیکن جب تک حکومت کے اعضاء و جواس یعنی عہدیداران ملکی قابل لاائق راہبناز اور

متدین نہ ہوں اور ان سے نہایت بیدار مغزی کے ساتھ کام نہ لیا جائے ملک کو کبھی ترقی نہیں ہو سکتی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس باب میں جس نکتہ رسی اور تدبیر و سیاست سے کام لیا انصاف یہ ہے کہ تاریخ عالم کے ہزاروں ورق الٹ کر بھی اس کی نظیر نہیں ملتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جو ہر شناسی

اس سرطلے میں اس بات سے ہنی مدد ملی کہ ان کی طبیعت شروع سے جو ہر شناس واقع ہوئی تھی۔ یعنی جس شخص میں جس قسم کی قابلیت ہوتی تھی وہ اس کی تہ کو پہنچ جاتے تھے اس کے ساتھ انہوں نے ملک کے قاتل آدمیوں سے واقفیت بہم پہنچائی تھی۔ یہی بات تھی کہ انہوں نے جس شخص کو جو کام دیا اس کے انجام دینے کے لئے اس سے بڑھ کر آدمی نہیں مل سکتا تھا۔ عرب میں چار شخص تھے جن کو وہابہ العرب کہا جاتا تھا۔ یعنی جو فن سیاست و تدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیبہ بن شعبہ۔ زیاد بن سمیہ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زیاد کے سوا تینوں کو بڑے بڑے ملکی عہدے دیئے اور چونکہ یہ لوگ صاحب ادعا بھی تھے اس لئے اس طرح ان پر قابو رکھا کہ کبھی کسی قسم کی خود سری نہ کرنے پائیں۔ زیاد ان کے زمانے میں شانزہ سالہ نوجوان تھا۔ اس لئے اس کو کوئی بڑا عہدہ نہیں دیا لیکن اس کے قابلیت اور استعداد کی بناء پر ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ کاروبار حکومت میں اس کو مشیر کا بیٹا نہیں، فن حرب میں عمرو معدی کرب اور طلحہ بن خالد نہایت ممتاز تھے۔ لیکن تدبیر و سیاست میں ان کو دخل نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کو نعمان بن مقرن کی ماتحتی میں عراق کی فتوحات پر مامور کیا۔ لیکن نعمان کو لکھ بھیجا کہ ان کو کسی صفیٰ کی افری نہ دینا۔ کیونکہ ہر شخص اپنا فن خوب جانتا ہے۔ عبد اللہ بن ارقم ایک معزز صحابی تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے ایک جواب طلب تحریر آئی۔ آپ نے فرمایا اس کا جواب کون لکھے گا؟ عبد اللہ بن ارقم نے عرض کی کہ ”میں“ یہ کہہ کر خود اپنی طبیعت سے جواب لکھ کر لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو نہایت پسند فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے ان کی اس قابلیت پر ان کا خاص خیال ہوا۔ اور جیسا کہ ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے یہ اثر ان کے دل میں بیش بہا قائم رہا۔ یہاں تک کہ جب خلیفہ ہوئے تو ان کو میر مثنیٰ مقرر کیا۔

نماوند کی عظیم الشان مہم کے لئے جب مجلس شوریٰ کا عام اجلاس ہوا اور حضرت

۱۔ اہل اللہ تذکرہ منجمہ بن شہید۔ ۲۔ انتخاب قاضی۔ ۳۔ ابو جہری صفحہ ۱۸۷

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رائے طلب کی کہ اس مہم پر کون بھیجا جائے؟ تو تمام مجمع نے اتفاق کیا کہ آپ کو جو واقفیت ہے اور آپ نے ایک ایک کی قابلیت کا جس طرح اندازہ کیا ہے کسی نے نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نعمان بن مقرن کا نام لیا۔ اور سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ”یہ انتخاب بالکل بجا ہے“۔ غار بن یا سریدے رتبے کے صحابی تھے۔ اور زہد و تقویٰ میں بینظیر تھے۔ لیکن سیاست و تدبیر سے آشنا نہ تھے۔ قبولیت عام اور بعض مصلحتوں کے لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا۔ لیکن چند روز کے بعد جب ان سے کام چل نہ سکا تو معنول کر دیا اور ان کے طرفداروں کو دکھا دیا کہ وہ اس کام کے لئے سوزنوں نہ تھے۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ جن کا استثناء نہیں کیا جاسکتا، کسی شخص کو شوق ہو تو رجال کی کتابوں سے عرب کے تمام لائق آدمیوں کا پتہ لگائے اور پھر دیکھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان پر زوں کو حکومت کی گل میں کیسے مناسب موقعوں پر لگایا تھا۔ تاہم اتنا بڑا کام صرف ایک شخص کی ذمہ داری پر چھوڑا نہیں جاسکتا تھا۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجلس شوریٰ منعقد کی۔ اور صحابہ سے خطاب کر کے کہا کہ ”اگر لوگ میری مدد نہ کریں گے تو کون کرے گا“۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ ”ہم آپ کو مدد دیں گے“۔ لیکن اس وقت ملکی انتظام میں حصہ لینا زہد اور تقدس کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ”اے عمر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو دنیا میں اکوڑہ کرتے ہو“۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”میں ان بزرگوں سے مدد نہ لوں تو کس سے لوں“ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”اگر ایسا ہی ہے تو تنخواہیں پیش مقرر کرو کہ لوگ خیانت کی طرف سائل نہ ہوئے پائیں۔ غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کی رائے و مشورت سے نہایت دیانتدار اور قاتل لوگ انتخاب کئے اور ان کو ملکی خدمتیں پہنچائیں۔

عہدیداروں کے مقرر کرنے کے لئے مجلس شوریٰ

اہم خدمات کے لئے مجلس شوریٰ کے عام اجلاس میں انتخاب ہوتا تھا۔ اور جو شخص تمام ارکان مجلس کی طرف سے انتخاب لیا جاتا تھا۔ وہ اس خدمت پر مامور ہوتا تھا۔ چنانچہ عثمان بن حنیف کا تقرر اسی طریقے سے ہوا تھا۔ بعض اوقات صوبے یا ضلع کے لوگوں کو حکم بھیجتے تھے کہ جو شخص تمام لوگوں سے زیادہ قابل ہو اس کا انتخاب کر کے بھیجو۔ چنانچہ

۱۔ کتاب التراز صفحہ ۵۵ اصل عبارت۔ ۲۔ ابن عمر بن الخطاب و اہل اصحاب رسول اللہ فقال اولہم تعینونی فمن یعنی الخ۔ ۳۔ کتاب التراز صفحہ ۵۴

ابھی منتخب لوگوں کو وہاں کا عامل مقرر کرتے تھے عثمان بن فرقہ، معن بن یزید، حجاج بن عطاء اسی قاعدے کے موافق مقرر کئے گئے تھے چنانچہ ہم اس کی تفصیل اوپر لکھ آئے ہیں۔

تنخواہ کا معاملہ

ایک وقت یہ تھی کہ لوگ کسی خدمت کے معاوضے میں تنخواہ لینا پسند نہیں کرتے تھے اور اس کو نہ وہ تقدس کے خلاف سمجھتے تھے بیحد اسی طرح جس طرح آجکل کے مقدس واعظوں کو اگر کہا جائے کہ وہ باقاعدہ اپنی خدمتوں کو انجام دیں اور مشاہرو لیں تو ان کو نہایت ناگوار ہو گا۔ لیکن مذکورہ نیاز کے نام سے جو رقیب ملتی ہیں اس سے ان کو احتراز نہیں ہوتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی بہت سے لوگ اس غلطی میں مبتلا تھے لیکن یہ امر تمدن اور اصول انتظام کے خلاف تھا۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی کوشش سے اس غلطی کو رفع کیا اور تنخواہیں مقرر کیں۔ ایک موقع پر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مشہور صحابی اور سپہ سالار تھے حق اندست لینے سے انکار کیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی مشکل سے ان کو راضی کیا۔ حکیم بن خرام نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بار بار اصرار پر بھی کبھی وظیفہ روزینہ لینا گوارہ نہ کیا۔

(کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۲۲)

عالموں کے فرائض میں ان کے فرائض کی تفصیل

جو شخص عامل مقرر ہوتا تھا۔ اس کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا۔ جس میں اس کی تقرری اور اختیارات اور فرائض کا ذکر ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ بہت سے مجاہدین اور انصار کی گواہی ثبت ہوتی تھی عامل جس مقام پر جاتا تھا تمام لوگوں کو جمع کر کے یہ فرمان پڑھتا تھا۔ جس کی وجہ سے لوگ اس کے اختیارات اور فرائض سے واقف ہو جاتے تھے اور جب وہ ان اختیارات کی حد سے آگے قدم رکھتا تھا تو لوگوں کو اس پر گرفت کا موقع ملتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات کا سخت اہتمام تھا کہ عالموں کے جو فرائض ہیں ایک ایک ان سے واقف ہو جائے چنانچہ بارہا مختلف مقامات اور مختلف موقعوں پر اس کے حلق خطبے دیئے ایک خطبے میں جو مجمع عام میں دیا تھا۔ عالموں کو خطاب کر کے یہ الفاظ فرمائے۔

الا وانی لم ابعثکم امراء ولا جبارین ولكن بعثکم ائمة لہدنی

جو طریقہ صحیح ہے (تہذیب بن ایمان) اسے بھی اس کی تفسیر ہوتی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

بہتندی بکم فادوا علی المسلمین حقوقہم ولا تضربوہم

فتذلوہم ولا تعذبوہم فتفتنوہم ولا تغلقوا الابواب دونہم

فما کل قویہم ضعیفہم ولا تستأثروا علیہم فتظلموہم

"یاد رکھو کہ میں نے تم لوگوں کو امیر اور سخت گیر مقرر کر کے نہیں

بھیجا ہے بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمہاری تقلید کریں تم لوگ

مسلمانوں کے حقوق ادا کرو ان کو زور و کوب نہ کرو کہ وہ ذلیل ہوں

ان کی بیجا تعریف نہ کرو کہ غلطی میں پڑیں ان کے لئے اپنے

دروازے بند نہ رکھو کہ زبردست کمزوروں کو کھاجائیں ان سے کسی

بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہ دو کہ یہ ان پر ظلم کرنا ہے۔"

جب کوئی شخص ہمیں کا عامل مقرر کیا جاتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ

کے ایک پرے گروہ کے سامنے اس کو فرمان تقرری عنایت کرتے تھے اور ان صحابہ کو گواہ مقرر

کرتے تھے جس سے یہ مقصد تھا کہ جو شخص مقرر کیا جاتا تھا۔ اس کی لیاقت اور فرائض کا

اطلاع ہو جائے۔

عالموں سے جن باتوں کا عہد لیا جاتا تھا

ہر عامل سے عہد لیا جاتا تھا کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہو گا۔ باریک کپڑے نہ پہنے

گا۔ چھتا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔ دروازے پر دربان نہ رکھے گا۔ اہل حاجت کے لئے دروازہ نہ بند

کھلا رکھے گا۔ یہ شرطیں اکثر پرواؤ تقرری میں درج کی جاتی تھیں۔ ان کو مجمع عام پر پڑھ کر سنایا

جاتا تھا۔

عالموں کے مال و اسباب کی فہرست

جس وقت کوئی عامل مقرر ہوتا تھا اس کے پاس جس قدر مال اور اسباب ہوتا تھا۔

اس کی مفصل فہرست تیار کر کے محفوظ رکھی جاتی تھی اور اگر عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی

ترقی ہوتی تھی۔ تو اس سے مواخذہ کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ اکثر شمال اس بلا میں مبتلا ہوئے

خالد بن معن نے اشعار کے ذریعے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی اطلاع دی۔

۱۔ کتاب الخزان صفحہ ۶۳ میں ہے کان عمرا و استعمل رجلا اشہد علیہ رفقاً من الانصار۔

۲۔ کتاب الخزان صفحہ ۶۳۔

۳۔ قوت البدان صفحہ ۲۸ میں ہے کان عمر الخطاب بکتب اموال اعمالہ اذا فلاحہم لم یقاسمہما و غیر

ہذا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کی موتوں کا جائزہ لے کر آجھا تو حمال بٹالیا۔ اور بیت المال میں داخل کر دیا۔ اشعار میں سے چند شعر یہ ہیں۔

ابلیح امیر المؤمنین رسالة
فانت امين الله في المال والامر
فلاتدعن اهل الرساتق والقرى
يسفون مال الله في الادم الوفور
فارسل الى الحجاج لاعرف حسابه
وارسل الى جزوارسل الى بشر
ولا تنسين النافعين كليهما
ولا ابن غلاب من سراة بني نصر
وما عاصم منها لصفير عابه
وذاك الذي في السرق مولی بن بدر
وشلا لسل المال وابن محرش
فقد كان لي اهل الرساتق فاذا ذكر
نوب اذا ابوا وففروا غروا
لفني لهم وفر ولسنا اولي وفر
اذا التاجر الداری جاء بقلرة
من المسك راحت في صفولهم تجری

زمانہ حج میں تمام عاملوں کی طلبی

تمام عمال کو حکم تھا کہ ہر سال حج کے زمانے میں حاضر ہوں حج کی تقریب سے پہلے تمام اطراف کے لوگ موجود ہوتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو کر باطلان کہتے تھے کہ جس کسی کو کسی عامل سے کچھ شکایت ہو تو پیش کرے۔ چنانچہ ذرا ذرا سی شکایتیں پیش ہوتی تھیں اور تحقیقات ہو کر ان کا تدارک کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت بڑا مجمع کر کے خطبہ دیا اور کہا کہ ”ساحبو! عمال جو مقرر کر کے بھیجے جاتے

۱۔ تاریخ طبری صفحہ ۳۶۸ میں ہے وکان من صدہ عمر و سیرتہ یاخذ عمالہ بموافاقۃ الحج فی کل سنۃ للہ۔
والحجر ہم بدانہ عن الرعبۃ لیکون لشکاۃ الرعبۃ وقتنا وغایۃ یبہر تھا فہد البید ۴

ہیں اس لئے نہیں بھیجے جاتے کہ طمانچہ ماریں یا تمہارا مال چھین لیں بلکہ میں ان کو اس لئے بھیجتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ سکھائیں۔ سو اگر کسی عامل نے اس کے خلاف کیا تو مجھ سے بیان کرو تاکہ میں اس کا انتقام لوں۔ عمویہن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مصر کے گورنر تھے اٹھ کر کہا کہ ”اگر کوئی عامل ادب دینے کے لئے کسی کو مارے گا تب بھی آپ اس کو سزا دیں گے؟“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ضرور میں سزا دوں گا کیونکہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ خبردار مسلمانوں کو نہ مارا کرو ورنہ وہ ذلیل ہو جائیں گے۔ ان کے حقوق تلف نہ کرو۔ ورنہ کفرانِ نعمت پر مجبور ہوں گے۔

ایک دفعہ حسب معمول تمام عمال حاضر تھے۔ ایک شخص اٹھا اور کہا کہ ”آپ کے عامل نے مجھ کو بے قصور سو کوڑے مارے ہیں۔“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہیں مجمع عام میں عامل کو سو کوڑے لگائے۔ عمویہن العاص نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ امر عمال پر گراں ہو گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ظلم سے انتقام نہ لوں۔“ عمویہن العاص نے منت کر کے مستغیث کو اس شرط پر راضی کیا کہ ایک ایک تازیانے کے عوض میں دودھ اشرفیاں لے کر اپنے حق سے باز آئے۔

(آداب المران صفحہ ۴۱)

عاملوں کی تحقیقات

وفاؤتاً عمال کی جو شکایتیں پیش ہوتی تھیں۔ ان کی تحقیقات کے لئے ایک خاص عہدہ قائم کیا۔ جس پر محمد بن مسلمہ انصاری مامور تھے۔ یہ بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر کام میں ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہم پر تشریف لے گئے تو ان کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کرتے گئے۔ ان وجوہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے بڑے کام کے لئے انہی کو انتخاب کیا، جب کسی عامل کی شکایت آتی تھی تو یہ تحقیقات پر مامور ہوتے تھے۔ اور موقع پر جا کر جماع عامہ میں لوگوں کا اظہار لیتے تھے ۱۱ ہجری میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے قادیہ کی مہم سر کی تھی۔ اور کوفہ کے گورنر تھے ان کی نسبت لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

۱۔ اسد الغابہ تذکرہ محمد بن مسلمہ میں ہے فہو کان صاحب العمال ایام عمر کان عمر اذا شکى الیہ عامل ارسل محمداً لیکشف الحال وهو القبی ارسلہ عمر الی عاملہ لیا غشطہ اموالہم طبری نے تلف مقامات میں تصریح کی ہے کہ محمد بن مسلمہ عمال کی تحقیقات پر مامور تھے۔

عزہ کے پاس جا کر شکایت کی یہ وہ وقت تھا کہ ایرانیوں نے بڑے زور شور سے لڑائی کی تیاریاں کی تھیں اور لاکھ لاکھ فوج لے کر نہاد کے قریب آ پہنچے تھے مسلمانوں کو سخت تردد تھا۔ اور ان کے مقابلے کے لئے کوفہ سے فوجیں روانہ ہو رہی تھیں۔ عین اسی حالت میں یہ لوگ پہنچے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ نہایت تنگ اور پرخطر وقت ہے تاہم یہ تردد مجھ کو سعد بن ابی وقاص کی تحقیقات سے نہیں روک سکتا۔ اسی وقت محمد بن مسلمہ کو کوفہ روانہ کیا۔ انہوں نے کوفہ کی ایک ایک مسجد میں جا کر لوگوں کے اظہار لئے اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ میں آئے۔ یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود ان کا اظہار لیا۔ (یہ پوری تفصیل تاریخ طبری صفحہ ۲۸۸ تا ۲۸۹ میں ہے۔ صحیح بخاری میں بھی اس واقعہ کا اشارہ ہے۔ دیکھو کتاب ذکر جلد اول صفحہ ۳۳ مطبوعہ میرٹھ)

کمیشن

بعض اوقات کمیشن کے طور پر چند آدمی تحقیقات کے لئے بھیجے جاتے تھے۔ چنانچہ اس قسم کے متعدد واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں، بعض اوقات ابتدائے حال کو مدینہ بلا کر براہ راست تحقیقات کرتے تھے اور اکثر یہ اس وقت ہوتا تھا جب کہ عامل صوبہ کا حاکم یا معزز افسر ہوتا تھا۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بصرہ کے گورنر تھے ان کی نسبت جب شکایت گذری تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مستفیث کا بیان خود اپنے ہاتھ سے قلمبند کیا۔ اور ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے حضور میں بلوا کر تحقیقات کیں الزامات یہ تھے

① ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسیران جنگ میں سے ۳۰ رئیس زاوے چھانٹ کر اپنے لئے رکھے ہیں۔

② ان کی ایک لودھی ہے جس کو دونوں وقت نہایت عمدہ غذا بہم پہنچائی جاتی ہے۔ حالانکہ اس قسم کی ایک غذا عام مسلمانوں کو میسر نہیں آسکتی۔

③ کاروبار حکومت زیادہ تر سید کو سپرد کر رکھا ہے اور وہی سیاہو سفید کا مالک ہے۔

تحقیقات سے پہلا الزام غلط ثابت ہوا۔ تیسرے الزام کا ابو موسیٰ نے یہ جواب دیا کہ زیادہ سیاست و تدبیر کا آدمی ہے اس لئے میں نے اس کو اپنا مشیر بنا رکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زیادہ کو طلب کیا اور امتحان لیا۔ تو حقیقت میں قابل آدمی تھا۔ اس لئے خود بصرہ کے حکام کو ہدایت کی کہ زیادہ کو مشیر کار بنائیں۔ دوسرا الزام پیش ہوا تو ابو موسیٰ کچھ جواب

نہ دے سکے چنانچہ لودھی ان سے چھین لی گئی۔ (طبری صفحہ ۲۸۸ تا ۲۸۹)

عالموں کی خطاؤں پر سخت گرفت کی جاتی تھی۔ خصوصاً ان باتوں پر جن سے ترفع اور امتیاز یا نمود و فخر ثابت ہوتا تھا۔ سخت مواخذہ کیا جاتا تھا۔ جس عامل کی نسبت ثابت ہوتا تھا کہ بیمار کی عیادت نہیں کرتا یا کنوڑ اس کے دربار میں بار نہیں پاتا تو وہ فوراً موقوف کر دیا جاتا تھا۔ (کتاب الخراج صفحہ ۳۲۸)

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار میں پھر رہے تھے ایک طرف سے آواز آئی کہ "عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا عالموں کے لئے چند قواعد کے مقرر کرنے سے تم عذاب الہی سے بچ جاؤ گے تم کو یہ خبر ہے کہ عیاض بن غنم جو مصر کا عامل ہے باریک کپڑے پہنتا ہے اور اس کے ڈھانچے پر دربان مقرر ہے۔" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محمد بن مسلمہ کو بلایا اور کہا کہ عیاض کو جس حالت میں پاؤں ساتھ لے آؤ۔ محمد بن مسلمہ نے وہاں پہنچ کر دیکھا تو واقعی دوواڑے پر دربان تھا۔ اور عیاض باریک کپڑے کا کرتہ پہنے بیٹھے تھے اسی وقت اور لباس میں ساتھ لے کر مدینہ آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کرتہ اتروا کر مکمل کا کرتہ پہنایا۔ اور بکریوں کا ایک گلہ منگوا کر حکم دیا کہ "جنگل میں لے جا کر چرواؤ" عیاض کو انکار کی تو بھال نہ تھی۔ مگر بار بار کہتے تھے کہ اس سے مرعانا بہتر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "تجھ کو اس سے عار کیوں ہے۔ تیرے باپ کا نام غنم اسی وجہ سے پڑا تھا کہ وہ بکریاں چراتا تھا" غرض عیاض نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے۔ (کتاب الخراج صفحہ ۳۲۹)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ میں اپنے لئے محل بنوایا تھا جس میں ڈیوڑھی بھی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خیال سے کہ اس سے اہل حاجت کو رکاؤ ہو گا۔ محمد بن مسلمہ کو مامور کیا کہ جا کر ڈیوڑھی میں آگ لگا دیں۔ چنانچہ اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور سعد بن ابی وقاص چپکے دیکھتے گئے۔

اس قسم کی باتیں اگرچہ بظاہر قابل اعتراض ہیں۔ کیونکہ لوگوں کے طرز معاشرت و ذاتی افعال سے تعرض کرنا اصول آزادی کے خلاف ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام ملک میں مساوات اور جمہوریت کی جو روح پھونک چاہتے تھے وہ بغیر اس کے ممکن نہ تھی کہ وہ خود اور ان کے دست و پاؤں یعنی ارکان سلطنت اس رنگ میں ڈوبے نظر آئیں۔ عام آدمیوں کو اختیار ہے کہ جو چاہیں کریں۔ ان کے افعال کا اثر بھی انہیں تک محدود رہے گا۔ لیکن جو لوگ سلطنت کے ارکان ہیں ان کے طرز معاشرت کا ممتاز ہونا

لوگوں کے دلوں میں اپنی حقارت کا خیال پیدا کرتا ہے اور رفتہ رفتہ اس قسم کی باتوں سے سلطنت محض کی وہ تمام خصوصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ ایک شخص آقا اور باقی تمام لوگ غلام ہیں۔ اس کے علاوہ جو شخص عرب کی فطرت سے واقف ہے وہ با آسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس قسم کی باتیں پولیٹیکل مصالح سے خالی نہ تھیں۔ مساوات اور عدم ترجیح جس کو آج کل اصطلاح میں سوشلزم کہتے ہیں۔ عرب کا اصلی مذاق ہے اور عرب میں جو سلطنت اس اصول پر قائم ہوگی وہ یقیناً بہ نسبت اور ہر قسم کی سلطنت کے زیادہ کامیاب ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ احکام زیادہ تر عرب کی کتابوں میں محدود تھے۔ ورنہ امیر معاویہ شام میں بڑے سروسامان سے رہتے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے کچھ تعرض نہیں کرتے تھے۔ شام کے سفر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے خدمت و حشم کو دیکھ کر اس قدر کہا کہ اکسوانہ؟ یعنی یہ نوشیروانی جاہ و جلال کیسا؟ مگر جب انہوں نے جواب دیا کہ یہاں رومیوں سے سابقہ رہتا ہے اور ان کی نظر میں بغیر اس کے سلطنت کا رعب و داب نہیں قائم رہ سکتا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر تعرض نہیں کیا۔

عمال کی دیانت اور راجسبازی کے قائم رکھنے کے لئے نہایت عمدہ اصول یہ اختیار کیا تھا۔ کہ تنخواہیں پیش مقرر کی تھیں یورپ نے مدتوں کے تجربے کے بعد اصول سیکھا ہے۔ اور ایشیائی سلطنتیں تو اب تک اس راز کو نہیں سمجھیں جس کی وجہ سے رشوت اور خبن ایشیائی سلطنتوں کا خاصہ ہو گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اگرچہ معاشرت نہایت ارزاں اور روپیہ گراں تھا۔ تاہم تنخواہیں علی قدر مراتب عموماً پیش قرار تھیں۔ صوبہ و امول کی تنخواہ پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھی۔ اور غنیمت کی تقسیم سے جو ملتا تھا وہ الگ۔ چنانچہ امیر معاویہ کی تنخواہ ہزار دینار یا ہوا یعنی پانچ ہزار روپے تھی۔

(استیعاب قاضی ابن عبد البر اور از اللہ الخفاء جلد دوم صفحہ ۱۰)

اب ہم عمالان فاروقی کی ایک انتہائی فہرست درج کرتے ہیں جس سے اندازہ ہو گا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکومت کی کل میں کس قسم کے پرو استعمال کئے تھے۔

نام	مقام	عمدہ	کیفیت
ابو عبیدہ	شام	والی	مشہور صحابی اور مشہور ہمشویں داخل ہیں
یزید بن ابی سفیان	شام	والی	تمام ہوائیہ میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص لائق نہ تھا۔

امیر معاویہ	شام	والی	سیاست و تدبیر میں مشہور ہیں۔
مہد بن العاص	مصر	والی	مصر انہی نے فتح کیا۔
سعد بن ابی وقاص	کوفہ	والی	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔
حبیب بن غزوہ	بصرہ	والی	مہاجرین میں سے ہیں مہد انہی نے آباد کرایا۔
ابو موسیٰ اشعری	بصرہ	والی	مشہور جلیل القدر صحابی ہیں۔
عتاب بن اسید	مکہ معظمہ	والی	آنحضرت نے ان کو مکہ معظمہ کا عامل مقرر کیا تھا۔
ناقص بن عبد الحارث	مکہ معظمہ	والی	فصلائے صحابہ میں سے ہیں۔
خالد بن العاص	مکہ معظمہ	والی	ابو موسیٰ کے بھتیجے اور معزز شخص تھے۔
حسان بن ابی العاص	طائف	والی	آنحضرت کے بھتیجے اور پیچھا دو چھاپا تو طائف کے لوگوں کو انہی نے قتل کیا تھا۔
علی بن امیہ	بحین	والی	صحابہ میں سے تھے اور قیاضی میں شہرت عام رکھتے تھے۔
علاء بن الحسین	بحین	والی	بڑے صاحب اثر تھے۔ آنحضرت نے ان کو بحین کا عامل مقرر کیا تھا۔
نعمان	مدین	صاحب الخراج	صاحب کتاب اور پائش کے کام میں نہایت ماہر تھے۔
حسان بن حنیف	اضلاع فرات	کاشف بدو	جزیرہ انہی نے فتح کیا تھا۔
عیاض بن حنیف	جزیرہ	والی	حضرت عثمان کی نہایت عزت کرتے تھے۔
عمیر بن سعد	تمس	والی	مشہور صحابی اور آنحضرت کے رازدار تھے۔
حذیفہ بن الیمان	مدائن	والی	بڑے خاندان کے آدمی تھے۔
ناقص بن عبد الحارث	اصفہان	افسر فرات	اکابر صحابہ میں ہیں۔
خالد بن حارث	اصفہان	افسر فرات	صحابہ میں سے اول انہی کو وراثت کا مال ملا۔
سمرقہ بن جندب	سوق الاہواز	کاشف	موصول میں انہی نے فتنی چھاؤنی بنوائی۔
نعمان بن عبدی	میان	کاشف	موصول میں انہی نے فتنی چھاؤنی بنوائی۔
غزوہ بن جندب	موصول	کاشف	موصول میں انہی نے فتنی چھاؤنی بنوائی۔

صیغہ محاصل

خراج

خراج کا طریقہ عرب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایجاد کیا

خراج کا نظم و نسق عرب کی تاریخ تمدن میں ایک نیا اضافہ تھا۔ اسلام سے پہلے اگرچہ عرب کے مختلف خاندان تاج و تخت کے مالک ہوئے جنہوں نے سلطنت کے تمام کاربار قائم کر دیئے تھے لیکن محاصل کا باقاعدہ انتظام بالکل موجود نہ تھا۔ اسلام کے آغاز میں اس قدر ہوا کہ جب خیبر فتح ہوا تو یہودیوں نے درخواست کی کہ زراعت کا کام ہم اچھا جانتے ہیں اس لئے زمین ہمارے ہی قبضے میں چھوڑ دی جائے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور کر لی اور بٹائی پر معاملہ ہو گیا۔ اس کے سوا جن مقامات کے باشندے سب مسلمان ہو گئے تھے ان کی زمین پر عشر مقرر کر دیا۔ جو ایک قسم کی زکوٰۃ تھی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں عراق کے کچھ حصے فتح ہوئے لیکن خراج وغیرہ کا کچھ انتظام نہ ہوا۔ بلکہ سرسری طور پر کچھ رقم مقرر کر دی گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب مہملت کی طرف سے فی الجملہ اطمینان ہوا یعنی امر ہجری میں اوہ عراق عرب پر پورا قبضہ ہو گیا۔ اور اس طرف یہ سوک کی فتح نے رومیوں کی قوت کا استیصال کر دیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خراج کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی۔ اس مرحلے میں پہلی یہ مشکل پیش آئی کہ امرائے فوج نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات صلح کے طور پر ان کی جاگیر میں عنایت کئے جائیں۔ اور باشندوں کو ان کی غلامی میں دے دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عراق کی فتح کے ساتھ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہاں کی موم شامی کے لئے حکم دیا تھا۔ سعد نے نہایت جانچ کے ساتھ موم شامی کا کٹھ مرتب کر کے بھیجا۔ کل باشندوں اور اہل فوج کی تعداد کا موازنہ کیا گیا۔ تو ایک ایک مسلمان کے حصے تین تین آدمی پڑتے تھے اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ رائے قائم ہو چکی تھی کہ زمین باشندوں کے قبضہ میں رہے دی جائے اور ان کو ہر طرح پر آزاد چھوڑ دیا جائے۔ لیکن انکار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے عبدالرحمن بن عوف

۱۔ طبری ص ۳۷۷ و فوج البلدان ص ۳۸۸ کتاب الخراج ص ۱۰۰

رضی اللہ تعالیٰ عنہ و فیہ اہل فوج کے ہم زبان تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قدر کہہ دی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حق ہو کر فرمایا اللھم کفنی ہلالاً یعنی ”اے خدا مجھ کو ہلال سے نجات دے“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ استدلال پیش کرتے تھے کہ اگر ممالک مفتوحہ فوج کو تقسیم کر دیئے جائیں تو آئندہ افواج کی تیاری بیوقوفی حملوں کی حفاظت ملک کے امن و امان قائم رکھنے کے مصارف کہاں سے آئیں گے۔ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے کہ جن کی کمزوریوں نے ملک کو فتح کیا ہے انہی کو قبضے کا بھی حق ہے۔ آئندہ نسلیں مفت کیونکر پاسکتی ہیں۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت کا جمہوری طریقہ تھا۔ یعنی جو فیصلہ ہوتا تھا کثرت رائے پر ہوتا تھا۔ اس لئے عام اجلاس ہوا۔ جس میں تمام قواء ماجرین و انصار میں سے پانچ قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج کے سردار و وکیل کے طور پر شریک ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے سے اتفاق کیا۔ تاہم کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ کئی دن تک یہ مرحلہ رہا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا استدلال

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہ قرآن مجید کی ایک آیت یاد آئی جو بحث کے لئے نص قاطع تھی یعنی للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم الخ اس آیت کے آخر میں فقرے والذين جاورا من بعدہم سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ استدلال کیا کہ فتوحات میں آئندہ نسلیں کا بھی حق ہے لیکن اگر فاتحین کو تقسیم کر دیا جائے تو آنے والی نسلیں کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کفرے ہو کر نہایت پر زور تقریر کی اور اس آیت کو استدلال میں پیش کیا۔ تمام لوگ بول اٹھے کہ ”بے شبہ آپ کی رائے بالکل صحیح ہے“ اس استدلال کی بناء پر یہ اصول قائم ہو گیا کہ جو ممالک فتح کئے جائیں وہ فوج کے ملک نہیں ہیں بلکہ حکومت کے ملک قرار پائیں گے اور پچھلے قابضین کو بیدخل نہیں کیا جائے گا۔ اس اصول کے قرار پانے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ممالک مفتوحہ کے بعدیست پر توجہ کی۔

۲۔ کتاب الخراج ص ۱۰۰

عراق کا بندوبست

عراق چونکہ عرب سے نہایت قریب اور عربوں کے آباد ہو جانے کی وجہ سے عرب کا ایک صوبہ بن گیا تھا۔ سب سے پہلے اس سے شروع کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک یہ بھی اصول تھا کہ ہر ملک کے انتظام میں وہاں کے قدیم رسم و رواج سے واقفیت حاصل کرتے تھے اور اکثر حالتوں میں کسی قدر اصلاح کے ساتھ قدیم انتظامات کو بحال رکھتے تھے۔ عراق میں اس وقت مال گزاری کا جو طریقہ جاری تھا یہ تھا کہ ہر ایک قسم کی مزدور زمین پر ایک خاص شرح کے لگان مقرر تھے۔ جو تین سطحوں میں ادا کئے جاتے تھے۔ یہ طریقہ سب سے پہلے قبائلی قبائل نے قائم کیا تھا۔ اور نو شیروان نے اس کی تکمیل کی تھی۔ نو شیروان تک تعین لگان میں یہ اصول ملحوظ رہتا تھا کہ اصل پیداوار کے نصف سے زیادہ نہ ہونے پائے۔ لیکن خسرو پرویز نے اس پر اضافہ کیا۔ اور پرویز گرد کے زمانے میں اور بھی تبدیلیاں ہوئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مزید تحقیقات کے لحاظ سے پیکش کا حکم دیا۔ اس کام کے لئے چونکہ دیانت کیساتھ مساحہ سے واقف ہونا ضرور تھا۔ اور عرب میں اس قسم کے فنون اس وقت تک رائج نہ تھے اس لئے فی الجملہ وقت پیش آئی۔ آخر وہ شخص انتخاب کئے گئے عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن الیمان۔

افسران کا بندوبست

یہ دونوں بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے اور عراق میں زیادہ تر رہنے سے اس قسم کے کاموں سے واقف ہو گئے تھے۔ خصوصاً عثمان بن حنیف کو اس فن میں پوری مہارت حاصل تھی۔ قاضی ابویوسف صاحب نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ انہوں نے اس تحقیق اور صحت کے ساتھ پیکش کی جس طرح قیمتی کپڑا بنایا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیکش کا بیان خود اپنے دست مبارک سے تیار کر کے دیا۔ کئی مہینے تک بڑے اہتمام اور جانچ کے ساتھ پیکش کا کام جاری رہا۔

عراق کا کل رقبہ

کل رقبہ طول میں ۵۷۰ میل اور عرض میں ۳۰۰ میل یعنی کل ۱۷۱۰۰۰ میل مگر ٹھہرا۔ اور پھاڑ ٹھہرا اور سبوں کو چھوڑ کر قابل زراعت زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ٹھہری۔

۱۔ کتاب الاول من فیہ سے ماہیت واکر اول من وضع الخراج۔

(۱) ممانہ ان شامی کی جاگیر (۲) آتش کدوں کے اوقاف (۳) ملا وارتوں (۴) مغیروں اور (۵) باغیوں کی جائیدادوں زمینیں جو سڑکوں کی تیاری اور درستی اور ڈاک کے مصارف کے لئے مخصوص تھیں۔ (۶) کوریڈر اور۔ (۷) جنگل۔ اور تمام زمینوں کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالصہ قرار دے کر ان کی آمدنی جس کی تعداد سالانہ ستر لاکھ (۷۰۰۰۰۰۰) تھی رفاہ عام کے کاموں کے لئے مخصوص کر دی۔ کبھی کبھی کسی شخص کو اسلامی کوششوں کے صلے میں جاگیر عطا کی جاتی تھی تو انہی زمینوں سے کی جاتی تھی۔ لیکن یہ جاگیریں کسی حال میں خراج یا عشر سے مستثنیٰ نہیں ہوتی تھیں۔ باقی تمام زمین قدیم قبضہ داروں کو دیدی گئی۔ اور حسب ذیل لگان مقرر کیا گیا۔

لگان کی شرح

گیوں	فی جریب یعنی ہون ڈکھ پائت	ہر درہم سال
جو	"	اور درہم سال
نیشکر	"	۶ درہم سال
روٹی	"	۵ درہم سال
انگور	"	۴ درہم سال
نخلستان	"	۴ درہم سال
سبزی	"	۸ درہم سال
ترکاری	"	۱۳ درہم سال

بعض بعض جگہ زمین کی لیاقت کے اعتبار سے اس شرح میں تفاوت بھی ہوا۔ یعنی گیوں پر فی جریب ۴ درہم اور جو پر ۵ درہم مقرر ہوئے۔

عراق کا خراج

افتادہ زمین پر بشرطیکہ قابل زراعت ہو۔ دو جریب پر ایک درہم مقرر ہوا۔ اس طرح کل عراق کا خراج ۸ کروڑ ساٹھ لاکھ درہم ٹھہرا۔ چونکہ پیکش کے مہتمم مختلف لیاقت کے تھے اس لئے تشخیص جمع میں بھی فرق رہا۔ تاہم جہاں جس قدر جمع مقرر کی گئی اس سے زیادہ

مالکان اراضی کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذی رعایا کا اس قدر خیال تھا کہ دونوں افسروں کو بلا کر کہا کہ تم نے تفتیش جمع میں سختی تو نہیں کی؟ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نہیں۔ بلکہ ابھی اس قدر اور گنجائش ہے۔ (کتاب الخراج ص ۱)

زمیندار اور تعلقہ دار

جو لوگ قدیم سے زمیندار اور تعلقہ دار تھے اور جن کو ایرانی زبان میں مرزبان اور دیہقان کہتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی حالت اسی طرح قائم رہنے دی اور ان کے جو اختیارات اور حقوق تھے سب بحال رکھے جس خوبی سے بندوبست کیا گیا تھا اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ لگان کی شرحیں نوشیروان کی مقرر کردہ شرحوں سے زائد تھیں۔ تاہم نہایت کثرت سے افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں اور دفعہ زراعت کی پیداوار میں ترقی ہو گئی۔

پیداوار اور آمدنی میں ترقی

چنانچہ بندوبست کے دوسرے ہی سال خراج کی مقدار آٹھ کروڑ سے دس کروڑ بیس ہزار درہم تک پہنچ گئی۔ سالانہ مابعد میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اس پر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ اعتقاد تھی۔

ہر سال مال گزاری کی نسبت رعایا کا اظہار لیا جانا

کہ ہر سال جب عراق کا خراج آتا تھا تو دس ہفتہ اور معتد اشخاص کو فہ سے اور اسی قدر بصرہ سے طلب کئے جاتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو چار دفعہ شرعی قسم دلاتے تھے کہ یہ مال گزاری کسی ذی یا مسلمان پر ظلم کر کے تو نہیں لی گئی ہے۔ (کتاب الخراج صفحہ ۱ اصل عبارت یہ ہے۔ ان عمر ابن الخطاب کان من یحیی العرفق کل سنتہ ما تالف الف اقلہ ثم یخرج الیہ عشرۃ من اهل الکوفۃ و عشرۃ من اهل البصرۃ یشہدین اربع شہادات باللہ انہ من ظلم ما ظلم ظلم مسلم ولا معاهدہ)

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگرچہ نہایت نرمی سے خراج مقرر کیا تھا لیکن ہر قدر مال گزاری ان کے عہد میں وصول ہوئی نہانہ مابعد میں کبھی وصول نہیں ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جس قدر خراج وصول ہوا

زمانہ بعد میں کبھی نہیں ہوا

حضرت عمرو بن عبد العزیز فرمایا کرتے تھے کہ حجاج پر خدا لعنت کرے کینت کو نہ دین کی لیاقت تھی نہ دنیا کی۔ عمرو بن الخطاب نے عراق کی مال گزاری کو ۲۵ لاکھ درہم وصول کی زیاد نے مگر کروڑ ۸ لاکھ اور حجاج نے باوجود جو ظلم کے صرف مگر کروڑ ۸ لاکھ وصول کئے۔ مامون الرشید کا زمانہ عدل و انصاف کے لئے مشہور ہے لیکن اس کے عہد میں بھی عراق کے خراج کی تعداد ہر کروڑ ۸ لاکھ درہم سے کبھی نہیں بڑھی۔

جہاں تک ہم کو معلوم ہے عراق کے سوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی صوبے کی پٹائی نہیں کرائی۔ بلکہ جہاں جس قسم کا بندوبست تھا اور بندوبست کے جو کالذات پہلے سے تیار تھے ان کو اسی طرح قائم رکھا، یہاں تک کہ دفتری زبان تک نہیں بدلی یعنی جس طرح اسلام سے پہلے عراق و ایران کا دفتر فارسی میں، شام کا رومی میں، مصر کا قبطی میں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی اسی طرح رہا۔ خراج کے محکمے میں جس طرح قدیم سے پاریس یونانی اور قبطی ملازم تھے بدستور بحال رہے۔ تاہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قدیم طریقہ انتظام میں جہاں کچھ غلطی دیکھی اس کی اصلاح کر دی، چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

مصر میں فرعون کے زمانے میں جو بندوبست ہوا تھا۔ ثالومیہ (طالہ) نے بھی قائم رکھا اور دوسرا پٹائی میں بھی وہی جاری رہا۔ فرعون نے تمام اراضی کی پٹائی کرائی تھی اور تفتیش جمع اور طریقہ ادا کے مقدم اصول یہ قرار دیئے تھے۔

مصر میں فرعون کے زمانے کے قواعد مال گزاری

① خراج نقد اور اصل پیداوار دونوں طریقوں سے وصول کیا جائے۔

② چند سالوں کی پیداوار کا اوسط نکال کر اس کے لحاظ سے جمع تفتیش کی جائے۔

③ بندوبست چار سالہ ہو۔ (براہین FRVAN BERGHO نے ایک کتاب فریج زبان میں

مسطافوں کے قانون مال گزاری پر لکھی ہے یہ حالات میں نے اسی کتاب سے لئے ہیں۔ آگے چل کر بھی اس

کتاب کے حوالے آئیں گے اس کتاب کا پورا نام یہ ہے۔

لی شیخ الحداد ذکر سوار

رومیوں کا اضافہ

رومیوں نے اپنے عہد حکومت میں اور تمام قاعدے بحال رکھے لیکن یہ نیا دستور مقرر کیا کہ ہر سال خراج کے علاوہ مصر سے غلہ کی ایک مقدار کثیر پائے تخت قسطنطین کو روانہ کی جاتی تھی اور سلطنت کے ہر صوبہ میں فوج کی رسد کے لئے یہیں سے غلہ جاتا تھا۔ جو خراج میں محسوب نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دونوں جاہرانہ قاعدے موقوف کر دیئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قدیم طریقے کی اصلاح کی

یورپ کے مزارخوں نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی یہ رسم جاری رہی۔ چنانچہ قحط کے سال مصر سے مدینہ منورہ کو جو غلہ بھیجا گیا، اسی اصول کے موافق بھیجا گیا۔ لیکن یہ ان کی سخت غلطی اور قیاس بازی ہے۔ بے شبہ عام القحط میں مصر سے غلہ آیا اور پھر یہ ایک رسم قائم ہو کر مدتوں تک جاری رہی۔ لیکن یہ وہی غلہ تھا جو خراج سے وصول ہوتا تھا۔ کوئی نیا خراج یا ٹیکس نہ تھا۔ چنانچہ علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں صاف صاف تصریح کر دی ہے۔ اس بات کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب خراج میں صرف نقدی کا طریقہ رہ گیا تو حرمین کے لئے جو غلہ بھیجا جاتا تھا خرید کر کے بھیجا جاتا تھا۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد حکومت کی نسبت علامہ مقررزی نے صاف اس کی تصریح کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر صوبہ میں فوج کی رسد کے لئے غلے کھیتوں کا بھی انتظام کیا تھا۔ لیکن یہ وہی خراج کا غلہ تھا۔

مصر میں وصول مال گذاری کا طریقہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مال گذاری کے وصول کا طریقہ بھی نہایت نرم کر دیا اور اس لحاظ سے دونوں ملک کے قدیم قاعدوں میں فی الجملہ ترمیم کر دی۔ مصر ایک ایسا ملک ہے جس کی پیداوار کا مدار دریا کے شیل کی طغیانی پر ہے۔ اور چونکہ اس کی طغیانی کے مدارج میں نہایت تفاوت ہوتا رہتا تھا۔ اس لئے پیداوار کا کوئی خاص اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔

چند سالوں کے اوسط کا حساب اس لئے مفید نہیں کہ جاہل کاشکار اپنے مصارف کی تقسیم ایسی باقاعدہ نہیں کر سکتے کہ خشک سالی میں اوسط کے حساب سے ان کا کام نہیں سکے۔

بہر حال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں مال گذاری کے وصول کا طریقہ تھا کہ جب مال گذاری کی قسطیں کھلتی تھیں تو تمام پرگنہ جات سے ریکس اور زمیندار اور عراف طلب کئے جاتے تھے اور وہ پیداوار حال کے لحاظ سے کل ملک کے خراج کا ایک تخمینہ پیش کرتے تھے۔ اس کے بعد اسی طرح ہر ہر ضلع اور ہر ہر گننے کا تخمینہ مرتب کیا جاتا تھا جس میں مقامی زمیندار اور کھیا شریک ہوتے تھے یہ تخمینہ رقم ان لوگوں کے مشورے سے ہر ہر گاؤں پر پھیلا دی جاتی تھی۔ پیداوار جو ہوتی تھی اس میں سے اول گرجاؤں اور عمالوں کے مصارف اور مسلمانوں کی مہمانی کا خرچ نکال لیا جاتا تھا۔ باقی جو بچتا تھا اس میں سے جمع مشدہ ادا کی جاتی تھی ہر گاؤں پر جمع تھیں ہوتی تھی۔ پڑتے سے اس کا ایک حصہ گاؤں کے پیش وروں سے بھی وصول کیا جاتا تھا۔ مقررزی نے یہ پوری تفصیل نقل کی ہے۔ یکم کتاب مذکور صفحہ ۷ علامہ بشاری کی کتاب ذخائر صفحہ ۲۴ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

اس طریقہ میں اگرچہ بڑی زحمت تھی اور گویا ہر سال نیا بعد است کرنا پڑتا تھا۔ لیکن مصر کے حالات کے لحاظ سے عدل اور انصاف کا یہی مقتضی تھا۔ اور مصر میں یہ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ایک مدت سے معمول بھی تھا۔ انکان کی شرح فی جریب ایک دینار اور تین ارب غلہ قرار دی گئی اور یہ معاہدہ لکھ دیا گیا کہ اس مقدار پر کبھی اضافہ نہیں کیا جائے گا۔

مصر کا کل خراج

اس عدل و انصاف کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو خراج وصول ہوتا تھا اس کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ دینار تھی۔ جس کے تقریباً پانچ کروڑ چھ لاکھ روپے ہوتے ہیں۔ علامہ مقررزی نے لکھا ہے کہ یہ صرف جزئیہ کی رقم تھی۔ خراج اس کے علاوہ تھا۔ ابو حرقل بغدادی نے بھی اپنے ذخرا فیہ میں قاضی ابو حازم کا جو قول نقل کیا ہے وہ اسی کے مطابق ہے۔ لیکن میرے نزدیک دونوں نے غلطی کی ہے۔ خود علامہ مقررزی نے لکھا ہے کہ جب عمویہن العاص نے پہلے سال ایک کروڑ دینار وصول کئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خیال سے کہ مقوقس نے ابھی پہلے سال ۲۰ کروڑ وصول کئے تھے۔ عمویہن العاص سے باز پرس کی۔ یہ مسلم ہے کہ مقوقس کے عہد میں جزئیہ کا دستور نہ تھا۔ اس لئے

عمو بن العاص کی یہ رقم اگر جزیہ تھی تو مقوقس کی رقم سے اس کا مقابلہ کرنا بالکل بے معنی تھا۔ اس کے علاوہ تمام مؤرخین نے اور خود مقریزی نے جہاں خراج کی حیثیت سے اسلام کے ماقبل اور مابعد زمانوں کا مقابلہ کیا ہے۔ اسی تعداد کا نام لیا ہے۔ بہر حال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں خراج کی مقدار جہاں تک پہنچی نہ تھی بعد میں بھی اس حد تک نہیں پہنچی۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے زمانے میں تیس لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہیں ہوا۔

مصر کا خراج بنو امیہ اور عباسیہ کے زمانے میں

ہشام بن عبد الملک نے جب بڑے اہتمام سے تمام ملک کی پیمائش کرائی جو تین کروڑ فدان تھیں تو مصر لاکھ سے چالیس لاکھ ہو گئے البتہ حضرت عثمان کے زمانے میں عبد اللہ بن سعد گورنر مصر نے ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار وصول کئے تھے لیکن جب حضرت عثمان نے فخریہ عمو بن العاص سے کہا کہ اب تو اونٹنی نے زیادہ دودھ دیا ہے تو عمو بن العاص نے آزادانہ کہا کہ ”ہاں! لیکن بچہ بھوکا رہا“۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ ہر قسم کی دنیاوی ترقی میں یادگار ہے۔ ان کے عہد میں مصر کے خراج کی تعداد چار لاکھ دینار تھی۔ فاطمین کے عہد میں خلیفہ المعز لدین اللہ کے گورنر نے باوجود یہ کہ لگان کی شرح دو گنی کر دی۔ تاہم ۲۰ لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہ ہوئے۔ (کتاب الفرائض ص ۱۸۸ ابن حوقل ذکر مصر)

شام

شام میں اسلام کے عہد تک وہ قانون جاری تھا جو ایک یونانی بادشاہ نے اپنے تمام ممالک متبوعہ میں قائم کیا تھا۔ اس نے پیداوار کے اختلافات کے لحاظ سے زمین کے مختلف درجہ قرار دیئے تھے اور ہر قسم کی زمین پر جداگانہ شرح کے لگان مقرر کئے تھے۔ یہ قانون چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں یونانی زبان سے شامی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ اور اسلام کی فتوحات تک وہی ان تمام ممالک میں جاری رہا تھا۔ قوانین اور قیاسات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصر کی طرح یہاں بھی وہی قدیم قانون جاری رہنے دیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں شام سے جو خراج وصول ہوتا تھا اس کی کل تعداد ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار یعنی ۱۰ کروڑ ۴۰ لاکھ روپے تھی۔

۱۔ دیکھو مقریزی ص ۱۸۸ جلد اول ۲۔ دیکھو البلدان ذکر مصر مقریزی جلد اول ص ۱۸۸ تا ۱۹۰
۳۔ دیکھو مصر فیہ لم یفرغ فیہ کی کتاب مسلمانوں کے قانون مال گذاری پر۔

عراق، مصر شام کے سوا اور ممالک مفتوحہ یعنی فارس، گمان، آرمینیا وغیرہ کے بندوبست اور تشخیص خراج کے حالات ہم بہت کم معلوم کر سکتے۔ مؤرخین ان ملکوں کے حالات فتح میں صرف اس قدر لکھتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں پر جزیہ اور زمین پر خراج مقرر کیا گیا۔ کہیں کہیں کسی خاص رقم پر معاہدہ ہو گیا ہے تو اس کی تعداد لکھ دی ہے۔ باقی اور قسم کی تفصیل کو ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ اور چونکہ اس قسم کی جزئی تفصیلات سے کچھ بڑے نتائج متعلق نہیں اس لئے ہم بھی اس کی چنداں پرواہ نہیں کرتے۔

قانون مال گذاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اصلاحات

البتہ ایک محقق کی نگاہ اس بات پر پڑتی ہے کہ اس صفحے میں فتوحات فاروقی کی خاص ایجادات اور اصلاحیں کیا ہیں اور اسی خاص پہلو پر نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ سب سے بڑا انقلاب جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صفحے میں کیا اور جس کی وجہ سے رعایا کی بہبودی اور خوشحالی و فلاح نہایت ترقی کر گئی یہ تھی کہ زمینداری اور ملکیت زمین کا جو قدیم قانون اور بالکل جاہلانہ تھا مٹا دیا۔ رومیوں نے جب شام اور مصر پر قبضہ کیا تو تمام ارضیات اصلی باشندوں سے چھین کر کچھ افسران فوج اور کچھ اراکین دربار کو دے دیں۔ کچھ شامی جاگیریں قرار پائیں۔ کچھ کلیسا اور چرچ پر وقف کر دیں۔ اصل باشندوں کے ہاتھ میں ایک چھ زمین بھی نہیں رہی۔ وہ صرف کاشتکاری کا حق رکھتے تھے اور اگر مالک زمین ان کی کاشتکاری کی زمین کو کسی کے ہاتھ منتقل کرتا تھا تو زمین کے ساتھ کاشتکار بھی منتقل ہو جاتے تھے۔ اخیر میں باشندوں کو بھی کچھ زمینداریاں ملنے لگیں۔ لیکن زمینداری کی حفاظت اور اس سے متمنع ہونے کے لئے رومی زمینداروں سے اعانت لینی پڑتی تھی۔ اس بہانے سے زمیندار خود زمین پر متصرف ہو جاتے تھے۔ اور وہ غریب کاشتکار کا کاشتکارہ جاتا تھا۔ یہ طریقہ کچھ رومی سلطنت کے ساتھ مخصوص نہ تھا۔ بلکہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے تمام دنیا میں قریب قریب یہی طریقہ جاری تھا کہ زمین کا بہت بڑا حصہ افسران فوج یا اراکان دولت کی جاگیر میں دے دیا جاتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملک پر قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس ظالمانہ قانون کو مٹا دیا۔ رومی تو اکثر ملک کے مفتوح ہوتے ہی قتل گئے اور جو رہ گئے ان کے قبضے سے بھی زمین نکال لی گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام ارضیات کو شامی جاگیر تھیں یا جن پر رومی افسر قابض تھے باشندگان ملک کے حوالے کر دیں۔ اور بجائے اس کے کہ وہ مسلمان افسروں یا فوجی سرداروں کو عنایت کی جائیں قاعدہ بنادیا کہ مسلمان کسی حالت میں ان

زمینوں پر قابض نہیں ہو سکتے۔ یعنی مالکان اراضی کو قیمت دے کر خریدنا چاہیں تو خرید بھی نہیں سکتے یہ قاعدہ ایک مدت تک جاری رہا۔ چنانچہ یسٹ بن سعد نے مصر میں کچھ زمین مول لی تھی۔ تو بڑے بڑے پیشوایان مذہب مثلاً امام مالک، نافع بن یزید بن ابیہ نے ان پر سخت اعتراض کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اہل عرب کو جو ان ممالک میں پھیل گئے تھے زراعت کی ممانعت کر دی۔ چنانچہ تمام فوجی افسروں کے نام احکام بھیج دیئے کہ لوگوں کے روزینے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ اس لئے کوئی شخص زراعت نہ کرنے پائے۔ یہ حکم اسی قدر سختی سے دیا گیا کہ شریک عطفی ایک شخص نے مصر میں زراعت کر لی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بلا کر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ تجھ کو ایسی سزا دوں گا کہ اوروں کو عبرت ہو۔ (حسن المحاضرہ صفحہ ۳۴)

ان قاعدوں سے ایک طرف تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عدل و انصاف کا نمونہ قائم کیا۔ جس کی نظیر دنیا میں کہیں موجود نہ تھی۔ کیونکہ کسی فاتح قوم نے مغتو صین کے ساتھ کبھی ایسی رعایت نہیں برتی تھی۔ دوسری طرف زراعت اور آبادی کو اس سے نہایت ترقی ہوئی۔ اس لئے کہ اصلی باشندے جو مدت سے ان کاموں میں مہارت رکھتے تھے عرب کے خانہ بدوش بدو ان کی برابری نہیں کر سکتے تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس تدبیر نے فتوحات کی وسعت میں بڑا کام دیا۔ فرانس کے ایک نہایت لائق مصنف نے لکھا ہے کہ یہ بات مسلم ہے کہ اسلام کی فتوحات میں خراج اور مال گزاری کے معاملہ کو بہت دخل ہے۔ رومن سلطنت میں باشندگان ملک کو جو سخت خراج ادا کرنا پڑتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کی فتوحات کو نہایت تیزی سے پھیلایا مسلمانوں کے حملوں کا جو مقابلہ کیا گیا وہ اہل ملک کی طرف سے نہ تھا بلکہ حکومت کی طرف سے تھا۔ مصر میں خود قبلی کاشکاروں نے یونانیوں کے برخلاف مسلمانوں کو مدد دی و مشق اور محسوس میں عیسائی باشندوں نے ہر قل کی فوج کے مقابلے میں شہر پناہ کے دروازے بند کر دیئے اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ ہم تمہاری حکومت کو بمقابلہ بے رحم رومیوں کے بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔

یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غیر قوموں کے ساتھ انصاف کرنے میں اپنی قوم کی حق تلفی کی یعنی ان کو زراعت اور قلاحت سے روک دیا۔ درحقیقت اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بڑی انجام دہی کا ثبوت ملتا ہے۔ عرب کے اصلی جوہر دلیری، ہمداری، بخاشی، ہمت، عزم اسی وقت تک قائم رہے جب تک وہ کاشکاری

اور زمینداری سے الگ رہے جس دن انہوں نے زمین کو ہاتھ لگایا۔ اسی دن یہ تمام اوصاف بھی ان سے رخصت ہو گئے۔

ہندوستان مال گزاری میں ذمیوں سے رائے لینا

اس معاملے میں ایک اور نہایت انصافانہ اصول جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برتا یہ تھا کہ ہندوستان اور اس کے متعلق تمام امور میں ذی رعایا سے جو پارسی یا عیسائی تھے ہمیشہ رائے طلب کرتے تھے۔ اور ان کی معروضات پر لحاظ فرماتے تھے۔ عراق کا جب ہندوستان کرنا چاہا تو پہلے عمال کو لکھا کہ عراق کے دور نیسوں کو ہمارے پاس بھیجو جن کے ساتھ مترجم بھی لے ہوں۔ پتائش کا کام جاری ہو چکا تو پھر دس دس بڑے بڑے زمیندار عراق سے بلوائے اور ان کے اظہار رائے (کتاب القرآن صفحہ ۵۵)

اسی طرح مصر کے انتظام کے وقت وہاں کے گورنر کو لکھا کہ مقتوقس سے (جو پہلے مصر کا حاکم تھا) خراج کے معاملے میں رائے لو۔ اس پر بھی تسلی نہ ہوئی تو ایک واقعہ کار قبلی کو مدینے میں طلب کیا اور اس کا اظہار لایا۔ یہ طریقہ جس طرح عدل و انصاف کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھا۔ اسی طرح انتظام کی حیثیت سے بھی مفید تھا۔

ان باتوں کے ساتھ ان اصلاحات کو بھی شامل کرنا چاہئے جن کا بیان ہم ہندوستان کے شروع میں کر آئے ہیں۔

ترقی زراعت

ہندوستان کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کی طرف توجہ کی۔ عام حکم دے دیا کہ تمام ملک میں جہاں جہاں اقتادہ زمینیں ہیں جو شخص ان کو آباد کرے گا اس کی ملک ہو جائیں گی۔ لیکن اگر کوئی شخص اس قسم کی زمین کو آباد کرنے کی غرض سے اپنے قبضے میں لائے اور تین برس کے اندر آباد نہ کرے تو زمین اس کے قبضے سے نکل جائے گی، اس طریقے سے اقتادہ زمینیں نہایت جلد آباد ہو گئیں۔ حملے کے وقت جہاں جہاں کی رعایا گھر چھوڑ کر نکل گئی تھی ان کے لئے اشتہار دے دیا کہ واپس آجائے اور اپنی زمینوں پر قابض ہو جائے۔ زراعت کی حفاظت اور ترقی کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو خیال تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے اگر شکایت کی

کہ شام میں میری کچھ ذراعت تھی۔ آپ کی فوج ادھر سے گذری اور اس کو ہرا دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت اس کو دس ہزار درہم معاوضے میں لے لیا۔ تمام ممالک مفتوحہ میں نہریں جاری کیں۔ اور عہد باندھے۔

محکمہ آبپاشی

ملا ب تیار کرانے پانی کی تقسیم کرنے کے دہانے بنانے نہروں کے شعبے نکالنے اور اس قسم کے کاموں کا ایک بڑا محکمہ قائم کیا۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ خاص مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور روزانہ سال بھر اس کام میں لگے رہتے تھے اور یہ تمام مصارف بیت المال سے ادا کئے جاتے تھے۔ خوزستان اور ابواز کے اضلاع میں جزیں معاویہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت سے بہت سی نہریں کھدوائیں۔ جن کی وجہ سے بہت سی افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں۔ اسی طرح اور سینکڑوں نہریں تیار ہوئیں۔ جس کا پتہ جتہ جتہ آثار میں ملتا ہے۔

خراجی اور عشری

نوعیت قبضہ کے لحاظ سے زمین کی ایک اور تقسیم کی۔ یعنی خراجی اور عشری خراجی کا بیان اوپر گزر چکا۔ عشری اس زمین کا نام تھا جو مسلمانوں کے قبضے میں ہوتی تھی۔ اور جس کے اقسام حسب ذیل تھے۔

- ① عرب کی زمین جس کے قابضین اوائل اسلام میں مسلمان ہو گئے تھے مثلاً مدینہ منورہ وغیرہ۔
- ② جو زمین کسی ذمی کے قبضے سے نکل کر مسلمانوں کے قبضے میں آتی تھی۔ مثلاً لاوارث مر گیا یا مضور ہو گیا۔ یا بغاوت کی بنا پر استغنی دے دیا۔
- ③ جو افتادہ زمین کسی حیثیت سے کسی کی ملک نہیں ہوتی تھی۔ اور اس کو کوئی مسلمان آباد کر لیتا تھا۔

ان اقسام کی تمام زمینیں عشری کہلاتی تھیں اور چونکہ مسلمانوں سے جو کچھ لیا جاتا تھا۔ وہ زکوٰۃ کی مد میں داخل تھا۔ اس لئے ان زمینوں پر بجائے خراج کے زکوٰۃ مقرر تھی جس کی مقدار اصل پیداوار کا دسواں حصہ ہوتا تھا۔ یہ شرح خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب الخراج صفحہ ۶۸۔ ج ۱ مقریزی صفحہ ۷۷۰ جلد اول۔

نے مقرر فرمائی تھی۔ اور وہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی قائم رہی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اتنا کیا کہ ایران و قیسویہ کی جو زمینیں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں اگر وہ زمین کی قدیم نسوں یا کنوؤں سے سیراب ہوتی تھیں تو ان پر خراج مقرر کیا۔ چنانچہ اس قسم کی زمینیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ و جناب وغیرہ کے قبضے میں تھیں اور ان سے خراج لیا جاتا تھا۔ اور اگر خود مسلمان غنی نسواں کو کھود کر اس کی آبپاشی کرتے تھے تو اس پر رعایہ عشرہ مقرر کیا جاتا تھا۔ (کتاب الخراج صفحہ ۲۵ تا ۳۷)

مسلمانوں کے ساتھ عشر کے تخصیص اگرچہ بظاہر ایک قسم کی ناانصافی یا قوی ترجیح معلوم ہوتی ہے لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے۔ اولاً تو مسلمانوں کو بمقابلہ ذمیوں کے بہت سی زائد زمینیں اور کئی بڑی زمینیں مثلاً مویشی پر زکوٰۃ گھوڑوں پر زکوٰۃ روپے پر زکوٰۃ۔ حالانکہ ذمی ان محصولات سے بالکل مستثنیٰ تھے۔ اس بناء پر خاص زمین کے معاملے میں جو نہایت اقل قلیل مسلمانوں کے قبضے میں آتی تھی اس قسم کی رعایت بالکل مستثنائے انصاف تھی۔ دوسرے یہ کہ عشر ایک ایسی رقم تھی جو کسی حالت میں کم یا معاف نہیں ہو سکتی تھی۔ یہاں تک کہ خود خلیفہ یا بادشاہ معاف کرنا چاہے تو معاف نہیں کر سکتا تھا۔ بخلاف اس کے خراج میں تخفیف اور معافی دونوں جائز تھی۔ اور وقتاً فوقتاً اس پر عمل و رد بھی ہوتا تھا اس کے علاوہ خراج سال میں صرف ایک دفعہ لیا جاتا تھا۔ بخلاف اس کے عشر کا یہ حال تھا کہ سال میں جتنی فصلیں ہوتی تھیں سب کی پیداوار سے الگ الگ وصول کیا جاتا تھا۔

اور قسم کی آمدنیاں

خراج جو عشر کے سوا آمدنی کے جو اور اقسام تھے وہ حسب ذیل تھے۔ زکوٰۃ مشورہ بریہ سال غنیمت کا خمس۔ زکوٰۃ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھیں اور مسلمانوں کی کسی قسم کی جائیداد یا ہمدنی اس سے مستثنیٰ نہ تھی۔ یہاں تک کہ بھیر بکری اونٹ سمجھا پر زکوٰۃ تھی اور زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مرتب ہو چکے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں جو اضافہ ہوا یہ تھا کہ تجارت کے گھوڑوں

گھوڑوں پر زکوٰۃ

پر زکوٰۃ مقرر ہوئی۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کو زکوٰۃ سے

مستثنیٰ فرمایا تھا۔ لیکن اس سے عیاذ باللہ یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو الفاظ فرمائے تھے اس سے بظاہر سواری کے گھوڑے مفہوم ہوتے ہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی مفہوم کو قائم رکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تجارت کے گھوڑے وجود نہیں رکھتے تھے اس لئے ان کے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ بہر حال زکوٰۃ کی مدت میں یہ ایک نئی آمدنی تھی۔ اور اول حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے عہد میں شروع ہوئی۔

عشور

عشور خاص بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایجاد ہے۔ جس کی ابتداء یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیر ملکوں میں تجارت کے لئے جاتے تھے ان سے وہاں کے دستور کے مطابق مال تجارت پر دس فیصد ٹیکس لیا جاتا تھا۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ ان ملکوں کے تاجروں کو جو ہمارے ملک میں آئیں ان سے بھی اسی قدر محصول لیا جائے۔ عیسائیوں نے جو مسلمانوں کے ملکوں میں آتے تھے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تحریری درخواست بھیجی کہ ہم کو عشر ادا کرنے کی شرط پر عرب میں تجارت کرنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منکور کیا۔ اور پھر زمینوں اور مسلمانوں پر بھی یہ قاعدہ جاری کر دیا گیا۔ البتہ تعداد میں تفاوت رہا۔ یعنی حزیوں سے دس فیصد زمینوں سے پانچ فیصد مسلمانوں سے اڑھائی فیصد لیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام ممالک مفتوحہ میں یہ قاعدہ جاری کر کے ایک خاص محکمہ قائم کر دیا۔ جس سے بہت بڑی آمدنی ہو گئی۔ یہ محصول خاص تجارت کے مال پر لیا جاتا تھا۔ اور اس کی درآمد برآمد کی معادہ سال بھر تھی۔ یعنی تاجر ایک سال جہاں جہاں چاہے مال لے جائے اس سے دوبارہ محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ یہ بھی قاعدہ تھا کہ دو سو درہم سے کم قیمت مال پر کچھ نہیں لیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محصول کو یہ بھی تاکید کر دی تھی کہ کھلی ہوئی چیزوں سے عشر لیا جائے یعنی کسی کے اسباب کی تلاش نہ لی جائے۔ جزیہ کے متعلق پوری تفصیل آگے آئے گی۔

صیغہ عدالت

محکمہ قضاء

یہ صیغہ بھی اسلام میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت وجود میں آیا۔ ترقی تمدن کا پہلا دہانچہ یہ ہے کہ صیغہ عدالت انتظامی صیغے سے علیحدہ قائم کیا جائے۔ دنیا میں جہاں جہاں حکومت و سلطنت کے سلسلے قائم ہوئے مدقوں کے بعد ان دونوں صیغوں میں تفریق ہوئی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کے چند ہی روز بعد اس صیغے کو الگ کر دیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک خود خلیفہ وقت اور افسران ملکی قضاء کا کام بھی کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتداء میں یہ رواج قائم رکھا۔ اور ایسا کرنا ضروری تھا۔ حکومت کا قلم و نسق جب تک کامل نہیں ہو لیتا، ہر صیغے کا اجراء رعب و داب کا محتاج رہتا ہے اس لئے فصل قضایا کا کام وہ شخص انجام نہیں دے سکتا جس کو فصل قضایا کے سوا اور کوئی اختیار نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ جو شخص بااثر اور صاحب عقلیت نہ ہو قاضی نہ مقرر کیا جائے (اخبار القضاء لمحمد بن خلف الوکیع) بلکہ اسی بناء پر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قضایا سے روک دیا۔

لیکن جب انتظام کا سکہ اچھی طرح جم گیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قضاء کا صیغہ بالکل الگ کر دیا۔ اور تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں۔ اور قاضی مقرر کئے اس کے ساتھ قضاء کے اصول و آئین پر ایک فرمان بھیجا جو ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو راز کوڈ کے نام تھا۔ اور جس میں صیغہ عدالت کے تمام اصولی احکام درج تھے۔ ہم اس کو بیہیہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔ رومن ایسائز کے دوازدہ گاہکوں کو قاعدہ جو رومیوں کے بڑے مفاخر

۱۔ اس فرمان کو علامہ ابو الحسن شیرازی نے طبقات فقہاء میں اور علامہ نقی ویاوروی ویا حاک وایمن میر۔ اور بہت سے محدثین اور محققین نے نقل کیا ہے۔ ۲۰۰ھ میں کتب روہن ایسائز نے یمن میں سزا دیئے کہ وہاں قانون کی تعلیم حاصل کر کے آئین اور سلطنت کے لئے ایک مستقل قانون تیار کریں۔ سزا دیئے گئے اور وہاں سے واپس آکر ایک دستور العمل تیار کیا۔ جس میں بارہ امور انتظامیہ پر بارہ قاعدہ تھے۔ یہ تمام قاعدہ سید کی کتاب کتب اللہ کے لئے اور بہت تک روہن ایسائز کا وہی قانون رہا۔ اس میں صیغہ قضاء کے متعلق جو احکام تھے وہ حسب ذیل ہیں: (۱) جب قوم عدالت میں طلب سے جائز تو فوراً فریق مقدمہ کے ساتھ حاضر ہو۔ (۲) اگر عدالتیہ انکار کرنے تو تم کو ہم پیش کروں گا کہ وہ جہاں حاضر کیا جائے۔ (۳) عدالتیہ ہاگنا جائے تو تم اس کو چکڑے ہو۔ (۴) عدالتیہ تیار یاہو زما ہو تو تم اس کو سوار کی دو۔ ورنہ اس پر حاضری کے لئے جبر نہیں کیا جاسکتا۔ (۵) عدالتیہ سامعین پیش کرے تو تم اس کو چکڑے ہو۔ (۶) دوازدہ قاضیوں کی عدالت منوہا جائے۔ (۷) جج کو قرعین کے الحاق سے فیصلہ کرنا

خیال کئے جاتے ہیں۔ اور جن کی نسبت سیروم کا مشہور لکچرار لکھتا ہے کہ یہ قوانین تمام فلاسفیوں کی تصنیفات سے بڑھ کر ہیں۔ وہ بھی ہمارے سامنے ہیں۔
ان دونوں کا موازنہ کر کے ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ دونوں میں سے تمدن کے وسیع اصل کا کس میں زیادہ پتہ لگتا ہے۔

قواعد عدالت کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تحریر

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان بعبار تقاضیل میں درج ہے۔
امام بعد فان القضاء اربعة محكمة وسنة متبعة سقيمة الناس
لی وجهک ومجلسک وعدلک حتی لا یبأس الضعیف من
عدلک ولا یطمع الشریف لی جعلک البیئة علی من ادعی
والحسن علی من انکر والصلح جائز الا صلحا احل حراما
او حرم حلالا لا یمنعک قضاء قضیة بالامس لراجعت لیه
نفسک ان ترجع الی الحق الفهم الفهم لیمایختلج فی صدورک
مما لم یکن فی الکتاب والسنة واعرف الامثال والا فبما تم
لس الا مور عندک واجعل لمن ادعی ینتدایا یتبھی الیه
فان احضر ینت اخذت له بقضه والا وجهت القضاء علیه
والمسلمون عدول بعضهم علی بعض الا مجلودا فی حد
مجرمالی شهادة الزور او ظنیالی ولا چاوورالیت۔

”خدا کی تعریف کے بعد قضا ایک ضروری فرض ہے۔ لوگوں کو اپنے
حضور میں اپنی مجلس میں اپنے انصاف میں برابر رکھو تاکہ کمزور
انصاف سے باز نہ ہو۔ اور دوزار کو تمہاری دور رعایت کی امید نہ
پیدا ہو جو شخص دعویٰ کرے اس پر بار ثبوت ہے اور جو شخص منکر ہو
اس پر قسم۔ صلح جائز ہے بشرطیکہ اس سے حرام حلال اور حلال
حرام نہ ہوئے ہائے کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو آج غور کے بعد

چاہئے۔ (۸) جج سے دوسرے مقدمہ سے لگے۔ (۹) فیصلہ دوسرے بعد فریقین کی ماضی میں ہو گا۔ (۱۰)
مطلب کے بعد عدالت بند رہے گی۔ (۱۱) فریقین اگر حالت پیش کرنا چاہیں تو ان کو شائبہ نہ چاہئے۔ (۱۲) ہر
شخص کو ادویہ نہیں کر سکتا۔ مدعا علیہ کے دوا دے اپنے دعوے کو پکار کر کہے یہ قوانین ہیں جن کو یاد کر کے
یہ دوسرا ایسا پڑنا چاہئے۔

اس سے رجوع کر سکتے ہو جس مسئلہ میں شبہ ہو اور قرآن وحدیث
میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر غور کرو اور پھر غور کرو اور اس کی مثالیں
اور نظموں پر خیال کرو پھر قیاس لگاؤ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے
اس کے لئے ایک بیوا مقرر کرو اگر وہ ثبوت دے تو اس کا حق دلاؤ۔
ورنہ مقدمہ خارج۔ مسلمان ثقہ ہیں باستثنائے ان اشخاص کے جن کو
حد کی سزا میں درجے لگائے گئے ہوں یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دی ہو
یا دلا اور دراشت میں مشکوک ہوں۔“

اس فرمان میں قضا کے متعلق جو قانونی احکام مذکور ہیں حسب ذیل ہیں۔

- ① قاضی کو عدالتانہ حیثیت سے تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہئے۔
- ② بار ثبوت عموماً مدعی پر ہے۔
- ③ مدعا علیہ اگر کسی قسم کا ثبوت یا شہادت نہیں رکھتا تو اس سے قسم لی جائے گی۔
- ④ فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں۔ لیکن جو امر خلاف قانون ہے اس میں صلح نہیں
ہو سکتی۔
- ⑤ قاضی خود اپنی مرضی سے مقدمہ کے فیصلہ کرنے کے بعد اس میں نظر ثانی کر سکتا ہے۔
- ⑥ مقدمہ کی پیشی کی ایک تاریخ معین ہونی چاہئے۔
- ⑦ تاریخ پر اگر مدعا علیہ نہ حاضر ہو تو مقدمہ یکطرفہ فیصلہ کیا جائے گا۔
- ⑧ ہر مسلمان قاتل اوائے شہادت ہے۔ لیکن جو شخص سر لیاقت ہو یا جس کا جھوٹی گواہی
دینا ثابت ہو وہ قاتل شہادت نہیں۔

میں عدالت کی عمر کی یعنی فصل خصوصیات میں پورا عدل وانصاف ان باتوں پر موقوف

ہے۔

- ① عہدہ اور مکمل قانون جس کے مطابق فیصلے عمل میں آئیں۔
- ② قاتل اور متدین حکام کا انتخاب۔
- ③ وہ اصول اور آئین جن کی وجہ سے حکام رشوت اور دیگر ناجائز وسائل کے سبب سے
فصل خصوصیات میں دور رعایت نہ کرنے پائیں۔

④ تباہی کے لحاظ سے قضا کی تعداد کا کافی ہونا مقدمات کے انصاف میں عرج نہ ہونے
پائے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام امور کا اس خوبی سے انتظام کیا کہ اس سے
بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔ قانون بنانے کی تو کوئی ضرورت نہ تھی۔ اسلام کا اصلی قانون قرآن مجید

موجود تھا۔ البتہ چونکہ اس میں جزئیات کا احاطہ نہیں اس لئے حدیث و اجماع و قیاس سے مدد لینے کی ضرورت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قضاۃ کو خاص طور پر اس کی ہدایت لکھی۔ قاضی شریح کو ایک فرمان میں لکھا کہ مقدمات میں اول قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو۔ قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہو تو حدیث اور حدیث نہ ہو تو اجماع (کثرت رائے) کے مطابق اور کہیں پتہ نہ لگے تو خود اجتہاد کرو۔ (کثیر اعمال صفحہ ۳۰۷ جلد ۳ مسند داری میں بھی یہ فرمان تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ مذکور ہے چنانچہ اس کی اصلی عبارت یہ ہے عن شریح ان عمر ابن الخطاب کتب الیہ ان جاء کماشی فی کتاب اللہ فاقض بہ فان جاء کما مالیس فی کتاب اللہ فانظر مستر رسول اللہ فاقض بہ فان جاء کما مالیس فی کتاب اللہ ولم یکن فی مستر رسول اللہ ولم یشکلم فیہ احد قبلک فاختصری الامرین شئت ان شئت فان شئت لثنا عرفت ان عرفت ولا اری النسخ الا غیر الیہ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ بیٹھ وقتاً فوقتاً حکام عدالت کو مشکل اور مبہم مسائل کے متعلق فتاویٰ لکھ لکھ کر بھیجتے رہتے تھے آج اگر ان کو ترتیب دیا جائے تو ایک مختصر مجموعہ قانون بن سکتا ہے۔ لیکن ہم اس موقع پر ان کا استحصا نہیں کر سکتے اگر کوئی چاہے تو کثیرا لعمال اور ازالۃ الخفاء وغیرہ سے کر سکتا ہے اخبار القضاۃ میں بھی متعدد فتاویٰ مذکور ہیں۔

قضاۃ کا انتخاب

قضاۃ کے انتخاب میں جو احتیاط اور نکتہ سنجی کی گئی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ انتخاب کئے گئے وہ اس حیثیت سے تمام عرب میں منتخب تھے پائے تخت یعنی مدینہ منورہ کے قاضی زید بن ثابت تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کاتب وحی تھے۔ وہ سریانی اور عبرانی زبان کے ماہر تھے۔ اور علوم قبیہ میں سے فرائض کے فن میں تمام عرب میں ان کا جواب نہ تھا۔ کعب بن سور الازدی جو بصرہ کے قاضی تھے۔ بہت بڑے معاملہ فہم اور نکتہ شناس تھے۔ امام ابن سیرین نے ان کے بہت سے فیصلے اور احکام نقل کئے ہیں۔ فلسطین کے قاضی عباد بن الصامت تھے جو منجملہ ان پانچ مھنصوں کے ہیں۔ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تمام قرآن مجید حفظ کیا تھا اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اہل صفہ کی تعلیم دی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا

۱۔ اعتبار القضاۃ میں ہے ان عمر استعمل زیداً علی القضاۃ و عمر بن زید قال لا یجوز ان یشکک فی الاموال
۲۔ کتاب البایع قاضی ابن عبد البر تذکرہ لمبیین سور الازدی۔

اس قدر احترام کرتے تھے کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ ایک موقع پر مخالفت کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی سے الگ کر دیا۔ (استیعاب قاضی ابن عبد البر)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کے حکام عدالت

کوفہ کے قاضی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ جن کا فضل و کمال محتاج بیان نہیں۔ فقہ حنفی کے مورث اول وہی ہیں۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد اہم ہجری میں قاضی شریح مقرر ہوئے۔ وہ اگرچہ صحابہ میں سے نہ تھے۔ لیکن اس قدر ذہین اور معاملہ فہم تھے عرب میں ان کا جواب نہ تھا۔ چنانچہ ان کا نام آج تک مثال کے طور پر لیا جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو اقصی العرب کہا کرتے تھے ان بزرگوں کے سوا جمیل بن معمر اعجمی، ابو مریم الحنفی، سلمان ربیعہ الباہلی، عبدالرحمن بن ربیعہ، ابو قرة الکندی، عمران بن الحصین جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کے قضاۃ ہیں ان کی عظمت و جلالت شان رجال کی کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔

قضاۃ کا امتحان کے بعد مقرر ہونا

قاضی اگرچہ حاکم صوبہ یا حاکم ضلع کا ماتحت ہوتا تھا۔ اور ان لوگوں کو قضاۃ کے تقرر کا پورا اختیار حاصل تھا۔ تاہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زیادہ احتیاط کے لحاظ سے اکثر خود لوگوں کو انتخاب کر کے بھیجتے تھے انتخاب کے لئے اگرچہ خود امیدواروں کی شہرت کافی تھی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ اکثر امتحان اور ذاتی تجربہ کے بعد لوگوں کو انتخاب کرتے تھے۔

قاضی شریح کی تقرری کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مھنص سے پسند کی شرط پر ایک گھوڑا خریدا اور امتحان کے لئے ایک سوار کو دیا۔ گھوڑا سواری میں چوٹ کھا کر داغی ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو واپس کرنا چاہا۔ گھوڑے کے مالک نے انکار کیا۔ اس پر نزاع ہوئی اور شریح ثالث مقرر کئے گئے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ گھوڑے کے مالک سے اجازت لے کر سواری کی گئی تھی تو گھوڑا واپس کیا جاسکتا ہے ورنہ نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حق یہی ہے کوفہ کا قاضی مقرر کر لیا۔ کعب بن سور الازدی کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ گذرا۔ ناجائز وسائل آمدنی کے روکنے کے لئے

۱۔ کتاب البایع و کتاب القضاۃ

بست سی بند شیں کیس۔

رشوت سے محفوظ رکھنے کے وسائل

① تنخواہیں پیش قرار مقرر کیس کہ بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو مثلاً سلطان ریجہ اور قاضی شریع کی تنخواہ پانچ سو درہم ماہوار تھی۔ اور یہ تعداد اس زمانے کے حالات کے لحاظ سے بالکل کافی تھی۔

② قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص دولت مند اور معزز نہ ہو قاضی مقرر نہ ہونے پائے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ گورنر کوفہ کو جو فرمان لکھا اس میں اس قاعدے کی وجہ یہ کہ دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہو گا۔ اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب و داب کا اثر نہ ہو گا۔ (انبار القضاۃ لمحمد بن خلف الوکیلی)

ان باتوں کے ساتھ کسی قاضی کو تجارت اور خرید و فروخت کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اور یہ وہ اصول ہے جو مدقوں کے تجربے کے بعد ترقی یافتہ ممالک میں اختیار کیا گیا ہے۔

انصاف میں مساوات

عدالت و انصاف کا ایک بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے۔ یعنی دیوان عدالت میں شاہ گدا، امیر و غریب، شریف و ذلیل سب ہم مرتبہ سمجھے جاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا اس قدر اہتمام تھا کہ اس کے تجربے اور امتحان کے لئے متعدد دفعہ خود عدالت میں فریق مقدمہ بن کر گئے ایک دفعہ ان میں ابی ابن کعب میں کچھ نزاع تھی۔ ابی نے زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے زید نے تعظیم دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ تمہارا پسلا ظلم ہے یہ کہہ کر ابی کے برابر بیٹھ گئے۔ ابی نے قاعدے کے موافق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قسم لی چاہی۔ لیکن زید نے ان کے رتبے کا پاس کر کے ابی سے درخواست کی امیر المؤمنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرفداری پر نہایت رنجیدہ ہوئے۔ زید کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ "جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ برابر نہ ہوں تم منصب قضاہ کے قابل نہیں سمجھے جاسکتے۔"

قضاۃ اور ان کی کاروائیوں کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس قسم کے

۱۔ فتح القدر ج ۱ صفحہ ۳۰۳

اصول اختیار کئے اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کے عہد خلافت میں بلکہ بنو امیہ کے دور تک عملاً قضاۃ ظلم و نا انصافی کے الزام سے پاک رہے علامہ ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس قاضی نے خلاف انصاف عمل کیا وہ ہلال بن ابی یزید تھے۔ (یہ بنو امیہ کے زمانے میں تھے)

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کافی تھی کیونکہ کوئی ضلع قاضی سے خالی نہیں تھا۔ اور چونکہ غیر مذہب و اہل کو اجازت تھی کہ کہیں کے مقدمات بطور خوب فیصلہ کر لیا کریں۔ اس لئے اسلامی عدالتوں میں ان کے مقدمات کم آتے تھے۔ اور اس بناء پر ہر ضلع میں ایک قاضی کا ہونا بہر حال کافی تھا۔

ماہرین فن کی شہادت

صیغہ قضاہ اور خصوصاً اصول شہادت کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو غور و باتیں اچھلو کیں اور جن کا بیان ان کے اجتماعات کے ذکر میں آئے گا ان میں ایک ماہرین فن کی شہادت تھی۔ یعنی جو امر کسی خاص فن سے تعلق رکھتا تھا اس فن کے ماہر کا اکتہار لیا جاتا تھا۔ مثلاً حلیہ نے زید کان بن بذر کی ہجو میں ایک شعر کہا تھا جس سے صاف طور پر چھ نہیں ظاہر ہوتی تھی زید کان نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں مقدمہ رجوع کیا۔ یہ شعر شاعری کا معاملہ تھا۔ اور شاعرانہ اصطلاحیں اور طرز ادا عام بول چال سے الگ ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حسان بن ثابت کو جو بہت بڑے شاعر تھے بلا کر پوچھا اور ان کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا۔ اسی طرح اہل طب کی صورت میں حلیہ شناسوں کے اکتہار لئے چنانچہ کنز العمال باب القذف میں اس قسم کے سب سے حدیث مذکور ہیں۔

فصل خصمات کے متعلق اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سے خصمات واصل مقدمہ کئے لیکن یہ سب وہیں تک تھا جہاں انصاف کی ارزانی اور آسانی میں کوئی غفلت نہیں پڑتا سکتا تھا۔ ورنہ سب سے مقدمہ ان کو جس چیز کا لحاظ تھا وہ انصاف کا ارزاں اور آسان ہونا تھا۔ آج کل مذہب ملکوں نے انصاف اور داد دہی کو ایسی حقہ میں جکڑ دیا اور داد خواہوں کو دعویٰ سے باز آنا اس کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصول اور آئین اس قدر سہل اور آسان تھے کہ انصاف کے حاصل کرنے میں ذرا بھی دقت

نہیں ہو سکتی تھی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خاص اس بات کا ہمیشہ لحاظ رہتا تھا۔

عدالت کا مکان

یہی مصلحت تھی کہ عدالت کے لئے خاص عمارتیں نہیں بنوائیں بلکہ مسجدوں پر اکتفا کیا کیونکہ مسجد کے مغموم میں جو قیصر اور اجازت عام تھی وہ اور کسی عمارت میں پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ مقدمات کے رجوع کرنے میں کوئی صرف برداشت کرنا نہیں پڑتا تھا۔ عدالت کے دروازے پر کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی۔ تمام قضاۃ کو مآکید تھی کہ جب کوئی غریب اور مبتذل شخص مقدمہ کا فریق بن کر آئے تو اس سے نرمی اور کشادہ روئی سے پیش آئیں تاکہ انکسار و عافیت اس پر مطلق خوف کا اثر نہ ہو۔

محکمہ افتاء

عدالت کے متعلق یہ ایک نہایت ضروری صیغہ ہے جو آغاز اسلام میں قائم ہوا اور جس کی مثال اسلام کے سوا اور کہیں پائی نہیں جاتی۔ قانون کے جو مقدم اصول ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ہر شخص کی نسبت یہ فرض کرنا چاہئے کہ قانون سے واقف ہے۔ یعنی مثلاً اگر کوئی شخص کوئی جرم کرے تو اس کا یہ عذر کام نہیں آسکتا کہ وہ اس فعل کا جرم ہونا نہیں جانتا تھا۔ یہ قاعدہ تمام دنیا میں مسلم ہے اور حال کے ترقی یافتہ ملکوں نے اس پر زیادہ زور دیا ہے۔ بے شبہ قاعدہ صحیح ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ اور قوموں نے اس کے لئے کسی قسم کی تدبیر اختیار نہیں کی۔ یورپ میں تعلیم اس قدر عام ہو چکی ہے لیکن اس درجے کو نہیں پہنچ سکی۔ اور نہ پہنچ سکتی ہے کہ ہر شخص قانون دان بن جائے۔ کوئی جاہل شخص قانون کا کوئی مسئلہ جانتا ہے چاہے تو اس کے لئے کوئی تدبیر نہیں۔ لیکن اسلام میں اس کا ایک خاص محکمہ تھا۔ جس کا نام محکمہ افتاء تھا۔ اس کا یہ طریقہ تھا کہ نہایت لائق قانون دان یعنی فقہاء ہر جگہ موجود رہتے تھے اور جو شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا تھا ان سے دریافت کر سکتا تھا۔ اور اس لئے کوئی شخص یہ عذر نہیں کر سکتا تھا کہ وہ قانون کے مسئلے سے ناواقف تھا۔ یہ طریقہ آغاز اسلام میں خود بخود پیدا ہوا۔ اور اب تک قائم ہے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں جس پابندی کے ساتھ اس پر عمل رہا زمانہ مابعد بلکہ ان سے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی نہیں رہا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کے مفتی

اس طریقے کے لئے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ عام اجازت نہ ہو بلکہ خاص خاص قابل لوگ افتاء کے لئے نامزد کر دیئے جائیں تاکہ ہر کس و نا کس غلط مسائل کی ترویج نہ کر سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس تخصیص کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ جن لوگوں کو انہوں نے افتاء کی اجازت دی مثلاً حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ معاذ بن جبلؓ عبدالرحمن بن عوفؓ ابی بن کعبؓ زید بن ثابتؓ ابو ہریرہؓ اور ابو دروداؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ وغیرہ ان کے سوا اور لوگ فتویٰ دینے کے مجاز نہ تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لا ازالہ الخفاء میں لکھتے ہیں کہ ”سابق وعقد فتویٰ موقوف بود برائے خلیفہ وعظما گفتہ و فتویٰ می دادند“۔

تاریخوں میں ان کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جن لوگوں کو فتویٰ کی اجازت نہ تھی انہوں نے فتوے دیئے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو منع کر دیا۔ چنانچہ ایک دفعہ عبداللہ بن مسعود کے ساتھ بھی یہ واقعہ گذرا۔ بلکہ ان کو یہاں تک احتیاط تھا کہ مقرر شدہ مفتیوں کی بھی جانچ کرتے رہتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بار بار پوچھا کہ تم نے اس مسئلے میں کیا فتویٰ دیا؟ اور جب انہوں نے اپنا جواب بیان کیا تو فرمایا کہ اگر تم اس مسئلے کا اور کچھ جواب دیتے تو آئندہ تم بھی فتوے کے مجاز نہ ہوتے۔

دوسرا امر جو اس طریقے کے لئے ضروری ہے یہ ہے کہ مفتیوں کے نام کا اعلان کر دیا جائے اس وقت گزٹ اور اخبار تو نہ تھے لیکن مجالس عامہ میں جن سے ہمہ کر اعلان عام کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بار بار اس کا اعلان کیا شام کے سفر میں بمقام جابیہ بے شمار آدمیوں کے سامنے جو مشہور خطبہ پڑھا اس میں یہ الفاظ بھی فرمائے۔

من اراد القرآن فلیات ایہا ومن اراد ان یسال الفرائض فلیات زیداً
ومن اراد ان یسال عن الفقہ فلیات معاذاً۔

”یعنی جو شخص قرآن سیکھنا چاہے تو ابی بن کعب کے پاس اور فرائض کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے تو زید کے پاس اور فقہ کے متعلق پوچھنا چاہے تو معاذ کے پاس جائے۔“

فوجداری اور پولیس

جہاں تک ہم تحقیق کر سکے مقدمات فوجداری کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی جدا محکمہ قائم نہیں کیا۔ بعض قسم کے مقدمات مثلاً زنا اور سرقت قصاص کے ہاں فیصلہ ہوتے تھے اور ابتدائی قسم کی تمام کاروائیاں پولیس سے متعلق تھیں۔ پولیس کا سینڈ مستقل طور پر قائم ہو گیا تھا اور اس وقت اس کا نام احداث تھا۔ چنانچہ افسران پولیس کو صاحب الاحداث کہتے تھے۔ بحرن پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قدامہ بن مغفون رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر کیا۔

قدامہ کو تحصیل مال گذاری کی خدمت دی۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تصریح کے ساتھ پولیس کے اختیارات دیئے۔ احتساب کے متعلق جو کام ہیں۔ مثلاً دو کانداز تراندہ میں دھوکہ نہ دینے پائیں کوئی شخص سڑک پر مکان نہ بنائے۔ جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادنا جائے۔ شراب علانیہ نہ پکھنے پائے وغیرہ ان تمام امور کا کافی انتظام تھا۔ اور اس کے لئے ہر جگہ اہل کار افسر مقرر تھے۔ لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ احتساب کا مستقل سینڈ قائم ہو گیا تھا۔ یا یہ خدشہ بھی صاحب الاحداث سے متعلق تھیں۔ کنز العمال میں جہاں ابن سعد کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بازاری کی نگرانی کے لئے عبداللہ بن عقبہ کو مقرر کیا تھا۔ وہاں لکھا ہے کہ "حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جیل خانہ کی ایجاد کا یہ فعل عمدہ احتساب کا ماخذ ہے۔"

جیل خانہ کی ایجاد

اس صفحے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیل خانے بنوائے ورنہ ان سے پہلے عرب میں جیل خانے کا نام نشان نہ تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ سزائیں سخت دی جاتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اول بکہ معکم میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خرید لیا اور اس کو جیل خانہ بنایا۔ اور اضلاع میں بھی جیل خانے بنوائے۔ علامہ بلاذری کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ کا جیل خانہ نزل سے لیا تھا۔ اس وقت تک صرف مجرم قید خانے میں رکھے جاتے تھے اور جیل خانے میں مجبورات تھے۔

جیل خانہ تعمیر ہونے کے بعد بعض بعض سزاؤں میں تبدیلی ہوئی۔ مثلاً ابو عیسیٰ ثقفی

بار بار شراب پینے کے جرم میں ماضو ہوئے تو اخیر دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو حد کی بجائے قید کی سزا دی۔

جلاوطنی کی سزا

جلاوطنی کی سزا بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایجاد ہے۔ چنانچہ ابو عیسیٰ ثقفی کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سزا بھی دی تھی۔ اور ایک جزیرہ میں بھیج دیا تھا۔ (اسد الغابہ ذکر ابو عیسیٰ ثقفی)

بیت المال (یا) خزانہ

بیت المال پہلے نہ تھا

یہ سینڈ بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات سے وجود میں آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سب سے اخیر جو رقم وصول ہوئی وہ بحرن کا خراج تھا۔ جس کی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کل رقم ایک ہی جلسہ میں تقسیم کر دی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنی خلافت میں کوئی خزانہ نہیں قائم کیا بلکہ جو کچھ غنیمت کا مال آیا۔ اسی وقت لوگوں میں بانٹ دیا۔ چنانچہ پہلے سال دس دس درہم اور دوسرے سال بیس بیس درہم ایک ایک شخص کے حصے میں آئے۔ یہ کتاب الاوائکل اور ابن سعد کی روایت ہے۔ ابن سعد کی ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مکان بیت المال کے لئے خاص کر لیا تھا۔ وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا۔ کیونکہ جو کچھ آتا تھا اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا اور اس کی نوبت نہیں پہنچتی تھی کہ خزانے میں کچھ داخل کیا جائے۔ وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

تقریباً ۱۰ ہجری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بحرن کا عامل مقرر کیا وہ سال تمام میں پانچ لاکھ کی رقم اپنے ساتھ لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجلس شوریٰ کا اجلاس عام کر کے کہا کہ ایک رقم کثیر بحرن سے آئی ہے۔ آپ لوگوں کی کیا مرضی ہے؟

بیت المال کس سنہ میں قائم ہوا؟

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رائے دی کہ جو رقم آئے وہ سال کے سال تقسیم کر دی جائے اور خزانے میں جمع نہ رکھی جائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے خلاف رائے دی۔ ولید بن ہشام نے کمائیں نے سلاطین شام کے ہاں دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جدا جدا محکمہ قائم ہے۔

آج کل کا زمانہ ہوتا تو غیر مذہب والوں کے نام سے اجتناب کیا جاتا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور بیت المال کی بنیاد ڈالی۔ سب سے پہلے دار الخلافہ یعنی مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا۔ اور چونکہ اسی کی نگرانی اور حساب کتاب کے لئے نہایت قابل اور دیانتدار آدمی کی ضرورت تھی۔

بیت المال کے افسر

عبداللہ بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی تھے اور لکھنے پڑھنے میں کمال رکھتے تھے۔ خزانہ کا افسر مقرر کیا۔ اس کے ساتھ اور لائق لوگ ان کے ماتحت مقرر کئے جن میں سے عبدالرحمن بن عبید القاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصیقب بن جحش تھے۔ وصیقب کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے انکسیری ہوا کرتے اور اس وجہ سے ان کی دیانتداری اور امانت ہر طرح پر قطعی اور مسلم ثابت تھی۔

دار الخلافہ کے علاوہ تمام صوبجات اور صدر مقامات میں بیت المال قائم کئے اور اگرچہ وہاں کے اعلیٰ حکام کو ان کے متعلق ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے۔ لیکن بیت المال کا محکمہ بالکل الگ ہوتا تھا اور اس کے افسر جدا گانہ ہوتے تھے۔ مثلاً اصفہان میں خالد بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاص خزانے کے افسر تھے۔

بیت المال کی عمارتیں

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ تعمیر کے باب میں نہایت کفایت شعاری کرتے تھے لیکن بیت المال کی عمارتیں مستحکم اور شاندار بنوائیں کوفہ میں بیت المال کے لئے اول ایک محل تعمیر ہوا جس کو روزابہ ایک مشہور مجوسی معمار نے بنایا تھا اور جس کا مصالحہ خسروان

۱۔ کتب وہاں میں معتبر دیکھو۔

قاری کی عمارت سے کیا تھا۔ لیکن جب اس میں نقب کے ذریعے چوری ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ مسجد کی عمارت بیت المال سے ملادی جائے۔ کیونکہ مسجد نمازیوں کی وجہ سے ہمیشہ آباد اور ہر وقت لوگوں کا مجمع رہے گا۔ چنانچہ سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے روزابہ نے بیت المال کی عمارت کو اس قدر وسیع کیا کہ مسجد سے مل گئی اور اس طرح چوری وغیرہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔

(یہ تمام تفصیل تاریخ طبری ذکر تباری کوفہ میں ہے) معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ مابعد میں زیادہ احتیاط کے لحاظ سے خزانے پر سپاہیوں کا پہلو بھی رہنے لگا تھا۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ جب طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باقی ہو کر بصرہ میں آئے اور خزانہ پر قبضہ کرنا چاہا تھا تو سیاحہ کے ۴۰ سپاہی خزانہ کے پہرے پر متعین تھے اور انہوں نے طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارادے کی مزاحمت کی۔ سیاحہ کی نسبت اسی مؤرخ نے تصریح کی ہے کہ وہ سندھ سے گرفتار ہو کر آئے تھے اور ایرانیوں کی فوج میں داخل تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جب ایران فتح ہوا تو یہ قوم مسلمان ہو گئی اور ابو موسیٰ نے ان کو بصرہ میں آباد کرایا۔

(فتح البلدان از صفحہ ۳۷۶ تا ۳۷۸)

صوبجات اور اضلاع میں جو خزانے تھے ان کا یہ انتظام تھا کہ جس قدر رقم وہاں کے ہر قسم کے مصارف کے لئے ضروری ہوتی تھی رکھ لی جاتی تھی۔ باقی سال کے ختم ہونے کے بعد صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں بھیج دی جاتی تھی۔ اس کے متعلق عمال کے نام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماکیدی احکام آتے رہتے تھے۔ یہ دریافت کرنا مشکل ہے کہ ہر جگہ کے خزانے میں کس قدر رقم محفوظ رہتی تھی۔

جو رقم دار الخلافہ کے خزانے میں رہتی تھی

مؤرخ یعقوبی کی تصریح سے اس قدر معلوم ہے کہ دار الخلافہ کے خزانے سے خاص دار الخلافہ کے باشندوں کو جو تنخواہیں اور وظائف وغیرہ مقرر تھے۔ اس کی تعداد تین کروڑ سالانہ تھی۔

بیت المال کی حفاظت اور نگرانی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو اہتمام تھا۔

۱۔ محمد بن العاص کو زمرہ کو فرمان لکھا تھا اس میں یہ الفاظ تھے: اذ احصل الیک و جمعتہ اخر جت عطا المسلمین و ما یحتاج الیک معالاً بدعتہ لم انظر فیما فضل بعد ذلک فاحمد الی۔ ترجمہ: اے محمد بن العاص! میں نے جو لوگوں کو عطا کیا ہے وہ ان کے لئے ہے۔ میں نے ان کے لئے جو عطا کیا ہے وہ ان کے لئے ہے۔ میں نے ان کے لئے جو عطا کیا ہے وہ ان کے لئے ہے۔

۲۔ ۳ صفحہ ۳۸۔

اس کے متعلق تاریخوں میں بہت سے دلچسپ واقعات ہیں جن کی تفصیل ہم نظر انداز کرتے ہیں۔

پبلک ورک یا نظارت نافذ

یہ میزہ مستقل حیثیت سے زمانہ حال کی ایجاد ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں اس کے لئے کوئی اصطلاحی لفظ نہیں۔ مصو شام میں اس کا ترجمہ نظارات نافذ کیا گیا ہے۔ اس صیفے میں منسلک ذیل چیزیں داخل ہیں۔ سرکاری عمارتیں، نہریں، سڑکیں، پل، شفاخانے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اس کے لئے کوئی مستقل میزہ نہیں قائم ہوا تھا۔ لیکن شفاخانوں کے سوا اس صیفے کے متعلق اور جتنی چیزیں ہیں سب موجود تھیں اور نہایت منظم اور وسیع طور پر تھیں۔

زراعت کی ترقی کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس قدر نہریں تیار کرائیں ان کا مختصر حال ہم میزہ محاصل کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔ یہاں ان نمنوں کا ذکر کرتے ہیں جو زراعت کے میزہ سے مخصوص نہ تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو نہریں تیار کرائیں

نہریں موسیٰ

نہریں موسیٰ یہ نہر میل لمبی تھی۔ جس کی تیاری کی تاریخ یہ ہے کہ ایک دفعہ بصرہ کے لوگ ڈپوٹیشن کے طور پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معمول کے موافق ایک ایک سے حالات پوچھے۔ ان میں خیف بن قیس بھی تھے۔ انہوں نے نہایت پر اثر تقریر کی جو کتابوں میں بالفاظہما منقول ہے۔ اس بات کی شکایت کی کہ بصرہ بالکل شورستان ہے اور پانی چھ میل سے لانا پڑتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت ابو موسیٰ اشعری کے نام اس مضمون کا تحریری حکم بھیجا کہ بصرہ کے لوگوں کے لئے نہر کھدوائی جائے۔ چنانچہ وجہ سے ہر میل لمبی نہر کاٹ کر بصرہ میں ملائی گئی جس کے ذریعہ سے گھر گھر پانی کی افراط ہو گئی۔

نہر معقل

نہر معقل یہ ایک مشہور نہر ہے جس کی نسبت عربی میں یہ مثل مشہور ہے اذا جاء نهر الله بطل نہر معقل یہ نہر جلد سے کاٹ کر ملائی گئی تھی اور چونکہ اس کی تیاری کا اہتمام معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کیا گیا تھا جو ایک مقدس صحابی تھے اس لئے انہی کے نام سے مشہور ہو گئی۔

نہر سعد

نہر سعد اس نہر کے لئے انبار والوں نے پہلے شہنشاہ فارس سے درخواست کی تھی اسلام کا زمانہ آیا تو ان لوگوں نے سعد و قاص (گورنر کوفہ) سے خواہش ظاہر کی۔ سعد نے سعد بن عمر کو مامور کیا انہوں نے بڑے اہتمام سے کام کر لیا۔ لیکن کچھ دور تک پہنچ کر پہاڑیوں میں آگیا اور وہیں چھوڑ دی گئی پھر حجاج نے اپنے زمانے میں پہاڑ کاٹ کر بقیہ کام پورا کیا۔ تاہم نہر سعد ہی کے نام سے مشہور ہوئی۔

نہر امیر المومنین

سب سے بڑی اور قائمہ رسال نہر جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص حکم سے بنی وہ نہر تھی جو نہر امیر المومنین کے نام سے مشہور ہے اور جس کے ذریعے سے دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا گیا تھا۔ اس کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ۸ھ ہجری میں جب تمام عرب میں قحط پڑا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام اضلاع کے حکام کو لکھا کہ ہر جگہ کثرت کے ساتھ غلہ اور اناج روانہ کیا جائے اگرچہ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ لیکن شام اور مصر سے خشکی کا جو راستہ تھا بہت دور دراز تھا۔ اس لئے غلہ کے پیچھے میں پھر بھی دیر لگی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان وقتوں پر خیال کر کے عمرو بن العاص (گورنر مصر) کو لکھا کہ مصر کے باشندوں کی ایک جماعت ساتھ لے کر دار الخلافہ حاضر ہو جب وہ آئے تو فرمایا کہ دریائے نیل کو اگر سمندر سے ملا دیا جائے تو عرب کو قحط گرائی کا کبھی اندیشہ نہیں ہو گا۔ ورنہ خشکی کی راہ غلہ کا اتنا وقت سے خالی نہیں۔ عمرو نے واپس جا کر کام شروع کر دیا۔ اور فسطاط سے (جو قاہرہ سے دس بارہ میل ہے) بحر قلزم تک نہر تیار کرانی اس ذریعہ سے جہاز دریائے نیل سے چل کر قلزم میں آتے تھے اور یہاں سے جدہ پہنچ کر لنگر کرتے جو مدینہ منورہ کی بندرگاہ تھی۔ یہ نہر

تقریباً ۲۸ میل لمبی تھی اور تعجب یہ ہے کہ چھ مہینے میں بن کر تیار ہو گئی چنانچہ پہلے ہی سال ۲۰ بڑے بڑے جہاز جن میں ساٹھ ہزار ادوب لاد بھرا ہوا تھا اس شہر کے ذریعے سے مدینہ منورہ کی بندرگاہ میں آئے یہ شہر دو تین تک جاری رہی اور اس کے ذریعے سے مصر کی تجارت کو نہایت ترقی ہوئی۔ عمر بن عبدالعزیز کے عمالوں نے بے پروائی کی اور وہ چاہتا ہے اٹ گئی۔ یہاں تک کہ مقام ذنب السحاب تک اگر بالکل بند ہو گئی۔ ۵۵ ہجری میں منصور عباسی نے ایک ذاتی مصلحت سے اس کو بند کر دیا۔ لیکن بعد کو پھر جاری ہو گئی اور مدتوں تک جاری رہی۔

(یہ تفصیل حسن الخاضعہ ص ۱۱۱ صفحہ ۱۱۱ و جلد دوم صفحہ ۳۹۲ میں ہے)

ایک اور عجیب و غریب بات یہ کہ عمویین العاص نے بحر روم و بحر قلزم کو براہ راست ملا دینے کا ارادہ کیا تھا۔ چنانچہ اس کے لئے موقع اور جگہ کی تجویز بھی کر لی تھی۔ اور چاہا تھا کہ فرما کے پاس سے جہاں سے بحر روم اور بحر قلزم میں صرف ۵۰ میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے نہر نکال کر دونوں دریاؤں کو ملا دیا جائے۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ارادے سے اطلاع ہوئی تو ناراضا مندی ظاہر کی۔ اور لکھ بھیجا کہ اگر ایسا ہوا تو یونانی جہازوں میں اگر حاجیوں کو اڑا لے جائیں گے۔ اگر عمویین العاص کو اجازت ملی ہوتی تو نہر سوزی کی ایجاد کا فخر در حقیقت عرب کے حصے میں آتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو عمارتیں تیار کرائیں

عمار ت جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیار کرائیں تین قسم کی تھیں۔

- ۱ مذہبی۔ جیسے مساجد و مقبورات کا بیان تفصیل کے ساتھ مذہبی مہینے میں آئے گا۔ یہاں اس قدر کہنا کافی ہے کہ بقول صاحب روئے الاحباب چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔
- ۲ فوجی۔ جیسے قلعے، پھاؤنیاں، بارکیں، ان کا بیان فوجی انتظامات میں آئے گا۔
- ۳ ملکی۔ مثلاً دار الامارۃ وغیرہ اس قسم کی عمارتوں کے تفصیلی حالات معلوم نہیں۔ لیکن ان کی اقسام کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

- ۱ دار الامارۃ۔ یعنی صوبہ جات اور اضلاع کے حکام جہاں قیام رکھتے تھے اور جہاں ان کا دفتر رہتا تھا کو کوفہ و بصرہ کے دار الامارۃ کا حال طبری و بلاذری نے کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے۔
- ۲ دفتر۔ دیوان یعنی جہاں دفتر کے کاغذات رہتے تھے فوج کا دفتر بھی اسی مکان میں رہتا تھا۔

۳ خزانہ۔ بیت المال۔ یعنی خزانے کا مکان۔ یہ عمارت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھی۔ کوفہ کے بیت المال کا ذکر بیت المال کے حال میں گذر چکا ہے۔

۴ قید خانے۔ مدینہ منورہ کے قید خانے کا حال سیفہ پولیس کے بیان میں گذر چکا ہے۔ بصرہ میں جو قید خانہ تھا دار الامارۃ کی عمارت میں شامل تھا۔ (فتح البلدان صفحہ ۲۲۷)

۵ مہمان خانے۔ مہمان خانے، یہ مکانات اس لئے تعمیر کئے گئے تھے کہ باہر والے جو دو چار روز کے لئے شہر میں آجاتے تھے وہ ان مکانات میں ٹھہرائے جاتے تھے۔ کوفہ میں جو مہمان خانہ بنا اس کی نسبت علامہ بلاذری نے لکھا ہے۔ امران يتخذ لمن يدمن الألفاق داراً فكلنا بمنزلونہا۔ (فتح البلدان صفحہ ۲۷۸) مدینہ منورہ کا مہمان خانہ بحر ہجری میں تعمیر ہوا۔ چنانچہ ابن حبان نے کتاب الشقاق میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

اس موقع پر یہ بتانا ضروری ہے کہ عمارتوں کی نسبت یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ بڑی شان و شوکت کی ہوتی تھیں۔ اسلام فضول تکلفات کی اجازت نہیں دیتا۔ نہایت بعد میں جو کچھ ہوا ہوا لیکن اس وقت تک اسلام بالکل اپنی سادہ اور اصلی صورت میں تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہایت اہتمام تھا کہ یہ سادگی جانے نہ پائے۔ اس کے علاوہ اس وقت تک بیت المال پر حاکم وقت کو آزادانہ اختیارات حاصل نہ تھے۔ بیت المال تمام قوم کا سرمایہ سمجھا جاتا تھا۔ اور لوگ اس کا اصلی مصرف یہ سمجھتے تھے کہ چونا پتھر کی بجائے زیادہ تر تو میل کے کام آئے۔ یہ خیال مدتوں تک رہا۔ اور اسی کا اثر تھا کہ جب ولید بن عبدالملک نے دمشق کی جامع مسجد پر ایک رقم کثیر صرف کردی تو عام ناراضگی پھیل گئی۔ اور لوگوں نے علانیہ کہا کہ بیت المال کے روپیہ کا یہ مصرف نہیں ہے۔ بہر حال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو عمارتیں بنیں وہ عموماً آہستہ اور گارے کی تھیں۔ بصرہ کا ایوان حکومت بھی اسی حیثیت کا تھا۔ البتہ فوجی عمارتیں نہایت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھیں۔

سڑکوں اور پلوں کا انتظام

سڑکوں اور پلوں کا انتظام اگرچہ نہایت عمدہ تھا لیکن براہ راست حکومت کے اہتمام میں نہیں تھا مفتوحہ قوموں سے جو معاہدہ ہوتا تھا اس میں یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ وہ سڑک اور پل و قیوہ اپنے اہتمام اور اپنے صرف سے بنوائے گی۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

شام فتح کیا تو شرائط میں یہ امر بھی داخل تھا۔ کتاب القرآن صفحہ ۸۰ میں ہے وعلیٰ ان علیہم ارشاد الضال فیناہ القضاطر علی الا نھار من اموالہم کتاب طبری واقعات ۶۱ ہجری صفحہ ۳۳۱ اور طبری (نوں کا ذکر ہے)

مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک چوکیاں اور سرائیں

مکہ معظمہ اگرچہ مدینوں سے قبلہ گاہ خلافت تھا لیکن اس کے راستے بالکل ویران اور بے آب تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفر ہجری میں جب مکہ معظمہ گئے تو ان کی اجازت سے مدینہ سے لے کر مکہ معظمہ تک ہر منزل پر چوکیاں سرائیں اور چشمے تیار ہوئے۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں کہ ۳۷ زواں جملہ آنکھ سائے بقصد عمو بہ مکہ محترمہ توجہ فرمود نزدیک مراجعت امر فرمود تا در منازلے کر مابین حرمین واقع اند سا یادنا ہمسازند و ہر چاہے کہ اپنا شتہ شدہ باشد آں را پاک کنند صاف نمایند در منازل کم آب چاہا سازند تا بر تاجان یا سزاحت تمام قطع مراحل میسر شود۔

شہروں کا آباد کرنا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو جو شہر آباد ہوئے وہ جن جن ضرورتوں سے آباد ہوئے اور جو جو خصوصیتیں ان میں پیدا کی گئیں ان کے لحاظ سے ہر شہر تاریخ اسلام کا ایک صفحہ کما جا سکتا ہے۔ ان میں بصرہ کو ذی ایک مدت تک اسلامی آثار کے منظر رہے۔ عربی نحو کی بنیاد یہیں پڑی۔ نحو کے اصلی دارالعلوم یہی دو شہر تھے۔ خفی فقہ جو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اس کا سنگ بنیاد کوذ میں ہی رکھا گیا۔ ان اسباب سے ان شہروں کی بنیاد اور آبادی کا حال تفصیل سے لکھنا ناموزوں نہ ہو گا۔

اس کتاب کے پہلے حصے میں ہم لکھ آئے ہیں کہ فارس اور ہند کے بحری حملوں سے مطمئن رہنے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سمر ہجری میں عقبہ بن غزو ان کو متعین کیا کہ ہندو گاہ ابلہ کے قریب جہاں بحر فارس خلیج کے ذریعے سے ہندوستان و فارس کے جہازات ٹکرتے تھے ایک شہر بنائیں زمین کا موقع اور منظر خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا تھا عقبہ آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور خریہ میں آئے۔

جہاں بصرہ آباد ہے یہاں پہلے کف دست میدان پر ہوا تھا اور چونکہ زمین نکثر کیلی اور آس پاس پانی اور چارہ کا سامان نہ تھا۔ عرب کے مذاق کے بالکل موافق تھی۔ غرض عقبہ نے بنیاد کی داغ بیل ڈالی اور مختلف قبائل کے لئے الگ الگ احاطہ کھینچ کر گھاس اور بھونس کے مختصر مکانات بنوائے۔ عاصم بن ولف کو مقرر کیا کہ جہاں جہاں جس قبیلے کو اتارنا مناسب ہو اتار میں خاص سرکاری عمارتیں جو تعمیر ہوئیں ان میں سے مسجد جامع اور ایوان حکومت جس کے ساتھ دفتر اور قید خانے کی عمارت بھی شامل تھی زیادہ ممتاز تھا۔ سمر ہجری میں آگ لگی اور بہت سے مکانات جل گئے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اس وقت کوذ کے گورنر تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سفارت بھیجی اور اجازت طلب کی کہ پختہ عمارتیں بنائی جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظور کیا۔ لیکن تاکید کی کہ کوئی شخص ایک مکان تین کمروں سے زیادہ نہ بنائے۔ بصرہ سے دریائے دجلہ دس میل پر ہے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ دجلہ سے بصرہ تک شہر کاٹ کر لائی جائے۔ چنانچہ اس کا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ پبلک ورک کے بیان میں گزر چکا۔ بصرہ کی آبادی نہایت جلد ترقی کر گئی۔ یہاں تک کہ زیادہ بن ابی سفیان کے زمان حکومت میں صرف ان لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے ۸۰ ہزار اور ان کی کل اولاد ایک لاکھ ۳۰ ہزار تھی۔

یہاں کی خاک کو علم و فضل سے جو مناسبت تھی۔ اس کا اندازہ اس سے کرنا چاہئے کہ علوم عربیت کی بنیادیں پڑ گادینا میں سب سے پہلی کتاب جو عربی علم لغت میں لکھی گئی یہیں لکھی گئی جس کا نام کتاب العین ہے اور جو غلیل بصری کی تصنیف ہے۔ عربی علم عروض اور موسیقی کی بھی یہیں سے ابتداء ہوئی۔ علم نحو کا سب سے پہلا مصنف سیبویہ یہیں کا تعلیم یافتہ تھا۔ آئندہ مجتہدین میں سے حسن بصری یہیں کی خاک سے پیدا ہوئے۔

کوذ

دوسرا شہر جو بصرہ سے زیادہ مشہور ہوا کوذ تھا۔ مدائن وغیرہ جب فتح ہوئے تو سعد بن

ابی ہریرہ وجہ تسمیہ موائے ملت یہ لکھتے ہیں کہ بصرہ عربی میں نرم پھرتی زمین کو کہتے ہیں اور یہاں کی زمین ایسی نرم کی تھی لیکن عجم ابلہ ان میں ایک گوی قاضی کا جو قول اصل کیا ہے وہ زیادہ قرین قیاس ہے۔ اس کے نزدیک اصل یہی ہے لفظ بصرہ کا جس کے معنی قاری میں بہت سے راستوں کے ہیں چونکہ یہاں سے بہت سی راہیں ہر طرف کو تھیں۔ اس لئے اہل عجم اس کو اس نام سے موسوم کرتے تھے۔ اس کی تصدیق زیادہ تر اس سے ہوئی ہے کہ آس پاس شاہان عرب نے جو عمارتیں تیار کرائی تھیں اس کے نام بھی دراصل قاری رہے تھے مثلاً غورق جو دراصل قاری کا ہے اور سدیر جو دراصل سدیر ہے۔

الہی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ یہاں وہ کراہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل گیا۔ ایسی جگہ تلاش کرنا چاہئے جو بری و بحری دونوں حیثیت رکھتی ہو۔ چنانچہ سلمان و حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جو خالص اسی قسم کے کاموں پر مامور تھے کوفہ کی زمین انتخاب کی یہاں کی زمین ریتی اور کنکریلی تھی اور اسی وجہ سے اس کا نام کوفہ رکھا گیا۔ اسلام سے پہلے نعمان بن منذر کا خاندان جو عراق عرب کا فرمانروا تھا ان کا پائے تخت یہی مقام تھا اور ان کی مشہور عمارتیں خورنق اور سدیر وغیرہ اسی کے آس پاس واقع تھیں۔ مظہر نہایت خوشنما اور دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ تھا اہل عرب اس مقام کو خد انصار یعنی عارض محبوب کہتے تھے کیونکہ وہ مختلف عمدہ قسم کے عربی پھولوں مثلاً اقوان، شقائق، قیسوم، خزامی کا پھل زار تھا۔ غرض علم ہجری میں اس کی بنیاد شروع ہوئی اور جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تصریح کے ساتھ لکھا تھا۔ ۳۰ ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے۔ ہراج بن بالک کے اہتمام سے عرب کے جدا جدا قبیلے محلوں میں آباد ہوئے شہر کی وضع اور ساخت کے متعلق خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تحریری حکم آیا تھا کہ شارع ہائے عام ۴۰، ۴۰ ہاتھ اور اس سے گھٹ کر ۳۰، ۳۰ ہاتھ اور ۲۰، ۲۰ ہاتھ چوڑی رکھی جائیں اور گلیاں ۷۷ ہاتھ چوڑی ہوں جامع مسجد کی عمارت جو ایک مربع بلند چوتھوے کر بنائی گئی اس قدر وسیع تھی اس میں ۴۰ ہزار آدمی آسکتے تھے اس کے ہر چار طرف دروازے اور تک زمین کھلی چھوڑی گئی تھی۔

عمار میں اول گھاس پھوس کی بنیں لیکن جب آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت دی اور اینٹ گارے کی عمارتیں تیار ہوئیں اور جامع مسجد کے آگے ایک وسیع سائبان بنادیا گیا جو سو سو ہاتھ لمبا تھا۔ اور سنگ و حام کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا۔ جو نو شیروانی عمارت سے نکال کر لائے گئے تھے اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کی قابل ہے کہ باوجود اس کے کہ دراصل نو شیروانی عمارت کا کوئی وارث نہ تھا۔ اور اصول سلطنت کے لحاظ سے اگر کوئی وارث ہو سکتا تھا تو خلیفہ وقت ہوتا تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ عدل و انصاف تھا کہ مجوسی رعایا کو ان ستونوں کی قیمت ادا کی گئی۔ یعنی ان کی تخمینہ قیمت تھمسی وہ ان کے جزیہ میں بھرا کی گئی۔ مسجد سے ۵۰ ہاتھ کے فاصلے پر ایوان حکومت تعمیر ہوا۔ جس میں بیت المال یعنی خزانے کا مکان شامل تھا۔ ایک مہمان خانہ عام بھی تعمیر کیا گیا۔ جس میں باہر کے آئے ہوئے مسافر قیام کرتے تھے اور ان کو بیت المال سے کھانا ملتا تھا۔

چند روز کے بعد بیت المال میں چوری ہو گئی۔ اور چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کو ہر ہر جزئی واقعہ کی خبر پہنچتی تھی۔ انہوں نے سعد کو لکھا کہ ایوان حکومت مسجد سے ملا دیا جائے چنانچہ روزہ نامی ایک پارسی معمار نے جو مشہور استاد تھا۔ اور تعمیرات کے کام پر مامور تھا۔ نہایت خوبی اور موزونی سے ایوان حکومت کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا۔ سعد نے روزہ کو مع اور کاریگروں کے اس صلے میں دربار خلافت کو روانہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی بڑی قدر دانی کی اور ہمیشہ کے لئے روزہ مقرر کر دیا۔ جامع مسجد کے سوا ہر ہر قبیلے کے لئے جدا جدا مسجدیں تعمیر ہوئیں جو قبیلے آباد کئے گئے ان میں یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے اور قبائل جو آباد کئے گئے ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ سلیم، ثقیف، ہمدان، بیلہ، نیم الملات، تغلب، بنو اسد، غح و کندہ، ازومزہ، حیم و محارب، اسد و عامر، بھالہ، جدیلہ و غلات، حبشہ، خج، ہوازن وغیرہ وغیرہ۔

یہ شہر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اس عظمت و شان کو پہنچا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو اس الاسلام فرماتے تھے اور درحقیقت وہ عرب کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا۔ زمانہ مابعد میں اس کی آبادی برابر ترقی کرتی گئی۔ لیکن یہ خصوصیت قائم رہی کہ آباد ہونے والے مجمع عرب کی نسل سے ہوتے تھے۔ ۳۰ ہجری میں موسم شاری ہوئی تو ۵۰ ہزار گھر خاص قبیلہ ربیعہ و مضر کے اور ۳۰ ہزار اور قبائل کے تھے اور اہل یمن کے ۱۰ ہزار گھر ان کے علاوہ تھے۔

زمانہ مابعد کی تعمیرات اور ترقیوں نے اگرچہ قدیم آثارات کو قائم نہیں رکھا تھا۔ تاہم یہ کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ بعض بعض عمارت کے نشانات زمانہ وراز تک قائم رہے۔ ابن بطوطہ جس نے انھوں صدی میں اس مقدس مقام کو دیکھا تھا اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو ایوان حکومت بنایا تھا اس کی بنیاد اب تک قائم ہے۔

اس شہر کی علمی حیثیت یہ ہے کہ فن نحو کی ابتدا یہیں ہوئی۔ یعنی ابوالاسود دؤلی نے اول اول نحو کے قواعد یہیں بیٹھ کر منضبط کئے۔ فقہ حنفی کی بنیاد یہیں پڑی امام ابو حنیفہ صاحب نے قاضی ابویوسف وغیرہ کی شرکت سے فقہ کی جو مجلس قائم کی وہ یہیں قائم کی۔ حدیث اور علوم عربیت کے بڑے بڑے ائمہ فن جو یہاں پیدا ہوئے ان میں ابوالحکم نعیمی، حماد، امام ابو حنیفہ شعبی یادگار زمانہ تھے۔ (نور و جہ کے ۲۰۰، طبری، الفاروق اور مجمع البلدان سے لئے گئے)

فسطاط

عمو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اسکندریہ فتح کر لیا تو یونانی جو کثرت سے وہاں آباد تھے عموماً شہر چھوڑ کر نکل گئے ان مکانات کو خالی دیکھ کر عمو بن العاص نے ارادہ کیا کہ اس کو مستقر حکومت بنائیں۔ چنانچہ دربار خلافت سے اجازت طلب کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دریا کے حاکم ہونے سے بہت ڈرتے تھے۔ بصرہ کو فدی کی آبادی کے وقت افسروں کو لکھا کہ شہر جہاں بسایا جائے وہاں سے مدینہ تک دریا راہ میں نہ آئے چونکہ اسکندریہ کی راہ میں دریا بنے نکل پڑتا تھا اس لئے اس کو مستقر ریاست بنانا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پسند کیا۔ عمو بن العاص اسکندریہ سے چل کر قصر اشع میں آئے یہاں ان کا وہ خیمہ اب تک اسی حالت سے کھڑا تھا جس کو وہ اسکندریہ کے حملے کے وقت خالی چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ اسی خیمے میں اترے اور وہیں نئی آبادی کی بنیاد ڈالی۔ ہر ہر قبیلے کے الگ الگ احاطے کھینچے اور معاویہ بن خدیج شریک بن سہمی، عمو بن مخرم، حویل بن ناشرو کو متعین کیا کہ جس قبیلے کو جہاں مناسب سمجھیں آباد کریں۔ جس قدر محلے اس وقت تھے اور جو قبائل ان میں آباد ہوئے ان کے نام علامہ مقریزی نے تفصیل سے لکھے ہیں۔ جامع مسجد خاص اہتمام سے بنی۔ عام روایت ہے کہ ۸۰ صحابہ نے جمع ہو کر قبلہ کی سمت متعین کی ان صحابہ میں زبیر، مقداد، عبادہ، ابو درود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بڑے بڑے اکابر صحابہ شریک تھے۔ یہ مسجد مہم گزلبی اور مہم گزبوی تھی۔ تین طرف دروازے تھے جن میں سے ایک دارالحکومت کے مقابل تھا۔ اور عمارتوں میں سات گز کا فاصلہ تھا۔

عمو بن العاص نے ایک مکان خاص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے تعمیر کرایا تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ بھیجا یہ میرے کس کام کا ہے تو وہاں بازار آباد کرایا گیا چونکہ اس شہر کی آبادی خیمہ گاہ سے شروع ہوئی تھی اس لئے اس کا نام فسطاط پڑا۔ جس کے معنی عربی میں خیمہ کے ہیں۔ آبادی کا سن ۸۰ ہجری ہے۔

فسطاط کی وسعت آبادی

فسطاط نے نہایت جلد ترقی کی۔ اور اسکندریہ کی بجائے مصر کا صدر مقام بن گیا۔ امیر معاویہ کے زمانے میں ۸۰ ہزار عرب کے نام دفتر میں قلمبند تھے۔ مؤرخ قضائی کا بیان ہے کہ ایک زمانہ میں یہاں ۳۰۰ مسجدیں ۸۰ ہزار سڑکیں ۷۰۰ حمام تھے اس کی وسعت اور ہر

قسم کے مسوولان کی کثرت کو مقریزی نے کئی صفحہ میں تفصیل سے لکھا ہے۔ مدت تک یہ شہر سلاطین مصر کا پایہ تخت اور تمدن و ترقی کا مرکز رہا۔ علامہ بشاری جس نے چوتھی صدی میں دنیا کا سفر کیا اس شہر کی نسبت اپنے جغرافیہ میں لکھا ہے فاسخ بغداد مفسر الاسلام خزائن المغرب لبس فی الاسلام اکبر مجالس من جامعہ ولا احسن تعجلا من اہلہ ولا اکثر مواکب من ساحلہ یعنی "یہ شہر بغداد کا تاج مغرب کا خزانہ اور اسلام کا خزانہ ہے۔ تمام اسلام میں یہاں سے زیادہ کسی جامع مسجد میں علمی مجلسیں نہیں ہوتیں نہ یہاں سے زیادہ کسی شہر کے ساحل پر جمادات نکلنے لگتے ہیں۔"

موصل

موصل یہ مقام اسلام سے پہلے بھی موجود تھا۔ لیکن اس وقت اس کی حالت یہ تھی کہ ایک قلعہ اور اس کے پاس جیسائیوں کے چند معبد تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں شہر کی حیثیت سے آباد ہوا۔ ہر ثمد بن عرفجہ نے اس کی بنیاد رکھی اور قبائل عرب کے متعدد محلے آباد کئے ایک خاص جامع مسجد بھی تعمیر کرائی۔ ملکی حیثیت سے یہ شہر ایک خاص حیثیت رکھتا ہے یعنی اس کے ذریعے سے مشرق اور مغرب کا ذیقا ملا ہے اور شاید اسی مناسبت سے اس کا نام موصل رکھا گیا۔ یا قوت حموی نے لکھا ہے کہ یہ مشہور ہے کہ دنیا کے بڑے شہر تین ہیں۔ نیشاپور جو مشرق کا دروازہ ہے اور دمشق جو مغرب کا دروازہ ہے اور موصل جو مشرق و مغرب کی گذر گاہ ہے یعنی آدمی کسی طرف جانا چاہے تو اس کو یہاں سے گزرنا پڑتا ہے اس شہر نے بھی رفتہ رفتہ نہایت ترقی کی۔ چنانچہ اس کی وسعت اور عظمت کے حالات مجمل البلدان اور جغرافیہ بشاری وغیرہ میں تفصیل سے ملتے ہیں۔

جمہورہ

یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جو دریا بنے نکل کے غریب جانب فسطاط کے مقابل واقع ہے عمو بن العاص اسکندریہ کی فتح کے بعد فسطاط آئے تو اس غرض کے لئے رومی دریا کی طرف سے نہ چڑھ آئیں، تھوڑی سی فوج اس مقام پر متعین کر دی جس میں حمیر اور انزوہ ہمدان کے قبیلے کے لوگ تھے۔ فسطاط کی آبادی کے بعد عمو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کو بلا لینا چاہا لیکن ان کو دریا کا منظر ایسا پسند آیا کہ وہ یہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے تھے اور حجت یہ پیش

کی کہ ہم جناد کے لئے یہاں آئے تھے اور ایسے عمدہ مقصد کو چھوڑ کر اور کہیں نہیں جاسکتے۔
عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے حالات کی اطلاع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کو دی۔ وہ اگرچہ دریا کے نام سے گھبراتے تھے لیکن مصلحت دیکھ کر اجازت دی اور ساتھ ہی یہ
حکم بھیجا کہ ان کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تعمیر کیا جائے۔ چنانچہ ہجرہ ہجری میں قلعہ کی بنیاد
پڑی اور ۳۲ ہجری میں بن کر تیار ہوا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب قلعہ بننا شروع ہوا
تو قبیلہ ہمدان نے کہا کہ ”ہم ناموہوں کی طرح قلعہ کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتے۔ ہمارا قلعہ
ہماری تلوار ہے“ چنانچہ یہ قبیلہ اور ان کے ساتھ بعض اور قبیلوں نے قلعہ سے باہر کھلے
میدان میں ڈیرے ڈالے اور ہمیشہ وہیں رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی برکت سے یہ
چھوٹا سا مقام بھی علمی حیثیت سے خالی نہیں رہا۔ چنانچہ بڑے بڑے محدث یہاں پیدا ہوئے۔
ان میں بعض کے نام معجم البلد ان میں مذکور ہیں۔

(جیزہ کے حلق مرقزی نے نہایت تفصیل سے کام لیا ہے)

صیغہ فوج

اسلام سے پہلے دنیا میں اگرچہ بڑی بڑی عظیم الشان سلطنتیں گزر چکی ہیں۔ جن
کی بقیہ یادگاریں خود اسلام کے عہد میں بھی موجود تھیں فنی سسٹم جہاں جہاں تھا غیر منظم اور
اصول سیاست کے خلاف تھا۔ روم کبیر میں جس کی سلطنت کسی زمانے میں تمام دنیا پر چھا گئی
تھی فوج کے انتظام کا یہ طریقہ تھا۔

فوجی نظام رومن ایسا میں

کہ ملک میں جو لوگ نام و نمود کے ہوتے تھے اور سپہ گری سپہ سالاری کا جو ہر رکھتے
تھے ان کو بڑی بڑی جاگیریں دی جاتی تھیں اور یہ عہد لیا جاتا تھا کہ جنگی مہمات کے وقت اس
قدر فوج لے کر حاضر ہوں گے یہ لوگ تمام ملک میں پھیلے ہوئے تھے اور خاص خاص قعدہ کی
فوجیں رکھتے تھے لیکن ان فوجوں کا تعلق براہ راست سلطنت سے نہیں ہوتا تھا۔ اور اس وجہ
سے اگرچہ کبھی بغاوت بلند کرتے تھے تو ان کی فوج ان کے ساتھ ہو کر خود سلطنت کا مقابلہ کرتی
تھی اس طریقہ کا نام فیوڈل سسٹم تھا اور یہ فوجی افسرین کھلاتے تھے اس طریقے نے یہ وسعت
حاصل کی کہ بیوں لوگ بھی اپنے بچے اس قسم کے جاگیردار اور علاقہ دار رکھتے تھے اور سلسلہ
سلسلہ بہت سے طبقے قائم ہو گئے تھے۔

فوجی نظام فارس میں

ایران میں بھی قریب قریب یہی دستور تھا فارسی میں جن کو مرزبان اور وہقان کہتے
ہیں وہ اسی قسم کے جاگیردار اور زمیندار تھے۔ اس طریقے نے روم کی سلطنت کو دراصل برباد کر
دیا تھا آج تو عام طور پر مسلم ہے کہ یہ نہایت برا طریقہ تھا۔

فوجی نظام فرانس میں

فرانس میں ۱۱۰۰ تک فوج کی تختہ اویا روز نہ کچھ نہیں ہوتا تھا۔ فوجی لوٹ میں جو مل
جاتا تھا وہی قرعہ ڈال کر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اس زمانے کے بعد کچھ ترقی ہوئی تو وہی روم کا
فیوڈل سسٹم قائم ہو گیا چنانچہ اسلام کے بعد ۱۱۰۰ تک یہی طریقہ جاری رہا۔
عرب میں شہان یمن وغیرہ کے ہاں فوج کا کوئی منظم بندوبست نہیں تھا۔ اسلام کے

تھا۔ تک اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں صرف اس قدر ہوا کہ خلافت کے پہلے سال غنیمت سے جس قدر پچاواہ سب لوگوں پر دس دس روپے کے حساب سے تقسیم کر دیا گیا۔ دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو تعداد دس سے بیس تک پہنچ گئی۔ لیکن نہ فوج کی کچھ تنخواہ مقرر ہوئی نہ اہل فوج کا کوئی رجسٹر بنانہ کوئی محکمہ جنگ قائم ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اوائل خلافت تک بھی یہی حال رہا۔ لیکن ہر بھری ہی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مسئلے کو اس قدر منظم اور باقاعدہ کر دیا کہ اس وقت کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فوجی نظام

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توجہ کرنے کے مختلف اسباب بیان کئے گئے ہیں۔ عام روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بحرن کے حاکم مقرر کئے گئے تھے پانچ لاکھ درہم لے کر مدینہ میں آئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی اطلاع دی۔ پانچ لاکھ کی رقم اس وقت اس قدر عجوبہ چیز تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ خیر ہے! کہتے کیا ہو؟ انہوں نے پھر پانچ لاکھ کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تم کو کتنی بھی آتی ہے؟ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہاں، یہ کہہ کر پانچ دفعہ لاکھ لاکھ کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یقین آیا تو مجلس شوریٰ منعقد کی اور رائے پوچھی کہ اس قدر زر کثیر کیونکر صرف کیا جائے؟ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مختلف تجویزیں پیش کیں۔ ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے شام کے والیان ملک کو دیکھا ہے کہ ان کے ہاں فوج کا دفتر اور رجسٹر مرتب رہتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ رائے پسند آئی اور فوج کی اسم فہرست اور ترتیب دفتر کا خیال پیدا ہوا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ رائے دہندہ نے سلاطین غم کا حوالہ دیا اور یہی روایت قرن قیاس ہے کیونکہ جب دفتر مرتب ہو تو اس کا نام دیوان رکھا گیا۔ اور یہ فارسی لفظ ہے دیستان، دفتر دیوان سب ایک ماہہ کے لفظ ہیں جن کا مشترک ماہہ دب ایک پسلی لفظ ہے جس کے معنی نگاہ رکھنے کے ہیں۔ (۱۔ مقررہ صفحہ ۲۳۸ اور فوج البلدان صفحہ ۳۲۹۔)

تمام ملک کا فوج بنانا

ہر حال ہر بھری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کا ایک مستقل محکمہ

قائم کرنا چاہا اس باب میں ان کی سب سے زیادہ قابل لحاظ جو تجویز تھی وہ تمام ملک کا فوج بنانا تھا۔ انہوں نے اس مسئلے کو کہ ہر مسلمان فوج اسلام کا ایک سپاہی ہے باقاعدہ طور سے عمل میں لانا چاہا۔ لیکن چونکہ ابتداء میں ایسی تعلیم نہ تھی۔ اول قریش اور انصار سے شروع کیا۔ مدینہ منورہ میں اس وقت تین شخصیں بہت بڑے نسب اور حساب کتاب کے فن میں استاد تھے۔ خزیمہ بن نوفل، جیسر بن مطعم، عقیل بن ابی طالب علم الانساب عرب کا موروٹی فن تھا اور خاص کر یہ تینوں بزرگ اس فن کے لحاظ سے تمام عرب میں ممتاز تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو بلا کر یہ خدمت سپرد کی کہ تمام قریش اور انصار کا ایک دفتر تیار کریں جس میں ہر ایک کا نام و نسب مفصلاً درج ہو ان لوگوں نے ایک نقشہ بنا کر پیش کیا۔ جس میں سب سے پہلے بنو ہاشم پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاندان پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبیلہ تھا۔ یہ ترتیب ان لوگوں نے خلافت و حکومت کے لحاظ سے قرار دی تھی۔ لیکن اگر وہ قائم رہتی تو خلافت خود غرضی کا آئہ کار بن جاتی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "میں نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قربت و ادبوں سے شروع کرو۔ اور درجہ بدرجہ لوگ جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہوتے گئے ہیں۔ اسی ترتیب سے ان کا نام آخر میں لکھتے جاؤ۔ یہاں تک کہ جب میرے قبیلے تک نویت آئے تو میرا نام بھی لکھو۔"

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ خلفائے اربعہ میں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسب سب سے اخیر میں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے غرض اس ہدایت کے موافق رجسٹر تیار ہوا۔ اور حسب ذیل تنخواہیں مقرر ہوئیں۔ (تنخواہوں کی تفصیل میں مختلف روایتیں ہیں۔ میں نے کتاب الخراج صفحہ ۲۳۸ و مقررہ جلد اول صفحہ ۲۳۸ و طہا صفحہ ۲۳۸ و یعقوبی صفحہ ۲۳۸ و طبری صفحہ ۲۳۸ کے بیانات کو حتی الامکان مطابق کر کے لکھا ہے۔)

تقسیم مراتب	تعداد و تنخواہ سالانہ
جو لوگ جنگ بدر میں شریک تھے۔	۵ ہزار درہم
مجاہدین حبش اور شراکے جنگ احد۔	۳ ہزار درہم

۳ ہزار درہم	فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے ہجرت کی۔
۲ ہزار درہم	جو لوگ فتح مکہ میں ایمان لائے۔
۲ ہزار درہم	جو لوگ جنگ قادسیہ اور یرموک میں شریک تھے۔
۳ سو درہم	اہل یمن
۳ سو درہم	قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین
۲ سو درہم	بلا امتیاز مراتب

جن لوگوں کے نام درج دفتر ہوئے ان کی بیوی بچوں کی تنخواہیں مقرر ہوئیں چنانچہ
مجاہدین اور انصار کی بیویوں کی تنخواہ ۲۰۰۰ سے ۴۰۰۰ درہم تک اور اہل بدر کی اولاد ذکور کی دو ہزار
درہم مقرر ہوئی اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن لوگوں کی جو تنخواہ مقرر ہوئی
ان کے غلاموں کی بھی وہی تنخواہ مقرر ہوئی۔ اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کے
نویک غلاموں کا کیا درجہ تھا۔

جس قدر آدمی درج رجسٹر ہوئے اگرچہ سب در حقیقت فوج کی حیثیت رکھتے تھے۔
لیکن ان کی دو قسمیں قرار دی گئیں۔

① جو ہر وقت جنگی مہمات میں مصروف رہتے تھے گویا یہ فوج نظام یعنی باقاعدہ فوج تھی۔

۲ اس موقع پر ایک اہم نہایت توجہ کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ تمام
عرب کی جو تنخواہیں مقرر کیں اس کو فوجی سبب سے چند ان تعلق نہیں بلکہ یہ رفاہ عام کی غرض سے تھا لیکن یہ نہایت
غلط خیال ہے اولاً جہاں عمارتوں نے اس واقعہ کا شان نزول بیان کیا ہے لکھا ہے کہ ولید بن ہشامؓ نے حضرت عمرؓ
سے کہا کہ قلعہ نہایت الشام فراہم ملو کھا تھو تو وہو ما وجندوا جنداً فعدوہو دعو انما جند جنداً فاحذ
بقولہ یعنی میں نے شام کے بادشاہوں کو دیکھا کہ وہ فوج اور فوج رکھتے ہیں آپ بھی دیکھنا ہے اور فوج مرتب کیجئے
چنانچہ عمرؓ نے ولید کے قول پر عمل کیا۔

دوسرے یہ کہ جن لوگوں سے جنگی خدمت نہیں لی جاتی تھی اور قدیم جنگی خدمتوں کا انتخاب بھی نہیں رکھتے تھے
حضرت عمرؓ ان کی تنخواہ نہیں مقرر کرتے تھے اسی بناء پر کہ وہ لوگوں کو تنخواہ نہیں ملتی تھی فوج البلدان میں ہے
ان عمرؓ کان لا یعطی اهل مکة عطل ولا یضرب علیہم بعنا فتوح صفحہ ۴۴۵ میں وجہ بھی کہ جب صحرا کشین
پر وہابی نے حضرت ابو عبیدہؓ سے تنخواہ کی تقریر کی اور خواست کی تو انہوں نے فرمایا کہ جب تک تباہی میں رہنے والوں
کی تنخواہیں مقرر نہ ہو جائیں۔ صحرائیوں کا روزیہ نہیں مقرر ہو سکتا۔

البتہ اس میں شک نہیں کہ اولیٰ اول فوج کے رجسٹر میں اور بھی بہت سی قسم کے لوگ شامل تھے۔ مثلاً جو لوگ قرآن
مجید حفظ کر لیتے تھے یا کسی فن میں صاحب کمال تھے لیکن استغناء سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ یہ غلط بحث ہو
ضرورت اختیار کیا گیا تھا کیا چنانچہ اسی مضمون میں آگے اس کی بحث آتی ہے۔

② جو معمولاً اپنے گھروں میں رہتے تھے لیکن ضرورت کے وقت طلب کئے جاسکتے تھے۔
ان کو عربی میں مکتوبۃ کہتے ہیں اور آج کل کی اصطلاح میں اس قسم کی فوج کو والنشور کہا جاتا
ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ آج کل والنشور تنخواہ نہیں پاتے۔

فوجی نظم و نسق کا یہ پہلا دباچہ تھا اور اس وجہ سے اس میں بعض بے ترتیبیاں بھی
تھیں سب سے پہلا غلط بحث یہ تھا کہ تنخواہوں کے ساتھ پولیٹیکل تنخواہیں بھی شامل تھیں اور
ان دونوں کا ایک ہی رجسٹر تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ یعنی اہم ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے اس صفحے کو اس قدر مرتب اور منظم کر دیا کہ غالباً اس عہد تک کہیں اور کبھی نہیں ہوا
تھا۔ چنانچہ ہم ایک ایک جزئی انتظام کو اس موقع پر نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں جس سے
معلوم ہو گا کہ عرب کے ابتدائے تمدن میں انتظامات فوجی کی اس قدر شاخص قائم کرنی اور ایک
ایک شاخ کا اس حد تک مرتب اور باقاعدہ کرنا اسی شخص کا کام تھا جو فاروق اعظم کا لقب رکھتا
تھا۔

اس صفحے میں سب سے مقدم اور اصولی انتظام ملک کا جنگی حیثیت سے مختلف
حصوں میں تقسیم کرنا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۴۰ ہجری میں ملکی حیثیت سے
ملک کی دو تقسیمیں کیں۔ ملکی اور فوجی، ملکی کا حال دیوانی انتظامات کے ذکر میں گزر چکا ہے۔

فوجی صدر مقامات

فوجی حیثیت سے چند بڑے بڑے فوجی مراکز قرار دیئے جن کا نام لے چند رکھا اور یہی
اصطلاح آج تک قائم ہے ان کی تفصیل یہ ہے مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، مصر،
دمشق، حمص، اردن، فلسطین، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں فتوحات کی حد
اگرچہ بلوچستان کے ڈائری سے مل گئی تھی۔ لیکن جو ممالک آئینی ممالک کے جاسکتے تھے وہ
صرف عراق، مصر، جزیرہ اور شام تھے۔ چنانچہ اسی اصول پر فوجی صدر مقامات بھی انہی ممالک
میں قائم کئے گئے۔ موصل جزیرہ کا صدر مقام تھا۔ شام کی وسعت کے لحاظ سے وہاں متعدد
صدر مقام قائم کرنے ضروری تھے اس لئے دمشق، فلسطین، حمص، اردن چار صدر مقام قرار
دیئے۔ فسطاط کی وجہ سے جو اب قاہرہ سے بدل گیا ہے۔ تمام مصر پر اثر پڑتا تھا۔ بصرہ، کوفہ، مدینہ
شہر فارس اور خوزستان اور تمام مشرق کی فتوحات کے دروازے تھے۔

۱۔ بعد کی تحقیقات کے لئے دیکھو فوج البلدان صفحہ ۲۲۰۔ مورخ یعقوبی نے واقعات ۲۰ میں لکھا ہے کہ اس سال
حضرت عمرؓ نے فوجی صدر مقامات قائم کئے۔ لیکن مؤرخ ذکور نے صرف فلسطین، جزیرہ، موصل اور قنسرين کا نام
لکھا ہے۔ یہ سرت غلطی ہے۔

ان صدر مقامات میں جو انتظامات فوج کے لئے تھے وہ حسب ذیل تھے۔

فوجی بارکیں

فوجوں کے رہنے کے لئے بارکیں تھیں۔ کوفہ، بصرہ، فسطاط، یہ تینوں شہر تو دراصل فوج کے قیام اور پود و پاش کے لئے آباد ہی کئے گئے تھے موصول میں بھیوں کے زمانے کا ایک قلعہ چند گرجے اور معمولی مکانات تھے۔ ہر ثد بن عرفہ ازدی (گورنر موصول) نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہدایت کے بموجب داغ بیل ڈال کر اس کو شہر کی صورت میں آباد کیا۔ اور عرب کے مختلف قبیلوں کے لئے جدا جدا محلے بسائے۔

گھوڑوں کی پرواخت

ہر جگہ بڑے اسطبل خانے تھے جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت سازد سامان کے ساتھ رہتے تھے یہ صرف اس غرض سے مہیا رکھے جاتے تھے کہ دفعتاً ضرورت پیش آجائے تو ۳۲ ہزار سواروں کا رسالہ تیار ہو لے جائے۔ علمہ بھری میں جزیرہ والوں نے دفعتاً بغاوت کی تو یہی تدبیر کلید ظفر فہری، ان گھوڑوں کی پرواخت اور ترتیب میں نہایت اہتمام کیا جاتا تھا۔ مدینہ منورہ کا انتظام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود اپنے اہتمام میں رکھا تھا۔ شہر سے چار منٹل پر ایک لے چہرہ تیار کر رکھی تھی اور خود اپنے نظام کو جس کا نام ہنی تھا اس کی حفاظت اور نگرانی کے لئے مقرر کیا تھا۔ ان گھوڑوں کی رانوں پر داغ کے ذریعے سے یہ الفاظ لکھے جاتے تھے۔ جیش فی سبیل اللہ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۳۹) کوفہ میں اس کا اہتمام سلمان بن ربیعہ الباہلی کے متعلق تھا جو گھوڑوں کی شناخت اور پرواخت میں کمال رکھتے تھے یہاں تک کہ ان کے نام میں یہ خصوصیت داخل ہو گئی تھی اور سلمان ان کے نام سے پکارے جاتے تھے جانوں میں یہ گھوڑے اسطبل خانے میں رکھے جاتے تھے چنانچہ چوتھی صدی تک یہ جگہ آری کے نام سے مشہور تھی جس کے معنی اسطبل خانے کے ہیں اور اسی لحاظ سے

۱۔ تاریخ طبری صفحہ ۴۵۴ میں ہے کان لعمرا و بعدہ آلاف قمرس عدة لکن ان کان یسئیرھا فی قبلۃ قصر النکوفۃ و فی البصرۃ منہا قیم علیہا جزین معاویہ و فی کل معبر من الامصار الثمانیۃ علی قدر حافظان دابنہم نائبہ و کب قوم و تقدسوا الی ان یستعد الناس ان حضرت عمرؓ نے گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش اور

پرواخت کے لئے عرب میں متحد چہرہ تیار کر رکھی تھیں۔ سب سے جلدی پر اکھوڑو میں تھی جو مدینہ منورہ سے چار منٹل کے فاصلے پر بعدد کے قطع میں واقع ہے۔ یہ پر اکھوڑو میل بی اور اسی قدر چڑھی تھی اور وہ سری مقام صریح میں تھی جو کہ معظمہ سے سات منٹل پر ہے اسی کی وسعت ہر طرف سے چھ چھ میل تھی اسی میں تقریباً چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے۔ ان پر اکھوڑوں کی پروری تفصیل علامۃ الہدایہ اخبار دار السلطنۃ مصر صفحہ ۲۵۷ ۲۵۸ میں ہے۔

عجمی اس کو آنور شاہ جہاں کہتے تھے بہار میں یہ گھوڑے ساحل فرات پر عاقوں کے قریب شاداب چہرہ اکھوڑوں میں چرائے جاتے مسلمان ہمیشہ گھوڑوں کی ترتیب میں نہایت کوشش کرتے تھے اور ہمیشہ سال میں ایک دفعہ گھوڑوڑ بھی کراتے تھے۔

خاص کر عہد نسل کے گھوڑوں کو انہوں نے نہایت ترقی دی۔ اس سے پہلے اہل عرب، نسل میں ماں کی پرواہ نہیں کرتے تھے سب سے پہلے مسلمان نے یہ امتیاز قائم کیا۔ چنانچہ جس گھوڑے کی ماں عربی نہیں ہوتی تھی وہ غلام قرار دے کر تقسیم غنیمت میں سوار کو حصہ سے محروم کر دیتے تھے۔ (کتب رجال میں سلمان بن ربیعہ کا تذکرہ دیکھو) بصرہ کا اہتمام جزر بن معاویہ کے متعلق تھا جو صوبہ ابواز کے گورنر رہ چکے تھے۔

فوج کا دفتر

فوج کے متعلق ہر قسم کے کاغذات اور دفتری انشی مقامات میں رہتا تھا۔

رسد کا غلہ

رسد کے لئے جو غلہ اور اجناس مہیا کی جاتی تھیں وہ انشی مقامات میں رکھی جاتی تھیں۔ اور ہمیں سے اور مقامات کو بھیجی جاتی تھیں۔

فوجی چھاؤنیاں

ان صدر مقامات کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے بڑے شہروں اور مناسب مقامات میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کیں اور عرب کو تمام ممالک مفتوحہ میں پھیلا دیا اگرچہ یہ ان کا عام اصول تھا کہ جو شہر فتح ہوتا تھا اسی وقت ایک مناسب تعداد کی فوج وہاں متعین کر دی جاتی تھی جو وہاں سے ملتی نہ تھی۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب شام فتح کیا تو ہر ہر ضلع میں ایک عامل مقرر کیا جس کے ساتھ ایک معتدبہ فوج رہتی تھی لیکن امن و امان قائم ہونے پر بھی کوئی بڑا ضلع یا شہر ایسا نہ تھا جہاں فوجی سلسلہ قائم نہیں کیا گیا۔

علمہ بھری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب شام کا سفر کیا تو ان مقامات میں جہاں ملک کی سرحد دشمن ملک سے ملتی تھی۔ یعنی دلوک، مسیح، رعیان، قورس، تیزین، انطاکیہ وغیرہ (عربی میں ان کو فوج یا ثغور کہتے ہیں) ایک ایک شہر کا دعوہ کیا اور ہر قسم کا فوجی نظم و نسق

اور مناسب انتظامات کئے جو مقامات دریا کے کنارے پر واقع قلعہ بلاد ساحلہ کہلاتے تھے۔ یعنی عسقلان یا قیساریہ، ارسوف، عکا، صور، صیوت، طرطوس، صیدا، ایلاس، اللاذقیہ چونکہ رومیوں کی بحری طاقت کی زبردستی اس لئے ان کا مستقل جداگانہ انتظام کیا اور اس کا افسر کل عبداللہ بن قیس کو مقرر کیا۔ پالس چونکہ غنی فزات کے ساحل پر تھا اور عراق سے، سرحد تھا۔ وہاں فوجی انتظام کے ساتھ اس قدر اضافہ کیا کہ شامی عرب جو اسلام قبول کر چکے تھے آباد کئے۔

(فتح البلدان صفحہ ۱۸۱ میں ہے) ترتیب ابو عبیدہ بن جراح نے مناصب سے اس کے بعد قوماً من العرب الذین کانوا بالشام فاسلموا بعد قدوم المسلمین بالشام

۸۱ ہجری میں جب یزید بن ابی سفیان کا انتقال ہوا تو ان کے بھائی معاویہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی کہ سواحل شام پر زیادہ تیاری کی ضرورت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی وقت حکم بھیجا کہ تمام قلعوں کی نئے سرے سے مرمت کرائی جائے اور ان میں فوجیں مرتب کی جائیں اس کے ساتھ تمام دریائی منظر گاہوں پر پہرہ والے تعینات کئے جائیں اور آگ روشن رہنے کا انتظام کیا جائے۔ (فتح البلدان صفحہ ۵۸ میں ہے) ان معاویۃ کتب الی عمر بن الخطاب بعد موت اخی یزید الحلل السواحل فکتب الیہ فی مرمت حصولها افرتب المقاتلۃ فیہا واقامۃ الحوس علی مناظرھا وانتهاز المواعید لھا

اسکندریہ میں یہ انتظام تھا کہ عمرو بن العاص کی افسری میں جس قدر فوجیں تھیں اس کی ایک چوتھائی اسکندریہ کے لئے مخصوص تھی۔ ایک چوتھائی ساحل کے مقامات میں رہتی تھی۔ باقی اسی فوج خود عمرو بن العاص کے ساتھ فسطاط میں اقامت رکھتی تھی یہ فوجیں بڑے بڑے وسیع ایوانوں میں رہتی تھیں اور ہر ایوان میں ان کے ساتھ ایک عریف رہتا تھا جو ان کے قبیلہ کا سردار ہوتا تھا اور جس کی معرفت ان کو تنخواہیں تقسیم ہوتی تھیں ایوانوں کے آگے صحن کے طور پر وسیع انداز میں ہوتی تھی۔ (مقرنی جلد اول صفحہ ۲۸ میں ہے) وکان لکل

حریف قصر یزول یمن مع من اصحابہ اتخلفوا فیہا عایدہ

۸۱ ہجری میں جب ہرقل نے دریا کی راہ سے مصر پر حملہ کرنا چاہا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں قائم کر دیں یہاں تک کہ عمرو بن العاص کی ماتحتی

لقد ارجع طبری صفحہ ۲۵۳۔ اصل عبارت یہ ہے۔ قسم عمر الاراق وسمی الشوائب والصنواف وصدف ورج الشام وسمی الحما واخذہا وسمی ملک فی کل کورۃ واستعمل عبداللہ بن قیس علی السواحل من کل کورۃ۔

میں جس قدر فوج تھی اس کی ایک چوتھائی انہی کے مقامات کے لئے مخصوص کر دی۔ عراق میں بصرہ کو ذرا کچھ محفوظ مقامات تھے چنانچہ خاص کوہ میں چالیس ہزار سپاہی ہمیشہ رہتے تھے اور انتظام یہ تھا کہ ان میں سے ۱۰ ہزار بیویں مہمات میں مصروف رکھے جائیں تاہم ان اضلاع میں غمبوں کی جو فوجی چھاؤنیاں پہلے سے موجود تھیں از سر نو تعمیر کر کے فوجی قوت سے مضبوط کر دی گئیں۔ خربہ اور زاہدہ میں سات چھوٹی چھاؤنیاں تھیں وہ سب نئے سرے سے تعمیر کر دی گئیں۔ صوبہ خوزستان میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں۔ چنانچہ شہر تیری، منازر، سوق الاہواز، سرق، ہرمزان، موس، بنیان، جندی، ساہور، مہر، جانقلق یہ تمام فوجوں سے معمور ہو چکے تھے۔ رے اور آذربائیجان کی چھاؤنیوں میں ہمیشہ ۱۰ ہزار فوجیں موجود رہتی تھیں۔

اسی طرح اور سینکڑوں چھاؤنیاں جا بجا قائم کی گئیں جن کی تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں۔ البتہ اس موقع پر یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اس سلسلے کو اس قدر وسعت کیل دی گئی تھی۔ اور فوجی مقامات کے انتخاب میں کیا اصول ملحوظ تھے؟ اصل یہ ہے کہ اس وقت اسلام کی فوجی قوت نے اگرچہ بہت زور اور وسعت حاصل کر لی تھی لیکن بحری طاقت کا کچھ سامان نہ تھا، اور یونانی مدت سے اس فن میں مشاق ہوتے آتے تھے اس وجہ سے شام مصر میں اگرچہ کسی اندرونی بغاوت کا کچھ اندیشہ نہ تھا۔ کیونکہ اہل ملک باوجود اختلاف مذہب کے مسلمانوں کو عیسائیوں سے زیادہ پسند کرتے تھے لیکن رومیوں کے بحری حملوں کا ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ایشیائے کوچک ابھی تک رومیوں کے قبضے میں تھا اور وہاں ان کی قوت کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا تھا۔ ان وجوہ سے ضروری تھا کہ سرحدی مقامات اور بندرگاہوں کو نہایت مستحکم رکھا جائے۔

فوجی چھاؤنیاں کس اصول پر قائم تھیں؟

یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس قدر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں انہی مقامات میں کیں جو یا ساحل پر واقع تھے یا ایشیائے کوچک کے ناکے پر تھے عراق کی حالت اس سے مختلف تھی کیونکہ وہاں سلطنت کے سوا ملک کے بڑے بڑے رئیس جو مرزبان کہلاتے تھے اپنی ہائے ریاست کے لئے لڑتے رہتے تھے اور وہ کر مطلع بھی ہو جاتے تھے تو

۱۔ ویکو طبری صفحہ ۲۵۵ وقرنی صفحہ ۳۱۹ ۲۔ تاریخ طبری صفحہ ۲۸۰۵ میں ہے وکان بالکوفۃ المذاک اور معون الف مقاتل وکان ہذا معین الشغریں (ابی الی واذہبجان) ہم عشرۃ الاف فی کل سندیکان الریال صید فی کل الیوم سنین غزوۃ۔ فتح البلدان صفحہ ۲۸۰۵ ۳۔ طبری صفحہ ۲۸۰۵۔

ان کی اطاعت پر اطمینان نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے ان ممالک میں ہر جگہ فوجی سلسلہ قائم رکھنا ضروری تھا کہ مدعیان ریاست بغاوت کا خواب نہ دیکھنے پائیں۔

فوجی دفتر کی وسعت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سلسلے کے ساتھ انتظامات کے اور مینوں پر بھی توجہ کی اور ایک ایک صیغے کو اس قدر منظم کر دیا کہ اس وقت کے تمدن کے لحاظ سے ایک معجزہ سا معلوم ہوتا ہے فوجوں کی بھرتی کا دفتر جس کی ابتداء ماجرین اور انصار سے ہوئی تھی وسیع ہوتے ہوتے قریباً تمام عرب کو محیط ہو گیا، مدینہ سے عسکان تک جو مکہ معظمہ سے دو منزل اور ہے جس قدر قبائل آباد تھے ایک ایک کی موسم شماری ہو کر رجسٹر بنے۔ بحرین جو عرب کا انتہائی صوبہ ہے بلکہ عرب کے جغرافیہ نویس اس کو عراق کے اضلاع میں شمار کرتے ہیں۔ وہاں کے تمام قبائل کا دفتر تیار کیا گیا، کوفہ، بصرہ، موصل، قسطنطنیہ، بیروہ وغیرہ میں جس قدر عرب آباد ہو گئے تھے سب کے رجسٹر مرتب ہوئے۔ اس پیشہ کار گروہ کی اعلیٰ قدر مراتب تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ اور اگرچہ ان سب کا مجموعی شمار تاریخوں سے معلوم نہیں ہوتا، تاہم قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم آٹھ دس لاکھ اھیاریہ آدمی تھے۔

ہر سال ۴۰ ہزار نئی فوج تیار ہوتی تھی

ابن سعد کی روایت ہے کہ ہر سال ۴۰ ہزار نئی فوج فتوحات پر بھیجی جاتی تھی کوفہ کی نسبت علامہ طبری نے تصریح کی ہے کہ وہاں ایک لاکھ آدمی لڑنے کے قابل بسائے گئے جن میں سے ۴۰ ہزار باقاعدہ فوج تھی یعنی ان کو باری باری سے پیشہ رے اور آؤد یا تبحان کی مہمات میں حاضر رہنا ضروری تھا۔

یہی نظام تھا جس کی بدولت ایک مدت تک تمام دنیا پر عرب کا رعب و ادب قائم رہا۔ اور فتوحات کا سیلاب برابر بڑھتا گیا۔ جس قدر اس نظام میں کمی ہوتی تھی عرب کی طاقت میں ضعف آتا گیا۔ سب سے پہلے امیر معلویہ نے اس میں تبدیلی کی یعنی شیر خوار بچوں کی تنخواہ بند کر دی، عبدالملک بن مروان نے اور بھی اس کو گھٹایا اور معتصم باللہ نے سرے سے فوجی دفتر میں سے عرب کے نام نکال دیئے اور اسی دن درحقیقت حکومت بھی عرب کے ہاتھ سے نکل گئی۔

یہ ایک اتفاقیہ جملہ بیچ میں آ گیا تھا۔ ہم پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فوجی نظام

کی طرف واپس آتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوجی دفتر کو یہاں تک وسعت دی کہ اہل عجم بھی اس میں داخل کئے گئے۔

فوج میں عجمی رومی ہندوستانی اور یہودی بھی داخل تھے

یزید گردشاہ شاہ فارس نے وکیل کی قوم سے ایک منتخب دست تیار کیا تھا جس کی تعداد چار ہزار تھی اور چند شاہنشاہ یعنی فوج خاصہ کھلاتا تھا۔ یہ فوج قادیسیہ میں کئی معرکوں کے بعد ایرانیوں سے علیحدہ ہو کر اسلام کے حلقے میں آگئی۔ سعد ابن ابی وقاص گورنر کوفہ نے ان کو فوج میں داخل کر لیا اور کوفہ میں آباد کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کر دیں۔ چنانچہ اسلامی فتوحات میں ان کا نام بھی جا بجا تاریخوں میں آتا ہے۔ یزید گرد کی فوج ہراول کا سردار ایک یونانی افسر تھا جو سیاہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔

جملہ ہجری میں یزید گرد اصفہان کو روانہ ہوا تو سیاہ کو تین سو سواروں کے ساتھ جن میں ستر بڑے بیٹے نامی پیلوان تھے اسطرح کی طرف بھیجا کہ ہر ہر شہر سے چند ہمارے منتخب کر کے ایک دست تیار کرے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ۴۰ ہجری میں سوس کا محاصرہ کیا تو یزید گرد نے سیاہ کو حکم دیا کہ اس چیدہ رسالے کے ساتھ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلے کو جائے سوس فتح کے بعد سیاہ نے مع تمام سواروں کے ابو موسیٰ سے چند شرائط کے ساتھ امن کی درخواست کی، ابو موسیٰ گوان شرائط پر راضی نہ تھے لیکن کیفیت واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ بھیجا کہ تمام شرائط منظور کر لئے جائیں۔ چنانچہ..... وہ سب کے سب بصرہ میں آباد کئے گئے اور فوجی دفتر میں نام لکھا کر ان کی تنخواہیں مقرر ہو گئیں، ان میں سے چھ افسروں کے جن کے نام یہ تھے سیاہ، خسو، شریار، شیشیہ، ازہدین، ثعلانی، ہزار اور سو سالوں کی عمر کا ہوا تھا۔ مقرر ہوئے۔ قسم کے معرکے میں سیاہ ہی کی تدبیر سے فتح حاصل ہوئی۔

(طبری واقعات ۷۱ ہجری ذکر فتح سوس و فتح البلدان از صفحہ ۲۷۴ تا ۲۷۵)

بازدان، نو شیروان کی طرف سے یمن کا گورنر تھا اس کی رکاب میں جو ایرانی فوج تھی ان میں سے اکثر مسلمان ہو گئے۔ ان کا نام بھی دفتر میں لکھا گیا تعجب یہ ہے کہ فاروقی لشکر ہندوستان کے بہادروں سے بھی خالی نہ تھا۔ سندھ کے جاٹ جن کو اہل عرب زلہ کہتے تھے، یزید گرد کے لشکر میں شامل تھے سوس کے معرکے کے بعد وہ اسلام کے حلقہ گوش ہوئے اور فوج

میں بھرتی ہو کر مصر میں آباد کئے گئے۔ (فتح البلدان صفحہ ۲)

یونانی اور رومی ہمارے فوج میں شامل تھے چنانچہ فتح مصر میں ان میں سے پانچ سو آدمی شریک جنگ تھے اور جب عمرو بن العاص نے فسطاط آباد کیا تو یہ جداگانہ محلے میں آباد کئے گئے۔ یہودیوں سے بھی یہ سلسلہ خالی نہ تھا چنانچہ مصر کی فتح میں ان میں سے ایک ہزار آدمی اسلامی فوج میں شریک تھے۔ (تاریخ مصر ص ۲۸۸ میں ان کے حالات کی قدر تحصیل سے ملتے ہیں)

غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صیغہ جنگ کو جو وسعت دی تھی اس کے لئے کسی قوم اور کسی ملک کی تخصیص نہ تھی۔ یہاں تک کہ مذہب و ملت کی بھی کچھ قید نہ تھی، والشہر فوج میں تو ہزاروں مجوسی شامل تھے جن کو مسلمانوں کے برابر مشاہرے ملتے تھے۔ فوجی نظام میں بھی مجوسیوں کا یہ ملتا ہے چنانچہ اس کی تفصیل غیر قوموں کے حقوق کے ذکر میں آئے گی۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ صیغہ جنگ کی یہ وسعت جس میں تمام قوموں کو داخل کیا گیا تھا۔ صرف اسلام کی ایک فیاضی تھی ورنہ فتوحات ملکی کے لئے عرب کو اپنی تلوار کے سوا اور کسی کا کبھی ممنون ہونا نہیں پڑا۔ البتہ اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ جن قوموں سے مقابلہ تھا انہی کے ہم قوموں کو ان سے لڑانا فتنہ جنگ کا بڑا اصول تھا۔

کہ خرگوش ہر مرز پر بے شکست سبک آں ولایت تواند گرفت

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ابتدائے انتظام فوجی صیغہ صاف صاف جداگانہ حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ یعنی جو لوگ اور حیثیت سے تنخواہیں پاتے تھے ان کے نام بھی فوجی و ہنرمیں و راجہ تھے اور اس وقت یہی مصلحت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اب یہ پرعہ بھی اٹھادنا چاہا۔ شروع شروع میں تنخواہ کی پیشی میں قرآن خوانی کے وصف کا بھی لحاظ ہوتا تھا لیکن چونکہ اس کو فوجی امور سے کچھ تعلق نہ تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو صیغہ تعلیم کر کے اس دفتر سے الگ کر دیا۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاص کو یہ الفاظ لکھ بھیجے لالفظ علی القرآن احداً۔

تنخواہوں میں ترقی

اس کے بعد تنخواہوں کی ترقی کی طرف توجہ کی۔ چونکہ وہ فوج کو ذراعت، تجارت اور اس قسم کے تمام اشغال سے ہندو بازار رکھتے تھے اس لئے ضروری تھا کہ ان کی تمام ضروریات کی کفالت کی جائے۔ اس لحاظ سے تنخواہوں میں کافی اضافہ کیا۔ ادنیٰ سے ادنیٰ شرح جو ۳۰۰

سالانہ تھی ۳۰۰۰ کر دی۔ افسروں کی تنخواہ سات ہزار سے لے کر دس ہزار تک برصاوی۔ بچوں کی تنخواہ دودھ چھوڑنے کے بعد سے مقرر ہوتی تھی۔ اب حکم دے دیا کہ پیدا ہونے کے دن سے مقرر کر دی جائے۔

رسد کا انتظام

رسد کا بندوبست پہلے صرف اس قدر تھا کہ فوجیں مثلاً قادیسیہ میں پہنچیں تو اس پاسکے دیہات پر حملہ کر کے جنس اور غلہ لوٹ لائیں۔ البتہ گوشت کا بندوبست دارالخلافہ سے تھا۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ سے بھیجا کرتے۔ البتہ پھر یہ انتظام ہوا کہ مفتوحہ قوموں سے جزیہ کے ساتھ فی کس ۲۵ اٹار غلہ لیا جاتا تھا مصر میں غلہ کے ساتھ روغن، زیتون، شہد اور سرکہ بھی وصول کیا جاتا تھا جو سپاہیوں کے سالن کا کام دیتا تھا۔ جزیرہ میں بھی یہی انتظام تھا۔ لیکن اس میں رعایا کو زحمت ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آخر اس کے بجائے نقدی مقرر کر دی۔ جس کو رعایا نے نہایت خوشی سے قبول کیا۔

رسد کا مستقل محکمہ

رفتہ رفتہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسد کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا جس کا نام امراء تھا۔ چنانچہ شام میں عمرو بن عتبہ اس محکمے کے افسر مقرر ہوئے۔ امراء ہری کی جمع ہے ہری ایک یونانی لفظ ہے جس کے معنی گودام کے ہیں چونکہ رسد کے یکجا جمع ہونے اور وہاں سے تقسیم ہونے کا یہ طریقہ یونانیوں سے لیا گیا تھا اس لئے نام میں بھی یونانی لفظ قائم رہا، تمام جنس اور غلہ ایک وسیع گودام میں جمع ہوتا تھا۔ اور سینے کی پہلی تاریخ فی سپاہی امن امار کے حساب سے تقسیم ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ فی کس ہر اٹار روغن زیتون اور ہر اٹار سرکہ بھی ملتا تھا۔ اس کے بعد اور بھی ترقی ہوئی۔ یعنی خشک جنس کی بجائے پکا پکایا کھانا ملتا تھا۔

خوراک، کپڑا اور بھتہ

چنانچہ مؤرخ یعقوبی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سفر کے ذکر میں اس کی تصریح کی ہے۔ تنخواہ اور خوراک کے علاوہ کپڑا بھی و ہر اخلافہ سے ملتا تھا۔ جس کی تفصیل

۱. فتح البلدان صفحہ ۲۵۱ اصل عبارت یہ ہے: فاذا احتاجوا الى العلف والطعام اخرجوا حقلوا لاهي البر فاعطوا على اسفل القرات وكان عمر يبعث اليهم من العبدية الغنم والحمير۔ ۲. فتح البلدان صفحہ ۲۵۸۔ ۳. تاریخ طبری صفحہ ۲۵۸۔ ۴. امراء کے معنی اور مقدمہ کے لئے، ترجمہ لسان العرب اور فتح البلدان صفحہ ۲۵۸۔

وردی کے باب میں آئے گی، ان تمام باتوں کے ساتھ جیسے بھی مقرر تھا جس کو عربی میں منوعہ کہتے ہیں۔ سواری کا گھوڑا سواروں کو اپنے اہتمام سے تیار کرنا ہوتا تھا۔ لیکن جو شخص کم سرمایہ ہوتا تھا اور اس کی تنخواہ بھی ناکافی ہوتی تھی۔ اس کو حکومت کی طرف سے گھوڑا ملتا تھا۔ چنانچہ خاص اس غرض کے لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے خود دار الخلافہ میں چار ہزار گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے۔ کتاب الخزان صفحہ ۱۲ اصل عبارت یہ ہے کان لعمر بن الخطاب اربعة الاف فرس فاذا كان في عطائه الرجل خفتا وكان محتاجا اعطاه الفرس.

تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ

جیسے و تنخواہ وغیرہ کی تقسیم کے اوقات مختلف تھے شروع محرم میں تنخواہ، فصل بہار میں جیسے اور فصل کے کٹنے کے وقت خاص خاص جاگیروں کی آمدنی تقسیم ہوتی تھی۔ تنخواہ کی تقسیم کا یہ طریقہ تھا کہ ہر قبیلے کے ساتھ ایک عریف یعنی مقدم یا رئیس ہوتا تھا فنی افسر جو کم سے کم ۲۰-۳۰ سپاہیوں پر افسر ہوتے تھے اور جو امراء الا عشر کہلاتے تھے، تنخواہ ان کو دی جاتی تھی۔ وہ عریف کے حوالے کرتے تھے اور عریف اپنے اپنے قبلہ کے سپاہیوں کے حوالے کرتے تھے ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی چنانچہ کوٹہ بھروسہ میں سو عریف تھے۔ جن کے ذریعے سے ایک کروڑ کی رقم تقسیم ہوتی تھی اس انتظام میں نہایت احتیاط اور خبر گیری سے کام لیا جاتا تھا عراق میں امراء عشر نے تنخواہوں کی تقسیم میں بے اعتدالی کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرب کے بڑے بڑے نساب اور اہل الرائے مثلاً سعید بن عمران مشعل بن نعیم وغیرہ کو بلا کر اس کی جانچ پر مقرر کیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے دوبارہ نہایت تحقیق اور صحت کے ساتھ لوگوں کے عہدے اور روزینے مقرر کئے اور دس دس کے بجائے سات سات سپاہی پر ایک ایک افسر مقرر کیا۔ عریف کا تقرر بھی فاروقی ایجادات سے تھا جس کی تقلید مدتوں تک کی گئی کثرت العمل باب الجہاد میں علامہ بیہقی کی روایت ہے۔

تنخواہوں کی ترقی

تنخواہوں میں قدامت اور کارکردگی کے لحاظ سے وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہتا تھا قادیسیہ میں زہرا، عصمت، جنتی وغیرہ نے بڑے بڑے حواریہ کام کئے تھے اس لئے ان کی تنخواہیں دو، دو ہزار تھیں۔ طبری صفحہ ۸۶ اصل عبارت یہ ہے و امر لهم بمعاد لهم فی الربیع من کل سنة فبما عطياهم فی المعمر من کل سنة و بقیہم عند طلوع الشمس فی کل سنة و ذلك عند ارباک الغلات۔ یہ واقعات نہایت تفصیل کے ساتھ طبری صفحہ ۲۳۹ و ۲۴۰ مقررہ صفحہ ۳۳ میں ہیں۔

سے ڈھائی ڈھائی ہزار ہو گئیں۔ مقررہ رقموں کے علاوہ غنیمت سے وقتاً فوقتاً جو ہاتھ آتا تھا اور علی قدر مراتب فوج پر تقسیم ہوتا تھا۔ اس کی کچھ انتہا نہ تھی۔ چنانچہ جلولا میں نو نو ہزار نہادوں میں چھ ہزار درہم ایک ایک سوار کے حصے میں آئے تھے۔ صحت اور تندرستی قائم رکھنے کے لئے حسب ذیل قاعدے مقرر تھے۔

اختلاف موسم کے لحاظ سے فوج کی تقسیم

جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے لڑائی کی جیتیں متعین کر دی تھیں یعنی جو سرد ملک تھے ان پر گرمیوں میں اور گرم ملکوں پر جانوں میں فوجیں بھیجی جاتی تھیں اس کی تقسیم کا نام شایہ اور صافیہ رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے یہاں تک کہ ہمارے مؤرخین مغربی ممالک اور فتوحات کو صرف صوائف کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں یہ انتظام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمل جبری میں کیا تھا۔ علامہ طبری لکھتے ہیں۔ و مسمی الشواتی والصوائف و مسمی فلک ملی کل کوڈہ۔

بہار کے زمانے میں فوجوں کا قیام

فصل بہار میں فوجیں ان مقامات پر بھیج دی جاتی تھیں جہاں کی آب و ہوا عمدہ اور سبزہ و مرغزار ہوتا تھا۔ یہ قاعدہ اول اول عمل میں جاری کیا گیا۔ جبکہ مدائن کی فتح کے بعد وہاں کی خراب آب و ہوا نے فوج کی تندرستی کو نقصان پہنچایا چنانچہ عقبہ بن غزوہ کو لکھا کہ ہمیشہ جب بہار کا موسم آئے تو فوجیں شاداب اور سرسبز مقامات میں چلی جائیں۔ عمرو بن العاص گورنر مصر، موسم بہار کے آنے کے ساتھ فوج کو باہر بھیج دیتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ میر و شکار میں بسر کریں اور گھوڑوں کو چرا کر فریہ بنا کر لائیں۔

آب و ہوا کا لحاظ

بارکوں کی تعمیر اور چھاٹیوں کے بنانے میں ہمیشہ عمدہ آب و ہوا کا لحاظ کیا جاتا تھا اور مکانات کے آگے کھلے ہوئے خوش فضا صحن چھوڑے جاتے تھے فوجوں کے لئے جو شہر تیار کئے گئے مثلاً کوفہ، قسطنطنیہ وغیرہ ان میں صحت کے لحاظ سے سڑکیں اور کوچے اور گلیاں نہایت وسیع تھیں۔ تاریخ طبری صفحہ ۲۳۸ میں ہے و کتب عمر الی سعد بن مالک والی عین شبن غزوان بنصرہا بالناس فی کل حین و یبع فی اطیبار۔

ہوتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس میں اس قدر اہتمام تھا کہ مساحت اور وسعت کی تعین بھی خود لکھ کر بھیجی تھی۔ چنانچہ اس کی تفصیل ان شیعوں کے ذکر میں گذر چکی۔

کوچ کی حالت میں فوج کے آرام کا دن

فوج جب کوچ پر ہوتی تھی تو حکم تھا کہ بیٹھ جمعہ کے دن مقام کرے اور پورے ایک شب و روز قیام رکھے تاکہ لوگ دم لیں اور ہتھیاروں اور کپڑوں کو درست کر لیں۔ یہ بھی تاکید تھی کہ ہر روز اسی قدر مسافت طے کریں جس سے تھکنے نہ پائیں اور پڑاؤ وہیں کیا جائے جہاں ہر قسم کی ضروریات مہیا ہوں چنانچہ سعد بن وقاص کو جو فرمان فوجی ہدایتوں کے متعلق لکھا۔ اس میں اور اہم باتوں کے ساتھ ان تمام جزئیات کی تفصیل بھی لکھی۔

(مقد الفیہ جلد اول صفحہ ۴۳ میں یہ فرمان مینہ منقول ہے)

رخصت کے قاعدے

رخصت کا بھی باقاعدہ انتظام تھا جو فوجیں دور دراز مقامات پر مامور تھیں ان کو سال میں ایک دفعہ ورنہ دو دفعہ رخصت ملتی بلکہ ایک موقع پر جب انہوں نے ایک عورت کو اپنے شوہر کی جدائی میں دردناک اشعار پڑھتے سنا تو افسروں کو احکام بھیج دئے کہ کوئی شخص چار مہینے سے زیادہ باہر رہنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

لیکن یہ تمام آسانیاں اسی حد تک تھیں کہ جہاں تک ضرورت کا تقاضا تھا۔ ورنہ آرام طلبی، کالی، عیش پرستی سے بچنے کے لئے سخت بندشیں تھیں۔ نہایت تاکید تھی کہ اہل فوج رکاب کے سارے سے سوار نہ ہوں، نرم کپڑے نہ پہنیں، دھوپ کھانا نہ چھوڑیں، حماموں میں نہ نہائیں۔

فوج کا لباس

تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کے لئے کوئی خاص لباس جس کو ردی کہتے ہیں قرار دیا تھا۔ فوج کے نام ان کے جو احکام منقول ہیں ان میں صرف اس قدر ہے کہ لوگ عجمی لباس نہ پہنیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کی تعمیل پر چنداں زور نہیں دیا گیا کیونکہ اہل ہجری میں جب مصر میں زمینوں پر جزیہ مقرر ہوا تو فوج کے

کپڑے بھی اس میں شامل تھے۔ اور وہ یہ تھے کہ اون کا جبہ، لمبی ٹوپی یا غلامیہ، موزہ، حالانکہ اول اول پاجامہ اور موزہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھرتیج منع کیا تھا۔

فوج میں خزانچی و محاسب و مترجم

فوج کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور بہت سی ایجادیں ہیں جن کا عرب میں کبھی وجود نہ ملا تھا۔ مثلاً ہر فوج کے ساتھ ایک افسر خزانہ، ایک محاسب، ایک قاضی اور متعدد مترجم ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ متعدد طبیب اور جراح ہوتے تھے۔ چنانچہ جنگ قادسیہ میں عبدالرحمن بن ربیعہ، قاضی، زیاد بن ابی سفیان محاسب، ہلال ہجری مترجم تھے۔ فوج میں محکمہ عدالت سر مشہ حساب مترجمی اور ڈاکٹری کی ابتداء بھی اسی زمانے سے ہے۔

فن جنگ میں ترقی

فوجی قواعد کی نسبت ہم کو صرف اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوجی افسروں کو جو احکام بھیجتے تھے ان میں چار چیزوں کے سیکھنے کی تاکید ہوتی تھی: تیرنا، گھوڑے دوڑانا، تیر لگانا، ننگے پاؤں چلنا، اس کے سوا ہم کو معلوم نہیں کہ فوج کو کسی قسم کی قواعد سکھائی جاتی تھی۔ تاہم اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں سابق کی نسبت فن جنگ نے بہت ترقی کی۔

عرب میں جنگ کا پہلا طریقہ یہ تھا کہ دونوں طرف کے غول بے ترتیب کھڑے ہو جاتے تھے۔ پھر دونوں طرف سے ایک ایک سپاہی نکل کر لڑتا تھا۔ اور باقی تمام فوج چپ کھڑی رہتی تھی۔ اخیر میں عام حملہ ہوتا تھا۔ اسلام کے آغاز میں صف بندی کا طریقہ جاری ہوا تھا۔ اور فوج کے مختلف حصے قرار پائے مثلاً مین، میسرو، وغیرہ لیکن ہر حصہ بطور خود لڑتا تھا۔ یعنی تمام فوج کسی ایک سپہ سالار کے نیچے رہ کر نہیں لڑتی تھی۔ سب سے پہلے ظہر ہجری میں یرموک کے معرکہ میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت تعبہ کی طرز پر جنگ ہوئی یعنی کل فوج جس کی تعداد چالیس ہزار کے قریب تھی ۳۶ صفوں میں تقسیم ہو کر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں کام کرتی تھی اور وہ تمام فوج کو تھما لڑاتے تھے۔

۱۔ فوج البلدان صفحہ ۳۵ لا طریقیات صفحہ ۳۳۶

۲۔ علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں فصل فی الحروب کے عنوان سے عرب اور فارس و روم کے طریقہ جنگ پر ایک مضمون لکھا ہے اس میں لکھا ہے کہ تعبہ کا طریقہ اول اول موافق ابن اعظم نے قائم کیا۔ لیکن یہ غلط ہے طبری اور دیگر مؤرخین نے بھرتیج لکھا ہے کہ یرموک کے معرکہ میں اول اول خالد نے تعبہ کی طرز پر صف آرہی کی۔

فوج کے مختلف حصے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں فوج کے جس قدر حصے اور شعبے تھے، حسب ذیل ہیں۔

قلب	پہ سالار اسی حصے میں رہتا تھا۔
مقدمہ	قلب کے آگے کچھ فاصلے پر ہوتا تھا۔
میزب	قلب کے دائیں ہاتھ پر رہتا تھا۔
میسو	دائیں ہاتھ پر۔
ساقہ	سب کے پیچھے۔
طلیغہ	گشت کی فوج جو دشمن کی دیکھ بھال رکھتی تھی۔
روہ	جو ساقہ کے پیچھے رہتی تھی تاکہ دشمن عقب سے حملہ نہ کر سکے۔
رائد	جو فوج کے چاروں اور پانی کی تلاش کرتی تھی۔
رکبان	شتر سوار۔
فرسان	گھوڑا سوار۔
راہل	پناہ۔
ماتہ	تیرانداز۔

ہر سپاہی کو جو ضروری چیزیں ساتھ رکھنی پڑتی تھیں

ہر سپاہی کو جنگ کی ضرورت کی تمام چیزیں اپنے ساتھ رکھنی پڑتی تھیں۔ فوج البلدان میں لکھا ہے کہ کثیرین شباب (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک فوجی افسر تھے) کی فوج کا ہر سپاہی اشیائے ذیل ضرور اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ سوئیاں، سوا، دودرا، قینچی، سوتلی، توپا، چھلتی۔ (فوج البلدان صفحہ ۱۸)

قلعہ شکن آلات

قلعوں پر حملہ کرنے کے لئے مخفیق کا استعمال اگرچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے زمانے میں شروع ہو چکا تھا چنانچہ سب سے پہلے ۸ ہجری میں طائف کے محاصرے میں اس سے کام لیا گیا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اس کو بہت ترقی ہوئی اور بڑے بڑے قلعے اس کے ذریعہ سے فتح ہوئے مثلاً ۱۱ ہجری میں ہرو شیر کے محاصرے میں ۲۰ تختینیں استعمال کی گئیں۔ محاصرے کے لئے ایک اور کھ تھا جس کو دہاب کہتے تھے یہ ایک لکڑی کا برج ہوتا تھا جس میں اوپر تلے کئی درجے ہوتے تھے اور نیچے پہیے لگے ہوتے تھے سنگ اندازوں اور نقب زنیوں اور تیراندازوں کو اس کے اندر بٹھادیا جاتا تھا اور اس کو رکتے ہوئے آگے بڑھاتے چلتے تھے اس طرح قلعہ کی جڑ میں پہنچ جاتے تھے اور قلعہ کی دیواروں کو آلات کے ذریعہ سے توڑ دیتے تھے ہرو شیر کے محاصرے میں یہ آگ بھی استعمال کیا گیا تھا۔

سفر جہاد

راست صاف کرنا، سڑک بنانا، پل پاندھنا۔ یعنی جو کام آج کل سفر جہاد کی فوج سے لیا جاتا ہے اس کا انتظام بھی نہایت معقول تھا اور یہ کام خاص کر مفتوحہ قوموں سے لیا جاتا تھا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب فسطاط فتح کیا تو مفتوحہ والی مصر نے یہ شرط منظور کی کہ فوج اسلام جدھر رخ کرے گی سفر جہاد کی خدمت کو مصری انجام دیں گے چنانچہ عمرو بن العاص جب رومیوں کے مقابلہ کے لئے اسکندریہ کی طرف بڑھے تو خود مصری جنرل بمنزل پل پاندھتے سڑک بناتے اور بازار لگاتے گھنے علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ چونکہ مسلمانوں کے سلوک نے تمام ملک کو گرویدہ کر لیا تھا۔ اس واسطے قبلی خود بینی خوشی سے ان خدمتوں کو انجام دیتے تھے۔

خبر رسانی اور جاسوسی

جاسوسی اور خبر رسانی کا انتظام نہایت خوبی سے کیا گیا تھا اور اس کے لئے قدرتی مسلمان ہاتھ آگئے تھے۔ شام و عراق میں کثرت سے عرب آباد تھے اور ان میں سے ایک گروہ کثیر نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ لوگ چونکہ مدت سے ان ممالک میں رہتے تھے اس لئے کوئی واقعہ ان سے چھپ نہیں سکتا تھا۔ ان لوگوں کو اجازت دی کہ اپنا اسلام لوگوں پر ظاہر نہ کریں اور چونکہ یہ لوگ ظاہر وضع قطع سے پارسانی یا عیسائی معلوم ہوتے تھے اس لئے دشمن کی فوجوں میں جہاں چاہتے تھے چلے جاتے تھے یہ سوک قادریہ، نکمریت میں انہی جاسوسوں کی بدولت

۱۔ تقریبی صفحہ ۲۴ میں ہے: فخرج عمر بن الخطاب وخرج معہ جماعہ من بنو غسانۃ القبط اذ قد اصلحو الہم الطريق و اقامو الہم الجسور و الاسواق۔

لکھتے ہیں کہ :

وكانت تكون لعمر العيون في جيش لكتب اتى بها كان لي

فلك الغزاة وبلغنا الذي قال عتبة۔ (طبری صفحہ ۲۳۰۸)

ایک اور موقع پر لکھتے ہیں۔

وكان عمرا لا يخفى عليه شئ في عملہ۔ (طبری صفحہ ۲۵۸)

اس انتظام سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کام لیتے تھے کہ جہاں فوج میں کسی شخص سے کسی قسم کی بد اعتدالی ہو جاتی تھی فوراً اس کا تذکرہ کر دیتے تھے جس سے اوروں کو بھی عبرت ہو جاتی تھی۔ ایران کی فتوحات میں عموماً معدی کرب نے ایک دفعہ اپنے افسر کی شان میں گستاخانہ کلمہ کہہ دیا تھا۔ فوراً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ہوئی اور اسی وقت انہوں نے عموماً معدی کرب کو تحریر کے ذریعے سے ایسی چشم نمائی کی کہ پھر ان کو کبھی ایسی جرأت نہیں ہوئی۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں جن کا استقصاء نہیں ہو سکتا۔

صیغہ تعلیم

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگرچہ تعلیم کو نہایت ترقی دی تھی۔ تمام ممالک منہجہ میں ابتدائی مکاتب قائم کئے تھے جن میں قرآن مجید، اخلاقی اشعار اور امثال عرب کی تعلیم ہوتی تھی۔ بڑے بڑے علمائے صحابہ امتناع میں حدیث و فقہ کی تعلیم کے لئے مامور کئے تھے۔ مدرسین اور معلمین کی تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں۔ لیکن چونکہ تعلیم زیادہ ترقی نہ ہوئی تھی۔ اس لئے اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ صیغہ مذہبی کے بیان میں آئے گا۔

صیغہ مذہبی

خلافت کی حیثیت سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو اصلی کام تھا وہ مذہب کی تعلیم و تلقین تھی اور درحقیقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارناموں کا طغرایہی ہے۔ لیکن مذہب کی روحانی تعلیم، یعنی توجہ الی اللہ، استغراق فی العبادۃ صفائے قلب، قطع علائق خضوع و خشوع یہ چیزیں کسی محسوس اور مادی رشتہ و انتظام کے تحت میں نہیں آسکتیں۔ اس لئے نظام حکومت کی تفصیل میں ہم اس کا ذکر نہیں کر سکتے اس کا ذکر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذاتی حالات میں آئے گا۔ البتہ اشاعت اسلام و تعلیم قرآن و حدیث احکام مذہبی اہم اجراء

پڑے پڑے کام تھے۔ (تاریخ تمام المذاہبی صفحہ ۳۳۹ و ۳۴۰ و ۳۴۱ و ۳۴۲ کی مہارت یہ ہے کہ لما نزلت الروم منزلهم الفی نقلوہ و سنا الیہم رجلاً من اهل البلد کانوا نصاری و حسن اسلامهم و امر لهم ان یقتلوا عسکرهم و یکتبوا اسلامهم و یاتواہا بخبارہم۔)

شام میں ہر شہر کے رئیسوں نے خود اپنی طرف سے اور اپنی خوشی سے جاسوس لگا رکھے تھے جو قیصر کی فوجی تیاریوں اور نقل و حرکت کی خبریں پہنچاتے تھے۔ قاضی ابویوسف صاحب کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔ (کتاب مذکور صفحہ ۸۰)

للمارأی اهل الذمة و فاء المسلمین لهم و حسن السيرة فیہم
صاروا اشداء علی عدو المسلمین و عوفاً للمسلمین علی اعدائهم
نبت اهل کل مدینة بمن جرى الصلح بینہم و بین
المسلمین رجلاً من قبلہم یتجسسون الاخبار عن الروم عن
ملکھم و ما یریدون ان یضعوا۔

خبر رسانی اور جاسوسی

اردن اور فلسطین کے اضلاع میں یہودیوں کا ایک فرقہ رہتا تھا جو سامو کہلاتا تھا۔ یہ لوگ خاص جاسوسی اور خبر رسانی کے کام کے لئے مقرر کئے گئے اور اس کے سلسلے میں ان کی مقبوضہ زمینیں ان کو معافی میں دے دی گئیں۔ اسی طرح جزا جہ کی قوم اس خدمت پر مامور ہوئی کہ ان کو بھی خراج معاف کر دیا گیا۔ فوجی انتظام کے سلسلے میں جو چیز سب سے بڑھ کر حیرت انگیز ہے یہ ہے کہ باوجودیکہ اس قدر بے شمار فوجیں تھیں اور مختلف ملک، مختلف قبائل مختلف طبائع کے لوگ اس سلسلے میں داخل تھے اس کے ساتھ وہ نہایت دور دراز مقامات تک پہنچی ہوئی تھیں۔ جہاں سے دار الخلافہ تک سینکڑوں ہزاروں کوس کا فاصلہ تھا۔ تاہم تمام فوج اس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضہ قدرت میں تھیں کہ گویا وہ خود ہر جگہ فوج کے ساتھ موجود ہیں۔

پرچہ نویسوں کا انتظام

اس کا عام سبب تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سلطنت اور ان کا عہد و اب تھا۔ لیکن ایک بڑا سبب یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس لگا رکھے تھے اور فوج کی ایک ایک بات کی ان کو خبر پہنچتی رہتی تھی علامہ طبری ایک ضمنی موقع پر

اس قسم کے کام انتظام کے تحت میں آسکتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے متعلق جو کچھ کیا اس کی تفصیل ہم اس موقع پر لکھتے ہیں۔

اشاعت اسلام کا طریقہ

اس صفحے کا سب سے بڑا کام اشاعت اسلام تھا۔ اشاعت اسلام کے یہ معنی نہیں کہ لوگوں کو گمراہ کے ذریعے زور سے مسلمان بنایا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طریقے کے بالکل خلاف تھے اور جو شخص قرآن مجید کی اس آیت پر **لَا كُوَاهِلُ الدِّينِ** (یہ روایت طبقات ابن سعد میں موجود ہے جو نہایت معتبر کتاب ہے۔ دیکھو کنز العمال جلد پنجم صفحہ ۲۰۷) سے روایت لے کر بلا تاویل عمل کرتا چاہتا ہے وہ ضرور اس کے خلاف ہو گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر یعنی جب ان کا غلام باوجود ہدایت و ترغیب کے اسلام نہ لایا تو فرمایا کہ **لَا كُوَاهِلُ الدِّينِ**۔

اشاعت اسلام کے یہ معنی ہیں کہ تمام دنیا کو اسلام کی دعوت دی جائے اور لوگوں کو اسلام کے اصول اور مسائل سمجھا کر اسلام کی طرف راغب کیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس ملک پر فوجیں بھیجتے تھے تاکید کرتے تھے کہ پہلے ان لوگوں کو اسلام کی ترغیب دلائی جائے اور اسلام کے اصول و عقائد سمجھائے جائیں۔ چنانچہ فاتح ایران سعد قاسم کو جو خط لکھا اس میں یہ الفاظ تھے **وَقَدْ كُنْتُ أُمِرْتُ أَنْ تَدْعُوا مِنْ لِقَيْتِهِ إِلَى الْإِسْلَامِ قَبْلَ الْقِتَالِ** قاضی ابویوسف صاحب نے لکھا ہے کہ "حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ جب ان کے پاس کوئی فوج مہیا ہوتی تو ان پر ایسا افسر مقرر کرتے تھے جو صاحب علم اور صاحب فہم ہوتا تھا" یہ ظاہر ہے کہ فوجی افسروں کے لئے علم و فہم کی ضرورت اسی تبلیغ اسلام کی ضرورت سے تھی۔ شام و عراق کی فتوحات میں تم نے پڑھا ہو گا کہ ایرانیوں اور عیسائیوں کے پاس جو اسلامی سفارتیں گئیں انہوں نے کس خوبی اور صفائی سے اسلام کے اصول و عقائد ان کے سامنے بیان کئے۔

اشاعت اسلام کی بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر قوموں کو اسلام کا جو نمونہ دکھلایا جائے وہ ایسا ہو کہ خود بخود لوگوں کے دل اسلام کی طرف کھینچ آئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں یہ نہایت کثرت سے اسلام پھیلایا اور اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اپنی تربیت اور ارشاد سے تمام مسلمانوں کو اسلام کا اصلی نمونہ بنا دیا تھا۔ اسلامی فوجیں جس ملک میں

جاتی تھیں۔ لوگوں کو خواہ مخواہ ان کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا تھا۔ کیونکہ چند بادیاہ نشینوں کا دنیا کی تفسیر کو انصاف و حیرت اور استحباب سے خالی نہ تھا۔ اس طرح جب لوگوں کو ان سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا تھا تو ایک ایک مسلمان سچائی اور سادگی اور پاکیزگی کی فوج میں جاکر کس اثر سے آتا تھا۔ یہ چیزیں خود بخود لوگوں کے دل کو کھینچتی تھیں اور اسلام ان میں گھر کر جاتا تھا۔ شام کے واقعات میں تم نے پڑھا ہو گا کہ رومیوں کا سفیر جارج ابو عبیدہ کی فوج میں جاکر کس اثر سے متاثر ہوا۔ اور کس طرح دفعۂ قوم اور خاندان سے الگ ہو کر مسلمان ہو گیا۔ شام جو مصر کی حکومت کا بہت بڑا رئیس تھا مسلمانوں کے حالات ہی سن کر اسلام کا گرویدہ ہو گیا۔ اور آخر وہ ہزار آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔ (تاریخ مغربی صفحہ ۲۲۸ میں ہے) مخرج شطاف فی القین من اصحابہ ولحق بالمسلمین وقد کان قبل ذلك يحب الخير وبعيل الي ما يسمع من سيرة اهل الاسلام)

اسلامی فتوحات کی بوالعجبی نے بھی اس خیال کو قوت دی یہ واقعہ کہ چند صحرا نشینوں کے آگے بڑی بڑی قدم اور پر زور قوموں کا قدم اکھڑتا جاتا ہے۔ خوش اعتماد قوموں کے دل میں خود بخود خیال پیدا کر دیتا تھا کہ اس گروہ کے ساتھ تائید آسانی شامل ہے۔ یزید گروہ شمشاہ فارس نے جب خاقان چین کے پاس استدعا کی غرض سے سفارت بھیجی تو خاقان نے اسلامی فوج کے حالات

اشاعت اسلام کے اسباب

دریافت کئے اور حالات سن کر یہ کہا کہ "ایسی قوم سے مقابلہ کرنا بے فائدہ ہے۔ فارس کے معرکہ میں جب پارسیوں کا ایک مشہور بھانگ نکلا اور سردار فوج نے اس کو گرفتار کر کے بھاگنے کی سزا دینی چاہی تو اس نے ایک بڑے پتھر کو تیرے توڑ کر کہا کہ یہ "تیر بھی جن لوگوں پر اثر نہیں کرتے خدا ان کے ساتھ ہے۔ اور ان سے لڑنا بیکار ہے۔ اور جہاں فارسی کے دوا کا بیان ہے کہ قادیس کی لڑائی میں میں حاضر تھا اور اس وقت تک میں مجوسی تھا۔ عرب نے جب تیرا نڈازی شروع کی تو ہم نے تمہیں کو دیکھ کر کہا کہ "تھکے ہیں۔" لیکن ان ہی تکلوں نے ہماری سلطنت برباد کر دی۔" مصر پر جب حملہ ہوا تو اسکندریہ کے بپ نے قبیلوں کو لکھا کہ "رومیوں کی سلطنت ختم ہو چکی۔ اب تم مسلمانوں سے مل جاؤ۔"

(مغربی جلد اول صفحہ ۲۸۸)

یہ ہے کہ ہم لوگ اسلام قبول کر لیں۔ چنانچہ اسی وقت سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ یہ لوگ اسلاوة کہلاتے تھے۔ کوفہ میں ان کے نام سے نہر اسلاوة مشہور ہے۔ ان کے اسلام لانے پر سیاح 'زط' اندغار بھی مسلمان ہو گئے تھیں۔ قویں اصل میں سندھ کی رہنے والی تھیں۔ جو خسرو پرویز کے عہد میں گرفتار ہو کر آئی تھیں۔ اور فوج میں داخل کی گئی تھیں۔

مصر میں اسلام کثرت سے پھیلا۔ عمرو بن العاص نے جب مصر کے بعض قصبہ کے لوگوں کو اس بنا پر کہ وہ مسلمانوں سے لڑتے تھے گرفتار کر کے لوہڑی غلام بنایا۔ اور وہ فروخت ہو کر تمام عرب میں بچھل گئے۔ تو حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑی قدغن کے ساتھ ہر جگہ سے انکو واپس لے کر مصر بھیج دیا اور لکھ بھیجا کہ ان کو اختیار ہے خواہ اسلام لائیں، خواہ اپنے مذہب پر قائم رہیں چنانچہ ان میں سے قصبہ بلیسب کے رہنے والے کل کے کل اپنی خواہش سے مسلمان ہو گئے۔ دمیاط کی فتح کے بعد جب اسلامی فوجیں آگے بڑھیں تو بقرہ اور دراۃ سے لیکر عسقلان تک جو شام میں داخل ہے ہر جگہ اسلام پھیل گیا۔ (مقریزی صفحہ ۱۰۷)

فلما فتح المسلمون الفرس بعد ما افتتحوا دمیاط و قنیس صاردوا الی بقرہ فاسلم من بها و اساروا منها الی الورداء فدخل اهلها فی الاسلام و صا حو لها الی عسقلان

شلا مصر کا ایک مشہور شہر ہے جہاں کے کپڑے مشہور ہیں یہاں کار نہیں مسلمانوں کے حالات سن کر ہی پہلے اسلام کی طرف مائل تھا۔ چنانچہ جب اسلامی فوجیں دمیاط میں پہنچیں تو وہ ہزار آدمیوں کے ساتھ شلا سے نکل کر مسلمانوں سے آگام۔ اور مسلمان ہو گیا۔ (مقریزی جلد اول)

فسطاط جس کو عمرو بن العاص نے آباد کیا تھا اور جس کی جگہ اب قاہرہ دار السلطنت ہے یہاں تین بڑے بڑے محلے تھے جہاں زیادہ تر نو مسلم آباد کرائے گئے۔ ایک محلہ بنو تہ کے نام سے آباد تھا جو ایک یونانی خاندان تھا۔ اور مسلمان ہو گیا تھا۔ مصر کے معرکے میں اس خاندان کے سو آدمی اسلامی فوج کے ساتھ شامل تھے۔

دوسرا محلہ بنو الارزق کے نام پر تھا یہ بھی ایک یونانی خاندان تھا اور اس قدر کثیر النسل تھا کہ مصر کی جنگ میں اس خاندان کے ۳۰۰۰ ہمارے شریک تھے۔

تیسرا محلہ رنیل کے نام سے آباد تھا۔ یہ لوگ پہلے برموک و قیساریہ میں سکونت رکھتے تھے پھر مسلمان ہو کر عمرو بن العاص کے ساتھ مصر چلے آئے تھے۔ یہ ایک بہت بڑا یہودی خاندان تھا۔ مصر کی فتح میں ہزار آدمی اس خاندان کے شامل تھے۔

(اس کے متعلق پوری تفصیل مقریزی صفحہ ۹۸ جلد اول میں ہے)

ان باتوں کے ساتھ اور اسباب بھی اسلام کے پھیلنے کا سبب ہوئے عرب کے قبائل جو عراق اور شام میں آباد تھے اور عیسائی ہو گئے تھے فطرۃ جس قدر ان کا میلان ایک نبی عربی کی طرف ہو سکتا تھا غیر قوم کی طرف نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ جس قدر زمانہ گزر ماکیاہ اسلام کے حلقے میں آتے گئے یہی بات ہے کہ اس عہد کے نو مسلم جس قدر عرب تھے اور قویں نہ تھیں ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض بڑے بڑے پیشوائے مذہبی مسلمان ہو گئے تھے مثلاً دمشق جب فتح ہوا تو وہاں کا بشپ جس کا نام اوروکون تھا حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لایا۔ ایک پیشوائے مذہب کے مسلمان ہونے سے اس کے پیروؤں کو خواہ مخواہ اسلام کی رغبت ہوئی ہوگی۔

ان مختلف اسباب سے نہایت کثرت کے ساتھ لوگ ایمان لائے افسوس ہے کہ ہمارے مؤرخین نے کسی موقع پر اس واقعہ کو مستقل عنوان سے نہیں لکھا۔ اس کی وجہ سے ہم تعداد کا اندازہ نہیں بنا سکتے۔ تاہم ضمنی تذکروں سے کسی قدر پتہ لگ سکتا ہے چنانچہ ہم ان کو اس موقع پر بیان کرتے ہیں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو لوگ اسلام لائے

۸۱ ہجری کے اخیر میں جب جلولا فتح ہوا تو بڑے بڑے رؤسا اور نواب اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے ان میں سے جو زیادہ صاحب اختیار اور نامور تھے ان کے یہ نام ہیں۔ جمیل بن بصری، سہام بن زری، ریفیل، فیروز بن ریسو، مسلمان ہو جانے سے ان کی رعایا میں خود بخود اسلام کو شیعہ ہوا۔

قادیسیہ کے معرکے کے بعد چار ہزار و نیم کی فوج جو خسرو پرویز کی تربیت یافتہ تھی اور امپیریل گارڈ یعنی شاہی رسالہ کہلاتی تھی۔ کل کی کل مسلمان ہو گئی۔ (فتح البلدان صفحہ ۲۸۰) یزید کے مقدمۃ الجیش کا افسر ایک مشہور ہمارا تھا جس کا نام سیہ تھا۔ یزید کو جب اصمغان کو روانہ ہوا تو اس نے سیہ کو بلا کر تین سو بڑے بڑے رئیس اور پہلوان ساتھ کئے اور اصغر کو روانہ کیا۔ یہ بھی حکم دیا کہ راہ میں ہر ہر شہر سے عمدہ سپاہی انتخاب کر کے ساتھ لیتا جائے۔ اسلامی فوجیں جب تستور پہنچیں تو سیہ اپنے سواروں کے ساتھ ان اطراف میں مقیم تھا۔ ایک دن اس نے تمام ہمارے کو جمع کر کے کہہ دیا ہم لوگ جو پہلے کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ (عرب) ہمارے ملک پر غالب آجائیں گے۔ اسکی روز بروز تصدیق ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے بہتر

فسطاط میں ایک اور محلہ تھا جہاں صرف نو مسلم مجوسی آباد کرائے گئے تھے۔ چنانچہ یہ محلہ انہی کے نام پر پارسیوں کا محلہ کہلاتا تھا یہ لوگ اصل میں بلاؤن کی فوج کے آوی تھے جو نوشیرواں کی طرف سے یمن کا عامل تھا جب اسلام کا قدم شام میں پہنچا تو یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور عمویہ بن العاص کے ساتھ مصر آئے۔ اسی طرح اور جتہ جتہ مقامات سے پتہ چلتا ہے کہ ہر جگہ کثرت سے اسلام پھیل گیا تھا۔ مؤرخ بلاذری نے ہالس کے ذکر میں لکھا ہے کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہاں وہ عرب آباد کرائے جو شام میں سکونت رکھتے تھے اور مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح انڈی جنگ یرموک کے حالات میں لکھتا ہے کہ جب رومیوں کی فوجیں یرموک میں اتریں تو وہ لوگ جاسوس بنا کر بھیجے جاتے تھے جو وہیں کہ رہنے والے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے ان لوگوں کو تاکید تھی کہ اپنا اسلام ظاہر نہ کریں تاکہ رومی ان سے بدگمان نہ ہونے پائیں۔ مؤرخ نے سن ۳۸۵ ہجری کے واقعات میں لکھا ہے کہ اس لڑائی میں بہت سے اہل غم نے مسلمانوں کو مدد دی جن میں سے کچھ لڑائی سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے اور کچھ لڑائی کے بعد اسلام لائے۔ ان واقعات سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک عہد میں اسلام کثرت سے پھیلا اور تلواریں نہیں بلکہ اپنے فیض و برکت سے اشاعت اسلام کے بعد اصول مذہب اعمال مذہبی کی ترویج یعنی جن چیزوں پر اسلام کلوار و مدار ہے ان کا محفوظ رکھنا اور ان کی اشاعت اور ترویج کرنی۔ اس سلسلے میں سب سے مقدم قرآن مجید کی حفاظت اور اس کی تعلیم و ترویج تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے متعلق جو کوششیں کیں ان کی نسبت شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت صحیح لکھا کہ ”امروز ہر کہ قرآن میخواند از طوائف مسلمین منت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ در گردن اوست“۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی جمع و ترتیب میں جو کوششیں کیں

یہ مسلم ہے کہ اسلام کا اصل قرآن مجید ہے اور اس سے انکار بھی نہیں ہو سکتا کہ قرآن مجید کا جمع کرنا ترتیب دینا صحیح نسخہ لکھوا کر محفوظ کرنا تمام ممالک میں اسکا رواج دینا جو کچھ ہوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہتمام اور توجہ سے ہوا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عہد تک قرآن مجید مرتب نہیں ہوا تھا۔ متفق

اجزاء متعدد صحابہ کے پاس تھے وہ بھی کچھ ہڈیوں پر کچھ کھجور کے پتوں پر کچھ پتھری تختیوں پر لوگوں کو پورا حفظ یاد بھی نہ تھا۔ کسی کو کوئی سورت یاد تھی کسی کو کوئی۔ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں جب مسیلہ کذاب سے لڑائی ہوئی تو سینکڑوں صحابہ شہید ہوئے جن میں بہت سے حفاظ قرآن تھے لڑائی کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا کر کہا کہ اگر اسی طرح حفاظ قرآن اٹھتے گئے تو قرآن جاتا رہے گا۔ اس لئے ابھی سے اس کی جمع و ترتیب کی فکر کرنی چاہئے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جو کام رسول اللہ نے نہیں کیا تو میں کیوں کروں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بار بار اس کی مصلحت اور ضرورت بیان کی۔ یہاں تک کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انکی رائے سے متفق ہو گئے۔ صحابہ میں سے وحی لکھنے کا کام سب سے زیادہ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا۔ چنانچہ وہ طلب کئے گئے اور اس خدمت پر مامور ہوئے کہ جہاں جہاں سے قرآن کی سورتیں یا آیتیں ہاتھ آئیں یکجا کی جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ جس نے قرآن کا کوئی حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا ہو میرے پاس لے کر آئے۔ اس بات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا اس پر وہ شخصوں کی شہادت لی جاتی تھی کہ ہم نے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قلمبند دیکھا تھا۔ غرض اس طرح جب تمام سورتیں جمع ہو گئیں تو چند آدمی مامور ہوئے کہ ان کی نگرانی میں پورا قرآن ایک مجموعہ میں لکھا جاوے۔

سعید بن العاص بتاتے جاتے تھے اور زید بن ثابت لکھتے جاتے تھے مگر ان لوگوں کو حکم تھا کہ کسی لفظ کے تلفظ و لہجہ میں اختلاف پیدا ہو تو قبیلہ معمر کے لہجہ کے مطابق لکھا جائے کیونکہ قرآن مجید معمری کی خاص زبان میں اترتا ہے۔ (کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۴۲ اور تھان ۴)

قرآن مجید کی حفاظت اور صحت و الفاظ و اعراب کی تدبیریں

اس وقت قرآن مجید کی حفاظت اور صحت کے لئے چند امور نہایت ضروری تھے۔ اول یہ نہایت وسعت کے ساتھ اس کی تعلیم شائع کی جائے اور سینکڑوں ہزاروں آدمی حافظ قرآن بنادیتے جائیں تاکہ تحریف و تغیر کا احتمال نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ اعراب اور الفاظ کی

صحت نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھی جائے۔ تیسرے یہ کہ قرآن مجید کی ہر سی نقلیں ہو کر ملک میں شائع ہو جائیں۔ حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تینوں امور کو اس کمال کے ساتھ انجام دیا کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہ تھا۔

قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام

تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا۔ اور معلم و قاری مقرر کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کیں چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اولیات میں شمار کیا جاتا ہے کہ انہوں نے معلموں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ تنخواہیں اس وقت کے حالات کے لحاظ سے کم نہ تھیں۔

مکاتب قرآن

مثلاً خاص مدینہ منورہ میں چھوٹے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لئے جو مکتب تھے ان کے معلموں کی تنخواہیں پندرہ پندرہ روپے ہوا کرتی تھیں۔

بدوؤں کو جبری تعلیم

خانہ بدوش بدوؤں کے لئے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر قائم کی چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابوسفیان تھا چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن مجید کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اس کو سزا دے۔

(آفاق ۱۲۷ صفحہ ۵۸۔ اسباب فی احوال اصحاب میں بھی یہ واقعہ منقول ہے)

کتابت کی تعلیم

مکاتب میں لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔ عام طور پر تمام اضلاع میں احکام بھیج دیئے تھے کہ بچوں کو شمولی اور کتابت کی تعلیم دی جائے۔ ابو عامر سلیم جو رواۃ حدیث میں ہیں۔ انکی زبانی روایت ہے کہ میں بچپن میں گرفتار ہو کر مدینہ میں آیا۔ یہاں مجھ کو کتب میں بٹھایا گیا۔ معلم مجھ سے جب ہم لکھواتا تھا اور میں اچھی طرح نہیں لکھ سکتا تھا تو کتا تھا گول لکھو جس طرح گائے کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ (انجم الابدان الفت حاضرہ مولانا ابوالحسن علی ہود دہلوی روایت کو حضرت ابو بکر کے

ملہ زبیرہ بن العوف بن ابی الجوزی میں ہے ان عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان کان یرزقان العوفیہ و ابی بکر و المعتمد۔

مدنی بہت لکھا ہے لیکن خود صاحب تنہم نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس وقت تک یہ مقامات فتح نہیں ہوئے تھے)

قراء صحابہ کا تعلیم قرآن کے لئے دور دراز مقامات پر بھیجنا

صحابہ میں سے ۵۵ بزرگ تھے جنہوں نے قرآن مجید کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے فم سے پورا حفظ کر لیا تھا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان میں خاص کر ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید القراء تھے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں ان کی مدح کی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سب کو بلا کر کہا کہ شام کے مسلمانوں کو ضرورت ہے کہ آپ لوگ جا کر قرآن کی تعلیم دیجئے۔ ابو ایوب ضعیف اور ابی بن کعب بیمار تھے اس لئے نہ جاسکے باقی تین صاحبوں نے خوشی سے منظور کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہدایت کی کہ محض کو جائیں۔ وہاں کچھ دنوں قیام کر کے جب تعلیم پچھل جائے تو ایک شخص کو وہیں چھوڑ دیں باقی دو صحابیوں میں سے ایک صاحب دمشق اور ایک صاحب فلسطین جائیں۔ چنانچہ یہ سب لوگ پہلے محض گئے۔ وہاں جب اچھی طرح بندوبست ہو گیا تو عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہیں قیام کیا۔ اور ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و مشق اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فلسطین کو روانہ ہوئے۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طاعون بمواس میں وفات پائی۔ لیکن ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تک زندہ اور دمشق میں مقیم رہے۔

تعلیم قرآن کا طریقہ

ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعلیم کا طریقہ جیسا کہ علامہ ذہبی نے طبقات القراء میں لکھا ہے یہ تھا کہ صبح کی نماز پڑھ کر جامع مسجد میں بیٹھ جاتے تھے۔ گرد قرآن پڑھنے والوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دس دس گروہوں کی الگ الگ جماعت کر دیتے تھے اور ہر جماعت پر ایک قاری کو مقرر کرتے تھے۔ کہ ان کو قرآن پڑھائے خود ٹھٹھاتے جاتے تھے اور پڑھنے والوں پر کان لگائے رہتے تھے۔ جب کوئی طالب علم پورا قرآن یاد کر لیتا تھا تو ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اسکو اپنی شاگردی میں لے لیتے تھے۔

ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا احوال صفحہ ۲۸۱ میں مذکور ہے۔ روایت طبقات ابن سعد کی ہے

دمشق کی مسجد میں طلبہ قرآن کی تعداد

لیکن ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شمار کرایا تو سولہ سو طالب علم ان کے صنفہ درس میں موجود تھے۔

اشاعت قرآن کے وسائل

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مجید کی زیادہ اشاعت کے لئے ان تدبیروں کے ساتھ اور بہت سے وسائل اختیار کئے ضروری سورتوں یعنی بقرہ، نساء، مائدہ، نور کی نسبت یہ حکم دیا کہ سب لوگ اس قدر قرآن سیکھیں کیونکہ ان میں احکام و فرائض مذکور ہیں۔ اعمال کو لکھ بھیجا کہ ہر لوگ قرآن سیکھیں ان کی تنخواہیں مقرر کر دی جائیں۔ بعد میں جب ضرورت نہ رہی تو یہ حکم منسوخ کر دیا۔ اہل فوج کو جو ضروری ہدایتیں لکھ کر بھیجا کرتے تھے ان میں یہ بھی ہوتا تھا کہ قرآن مجید پڑھنا سیکھیں۔ وقتاً فوقتاً قرآن خوانوں کا رجسٹر منگواتے رہتے تھے۔ ان تدبیروں کا یہ نتیجہ ہوا کہ بیشمار آدمی پڑھ گئے۔

حافظوں کی تعداد

ناظرہ خوانوں کا شمار تو نہ تھا۔ لیکن حافظوں کی تعداد سینکڑوں ہزاروں تک پہنچ گئی۔ فوجی افسروں کو جب اس مضمون کا خط لکھا کہ حفاظان قرآن کو میرے پاس بھیج دو تاکہ میں ان کو قرآن کی تعلیم کے لئے جابجا بھیجوں تو سعد و قاص نے جواب میں لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سو حفاظ موجود ہیں۔ (کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۳۸)

صحت اعراب کی تدبیریں

تیسرا یعنی صحت اعراب و صحت تلفظ اس کے لئے بھی نہایت اہتمام کیا۔ اور درحقیقت یہ سب سے مقدم تھا۔ قرآن مجید جب مرتب و مدون ہوا تھا تو اعراب کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے قرآن مجید کا شائع ہونا کچھ مفید نہ تھا۔ اگر صحت اعراب و تلفظ کا اہتمام نہ کیا جاتا تو اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے لئے مختلف تدبیریں اختیار کیں۔ سب سے اول یہ کہ ہر جگہ تائیدی احکام بھیجے کہ قرآن مجید کے ساتھ صحت الفاظ و صحت اعراب کی بھی تعلیم دی جائے۔ ان کے خاص الفاظ حسب

روایت ابن ابی باریہ یہ ہیں۔ تعلموا عراب القرآن كما تعلمون حفظه اور مند واری میں یہ الفاظ ہیں۔ تعلمون الفرائض واللعن والسنة كما تعلمون القرآن

ادب اور عربیت کی تعلیم

دوسرے یہ کہ قرآن کی تعلیم کے ساتھ ادب اور عربیت کی تعلیم بھی لازمی کر دی تاکہ خود لوگ اعراب کی صحت و غلطی کی تمیز کر سکیں۔ تیسرے یہ حکم دیا کہ کوئی شخص جو لغت کا عالم نہ ہو قرآن نہ پڑھانے پائے۔ قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ آتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگرچہ حدیث کی ترویج میں نہایت کوشش کی۔ لیکن احتیاط کو ملحوظ رکھا اور یہ ان کی دقیقہ نگاہ کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ وہ بجز مخصوص صحابہ کے عام لوگوں کو روایت حدیث کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

حدیث کی تعلیم

شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں، چنانچہ فاروق اعظم رحمۃ اللہ علیہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ راہب جمعے بکوفہ فرستادو معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عبد اللہ بن معقل و عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ راہب بصرو و عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ راہب شام و معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ امیر شام بود قد فرغ بلوغ نوبت کہ از حدیث ایشان تجاوز نہ کنند، تحقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت حدیث کے متعلق جو اصول قائم کئے تھے وہ ان کی نکتہ سنجی کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ لیکن ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ ان کے ذاتی حالات میں انکے فضل و کمال کا جہاں ذکر آئے گا ہم اس کے متعلق نہایت تفصیل سے کام لیں گے۔

فقہ

حدیث کے بعد فقہ کا رتبہ چارویں ہے۔ مسائل فقہیہ سے ہر شخص کو ہر روز کام پڑتا ہے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکو اس قدر اشاعت دی کہ آج ابودرداء سے نئے مسائل پیدا ہو جانے کے پیش و اشاعت ممکن نہیں۔ مسائل فقہیہ کی ترویج کے لئے یہ تدبیریں اختیار کیں۔

الفقه والعلم (کتاب الخراج صفحہ ۶۷) یہی نکتہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد کے فقیہ اور ملکی افسروں میں ہم حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کا نام پاتے ہیں جو ملکی اور فہمی قابلیت کے ساتھ علم و فضل میں بھی ممتاز تھے اور حدیث و فقہ میں اکثر ان کا نام آتا ہے۔ ہم تمام ممالک محروسہ میں فقہاء اور معلم متعین کئے کہ لوگوں کو مذہبی احکام کی تعلیم دین، مؤرخین نے اگرچہ اس امر کو کسی خاص عنوان کے نیچے نہیں لکھا اور اس وجہ سے ان معلموں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکتی۔

فقہ کی تعلیم کا انتظام

تاہم جتنے جتنے تصویحات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہر شہر میں متحدہ فقہاء اس کام پر مامور تھے مثلاً عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے کہ ”یہ منہج ان دس بزرگوں کے ہیں جن کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ بھیجا تھا کہ فقہ کی تعلیم دیں۔“ عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بہت بڑے رتبہ کے صحابی تھے ان کی نسبت علامہ ذہبی طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں۔

وكان ممن بعثهم عمر بن الخطاب الى اهل البصرة ليعلمهم یعنی ان لوگوں میں میرا جن کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ میں فقہ کی تعلیم کے لئے شام بھیجا تھا۔ عبدالرحمن بن عثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں طبقات الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو تعلیم فقہ کے لئے شام بھیجا تھا اور صاحب اسد الغابہ نے انہی کے حالات میں لکھا ہے ”یہ وہ شخص ہیں کہ جنہوں نے شام میں تابعین کو فقہ سکھائی عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں لکھا ہے کہ جب شام فتح ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوہریرہؓ کو شام میں بھیجا تاکہ لوگوں کو قرآن مجید پڑھائیں اور فقہ سکھائیں۔ جلال الدین سیوطی نے حسن الحاضر فی اخبار مصر والقاہرہ میں جان بن ابی جلیہ کی نسبت لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو مصر میں فقہ کی تعلیم پر مامور کیا تھا ان فقہاء کے درس کا طریقہ یہ تھا کہ مساجد کے صحن میں ایک طرف بیٹھ جاتے تھے اور شاہقین تمام نہایت کثرت سے ان کے گرد حلقے کی صورت میں جمع ہو کر فقہی مسائل پوچھتے جاتے تھے اور وہ جواب دیتے جاتے تھے ابو مسلم خولانی کا بیان ہے

۱ اصل عبارت یہ ہے کان احد العشرة الذين بعثهم عمر الى البصرة ليعلمون من الناس۔

کہ میں محض کی مساجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ۳۰ بڑے بڑے صحابہ وہاں تشریف رکھتے تھے اور مسائل پر گفتگو کرتے تھے۔ لیکن جب ان کو کسی مسئلہ میں شک پڑتا تھا تو ایک نوجوان شخص کی طرف رجوع کرتے تھے میں نے لوگوں سے اس نوجوان کا نام پوچھا تو پتہ چلا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ لیث بن سعد کا بیان ہے کہ ابوہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسجد میں آتے تھے تو ان کے ساتھ لوگوں کا اسقدر جھوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا تھا اور یہ سب لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ (تذکرہ الحفاظ ج ۱ ص ۱۷۱ معاذ بن جبل ۴)

فقہاء کی تنخواہیں

ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان فقہاء کی تنخواہیں بھی مقرر کیں تھیں۔ اور درحقیقت تعلیم کا مرتب اور منظم سلسلہ بغیر اس کے قائم نہیں ہو سکتا تھا۔

معلمین فقہ کی رفعت شان

یہ بات خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن لوگوں کو تعلیم فقہ کے لئے انتخاب کیا تھا۔ مثلاً معاذ بن جبل، ابوہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبدالرحمن بن عثم، عمران بن حصین، عبداللہ بن مغفل تمام جماعت اسلام میں منتخب تھے اس کی تصدیق کے لئے اسد الغابہ اور اصابع وغیرہ میں ان لوگوں کے حالات دیکھئے چاہئیں۔ (تذکرہ الحفاظ ج ۱ ص ۱۷۱)

ہر شخص فقہ کی تعلیم کا مجاز نہ تھا

ایک بات اور بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات کی بڑی احتیاط کی کہ عموماً ہر شخص فقہ کے مسائل کا مجاز نہ ہو۔ مسائل بھی خاص کردہ تعلیم دیئے جاتے تھے جن میں صحابہ کا اتفاق رائے ہو چکا تھا۔ یا جو مجمع صحابہ میں پیش ہو کر طے کر لئے جاتے تھے چنانچہ اس کی پوری تفصیل شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت خوبی سے لکھی ہے ہم اس کے جتنے جتنے فقرے جو ہماری بحث سے متعلق ہیں اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

معاذ اجد عزم خلیفہ برچیز، بحال مخالفت نبوہ و رجمہ ایں امور شدہ روزہ غیر فتنہ وبدون استطلاع رائے خلیفہ کارے را مصمم نمی ساختند لہذا دریں عصر اختلاف مذہب

و تشأت واقع نشد ہر یک مذہب متفق ہر یک راہ مجتمع چون ایام خلافت خاصہ بالحدیث منقرض شد و خلافت عامہ ظہور نمود علماء در ہر بلدے مشغول باقاوہ شدند۔ ابن عباس در مکہ نبوی می دہد و عائشہ صدیقہ و عبداللہ بن عمرو مدینہ حدیث را روایت می نمایند و ابو ہریرہ اوقات خود را بپراکشتار روایت حدیث مصوف سے سازوب یا بجلہ ویریں ایام اختلاف فتاوی پیدا شد کیے را برائے دیگر اطلاع نہ و اگر اطلاع شدہ مذکرہ واقع نہ و اگر مذکرہ میان آمد از ملت شبہ و خروج از مصیق اختلاف بخضائے اتفاق میرند اگر قبضہ کنی روایت علمائے صحابہ کہ پیش از انقضائے خلافت خاصہ از عالم گزشتہ اند بقائیت کم یابی و جمعے کہ ایام خلافت زندہ اند ہرچہ روایت کردہ اند۔ بعد ایام خلافت خاصہ روایت کردہ اند ہرچہ جمع صحابہ عدول اند و روایت ایشان مقبول و عمل بموجب آنچہ روایت صدق ایشان ثابت شود لازم اما در میان آنچہ حدیث و فقہ در زمن قاروق اعظم بودو آنچہ بعدوے حادث شدہ فرق مابین السموت والارض ست۔

(از انشاء مجدد دوم صفحہ ۳۰)

عملی انتظام

یہ تمام امور جن کا اوپر ذکر ہوا علی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے عملی صیغے پر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت توجہ کی۔ اور ہر قسم کے ضروری انتظامات قائم کئے۔

اماموں اور مؤذنوں کا تقرر

ہر شہر و قصبہ میں امام و مؤذن مقرر کئے اور بیت المال سے ان کی تنخواہیں مقرر کیں علامہ ابن الجوزی سیرۃ العزیزین میں لکھتے ہیں۔ ان عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان کان برزقان المؤمنین والاکمہ موطا امام محمد سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی میں صفوں کے درست کرنے کے لئے خاص اشخاص مقرر تھے۔ حج کے زمانے میں اس کام پر لوگ مامور ہوتے تھے کہ حاجیوں کو مقام منیٰ میں پہنچائیں۔ یہ اس غرض سے کہ اکثر لوگ تاواقیت سے عقبہ کے اسی طرف ٹھہر جاتے تھے حالانکہ وہاں ٹھہرنا مناسک حج میں محسوب نہ تھا۔

حاجیوں کی قافلہ سالاری

چونکہ عہد خلافت میں متصل حج کئے اس لئے امیر حجاج ہمیشہ خود ہوتے تھے۔ اور حجاج کی خبر گیری کی خدمت خود انجام دیتے تھے۔

۱۔ موطا امام محمد صفحہ ۸۶۔ ۲۔ موطا امام مالک صفحہ ۳۰۔

مساجد کی تعمیر

تمام ممالک مفتوحہ میں نہایت کثرت سے مسجدیں تیار کرائیں۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو کوفہ کے حاکم تھے لکھا کہ یصومیں ایک جامع مسجد اور ہر قبیلہ کے لئے الگ الگ مسجدیں تعمیر کی جائیں۔ سعد وقاص اور عمر بن العاص کو بھی اسی قسم کے احکام بھیجے شام کے تمام عمال کو لکھا کہ ہر ہر شہر میں ایک ایک مسجد تعمیر کی جائے چنانچہ یہ مسجدیں آج بھی جو امع عمری کے نام سے مشہور ہیں گوان کی اصلی عمارت اب باقی نہیں رہی۔ ایک جامع عمری میں جو بیوت میں واقع ہے راقم کو بھی نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ محدث جمال الدین نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ یہ خاص تعداد کو قطعی نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ مساجد قاروقی کا شمار ہزاروں سے کم نہ تھا۔

حرم محترم کی وسعت

حرم محترم کی عمارت کو وسعت دی اور اسکی نصب و نہایت پر توجہ کی اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کو جو روز افزوں وسعت ہوتی جاتی تھی اس کے لحاظ سے حرم محترم کی عمارت کافی نہ تھی اس لئے سنہ ۷۱ ہجری میں گرد و پیش کے مکانات مول لے کر عہدایہ اور ان کی زمین حرم کے محن میں شامل کر دی۔ اس زمانے تک حرم کے گرد کوئی دیوار نہ تھی اور اس لئے اس کی حد عام مکانات سے متاثر نہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احاطہ کی دیوار کھینچوائی اور اس سے یہ کام بھی لیا کہ اس پر رات کو چراغ جلائے جاتے تھے۔ کعبہ پر خلاف اگرچہ ہمیشہ سے چڑھایا جاتا تھا۔ چنانچہ جاہلیت میں بھی فطخ کا خلاف چڑھاتے تھے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبائلی کا بنوایا جو نہایت عمدہ قسم کا کپڑا ہوتا ہے اور مصر میں بنایا جاتا ہے حرم کی حدود سے (جو کسی طرف سے تین میل اور کسی طرف سے ۷ میل اور ۶ میل میں) چونکہ بہت سے شرعی احکام متعلق ہیں چنانچہ اسی غرض سے ہر طرف پتھر کھڑے کر دیئے گئے تھے جو انصاف حرم کھاتے تھے۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سن ۷۱ ہجری میں نہایت اہتمام اور احتیاط سے اس کی تجدید کی۔ صحابہ میں جو سے لوگ حدود حرم کے پورے واقف کار تھے یعنی خزیمہ بن نوفل، ازہر بن عبد عوف، جو۔ حبیب بن عبد العزیٰ سعید بن ربیع

۱۔ احکام السلطانیہ القاروقی ص ۱۱۱۔ ۲۔ موطا امام محمد صفحہ ۳۰۔

کو اس کام پر مامور کیا اور نہایت جانچ کے ساتھ پتھر نصب کئے گئے۔

مسجد نبوی کی وسعت اور مرمت

مسجد نبوی کو بھی نہایت وسعت اور رونق دی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جو عمارت تیار ہوئی تھی وہ اس عہد کے لئے کافی تھی۔ لیکن مدینہ کی آبادی روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی۔ اور اس وجہ سے نمازیوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔ سنہ ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو وسیع کرنا چاہا۔ گروہ پیش کے تمام مکانات قیمت دے کر لئے لیکن حضرت عباس نے اپنے مکان کے بیچنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کافی معاوضہ دیتے تھے اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی طرح راضی نہ ہوئے۔ آخر مقدمہ ابی بن کعب کے پاس گیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جبراً خریدنے کا کیا حق نہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اب میں بلا قیمت عامہ مسلمین کے لئے دے دیتا ہوں۔ غرض انہوں نے مطہرات کے مکانات کو چھوڑ کر باقی جس قدر عمارتیں تھیں گرا کر مسجد کو وسعت دی گئی پہلے طول ۱۰۰ گز تھا انہوں نے ۱۰۰ گز کر دیا۔ اسی طرح عرض میں جس قدر ستون وغیرہ لکڑی کے تھے اسی طرح رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد کی تجدید کے ساتھ ایک گوشہ میں ایک چبوترہ بھی بنوایا۔ اور لوگوں سے کہا کہ جس کو بات چیت کرنی ہو یا شعر پڑھنا ہو اس کے لئے یہ جگہ ہے۔

(تاریخ الخلفاء، دار المصطفیٰ، مطبوعہ مصر، ص ۱۰۰، صفحہ ۱۰۳)

مسجد میں فرش اور روشنی کا انتظام

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے مسجد میں روشنی کا کچھ سامان نہیں تھا اس کی ابتدا انھیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ہوئی۔ یعنی ان کی اجازت سے تعمیر کیے مسجد میں چراغ جلائے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں خوشبو اور بخور کا انتظام بھی کیا جس کی ابتداء یوں ہوئی کہ ایک دفعہ مال غنیمت میں عود کا ایک بوندل آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کو تقسیم کرنا چاہا۔ لیکن وہ کافی نہ تھا۔ حکم دیا کہ مسجد میں صرف لیا جائے کہ تمام مسلمانوں کے کام آئے چنانچہ مٹھون کے حوالہ کیا۔ وہ ہمیشہ جمعہ کے دن انگلیشی میں جلانے نمازیوں کے سامنے پھرتا تھا۔ اور ان کے کپڑے بساتا تھا۔ فرش کا انتظام بھی اول حضرت

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی کیا۔ لیکن یہ کوئی پر تکلف قالین اور شطرنجی کا فرش نہ تھا بلکہ اسلام کی سادگی یہاں بھی قائم تھی یعنی چٹائی کا فرش تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ نمازیوں کے کپڑے گرد خاک میں آلود نہ ہوں۔

متفرق انتظامات

حکومت کے متعلق بڑے بڑے انتظامی صیغوں کا حال اوپر گزر چکا ہے لیکن ان کے علاوہ اور بہت سے جزئیات ہیں جن کے لئے جدا جدا عنوان قائم نہیں کئے جاسکتے تھے اس لئے ان کو یکجا لکھنا زیادہ سونڈوں ہو گا۔ ان میں سے ایک دفتر اور کافذات کی ترتیب اور اسکی ضرورت سے سن اور سال قائم کرنا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے ان چیزوں کا وجود نہ تھا۔ عام واقعات کے یاد رکھنے کے لئے جاہلیت میں بعض بعض واقعات سے سن کا حساب کرتے تھے مثلاً ایک زمانے تک کعب بن لوی کی وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا۔ پھر عام الفیل قائم ہوا۔ یعنی جس سال اہرہ بہ الا شرم نے کعبہ پر حملہ کیا تھا پھر عام الفجار اور اس کے بعد اور مختلف سن قائم ہوئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مستقل سن قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔

سنہ ہجری مقرر کرنا

اسکی ابتداء یوں ہوئی کہ سنہ ۱ھ ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک چمک پیش ہوئی صرف شعبان کا لفظ لکھا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یہ کیونکر معلوم ہو گزشتہ شعبان کا مہینہ مراد ہے یا مہینہ وہ اسی وقت مجلس شوریٰ منعقد کی تمام بڑے بڑے صحابہ جمع ہوئے اور یہ مسئلہ پیش کیا گیا اکثر نے رائے دی کہ فارسیوں کی تقلید کی جائے چنانچہ ہرمزان جو خورستان کا بادشاہ تھا اور اسلام لا کر مہینہ منورہ میں مقیم تھا طلب کیا گیا۔ اس نے کہا کہ ہمارے ہاں جو حساب ہے وہ اس کو ماہ روز کہتے ہیں۔ اور اس میں تاریخ اور مہینہ دونوں کا ذکر ہوتا ہے اس کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ سنہ کی ابتداء کب سے قرار دی جائے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت نبوی کی رائے دی اور اسی پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی۔ یعنی سال میں دو مہینے آٹھ دن گزر چکے تھے اس لحاظ سے ربیع الاول سے آغاز ہونا چاہئے تھا۔ لیکن چونکہ عرب میں

سال محرم سے شروع ہوتا ہے اس لئے دو مہینے آٹھ دن پہلے ہٹ کر سال شروع سے نہ قائم کیا۔ (مقرری جلد اول صفحہ ۲۸۷)

عرب میں اگرچہ قدیم سے لکھنے پڑھنے کا کافی اہتمام ہوا تھا۔ چنانچہ جب اسلام کا زمانہ آیا تو صرف ایک قبیلہ میں عارضاً شخص لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ لیکن حساب کتاب سے عوام لوگ بے بہرہ تھے یہاں تک کہ جب سن ۳۷ ہجری میں اہل فتح ہوا تو تمام فوج میں ایک شخص نہ تھا جسے حساب کتاب آتا ہو اور جو مال غنیمت کو قاعدے سے تقسیم کر سکتا۔ مجبوراً لوگوں نے ایک چودہ سالہ لڑکے یعنی زیاد بن ابی سفیان کی طرف رجوع کیا۔ اور اس ہلکے میں اس کی تنخواہ دو درہم یومیہ مقرر کی۔ یا تو یہ حالت تھی یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت نہایت غلبی سے ہر قسم کے مفصل کاغذات اور نقشے تیار ہوئے۔

مختلف قسم کے رجسٹر

سب سے مشکل اور پیچ موزنہ دعوں کا حساب تھا۔ جو اہل عطا کھلاتے تھے۔ اور جن میں ہر قسم کی فوجیں بھی شامل تھیں۔ ان کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی۔ اور مختلف گروہوں کو مختلف حیثیتوں سے تنخواہ ملتی تھی مثلاً سپاہیوں کے لحاظ سے، کھجلی کارگزاروں کے لحاظ سے، اس کے ساتھ قبائل کی تفریق بھی ملحوظ تھی۔ یعنی ہر ہر قبیلہ کا جدا جدا رجسٹر تھا۔ اور ان میں بھی مختلف وجوہ کے لحاظ سے ترتیب قائم رکھی جاتی تھی اس مینے کے حساب و کتاب کی درستی کے لئے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے بڑے قاتل لوگوں کو مامور کیا۔ مثلاً دارالخلافہ میں عقیل بن ابی طالب، مخزومہ بن نوفل، جبیر بن مطعم کو، بصرہ میں مہویہ بن شعبہ کو، کوفہ میں عبد اللہ بن علف کو۔

دفتر خراج

تمام دفتر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے تھے فارسی، شامی، قبلی، زبان میں ہا کیونکہ عرب میں اس فن کو اس قدر ترقی نہیں ہوئی تھی کہ یہ دفتر عربی زبان میں منسلک ہو سکتا۔

بیت المال کے کاغذات کا حساب

بیت المال کا حساب نہایت صحت سے مرتب رہتا تھا زکوٰۃ اور صدقہ میں جو مویشی آتے تھے بیت المال سے متعلق تھے چنانچہ ان کے رجسٹر تک نہایت تفصیل سے مرتب

تھے جانوروں کا حلیہ رنگ اور عمر تک لکھی جاتی تھی۔ اور بعض وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ (طبری صفحہ ۲۷۶)

مصارف جنگ کے کاغذات

مصارف جنگ اور مال غنیمت کا حساب ہمیشہ افسروں سے طلب کیا جاتا تھا چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معنوی اسی بنا پر ہوئی تھی کہ وہ کاغذات حساب کے پہلے کی ذمہ داری نہیں قبول کرتے تھے۔ جلولہ کی فتح میں جو سن ۲۹ ہجری میں واقع ہوئی تھی۔ زیاد بن ابی سفیان حساب کے کاغذات لے کر مدینہ میں آئے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملاحظہ کرایا تھا۔

موم شماری کے کاغذات

زکوٰۃ اور جزیہ کی تشخیص کی ضرورت سے ہر مقام کی موم شماری کرائی گئی تھی۔ اور اس کے کاغذات نہایت اہتمام سے محفوظ تھے۔ چنانچہ مصوٰع عراق کی موم شماری کا حال مقرری اور طبری نے تفصیل سے لکھا ہے۔ خاص خاص صفتوں کے لحاظ سے بھی نقشے تیار کرائے گئے تھے مثلاً سعد و قاص کو حکم بھیجا تھا کہ جس قدر آدمی قرآن پڑھ سکتے ہیں ان کی فرست تیار کی جائے۔ شاعروں کی فہرست بھی طلب کی تھی۔ چنانچہ اس کا ذکر کسی اور موقع پر آئے گا۔

مفتوحہ ممالک کی قوموں یا اور لوگوں سے جس قدر تحریری معاہدے ہوتے تھے وہ نہایت حفاظت سے ایک صندوق میں رکھے جاتے تھے۔ جو خاص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہتمام میں رہتا تھا۔ (طبری صفحہ ۲۷۷)

کاغذات حساب کے لکھنے کا طریقہ

اس موقع پر یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ اس وقت تک حساب کتاب کے لکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ مستطیل کاغذ پر لکھتے تھے اور اس کو پلیٹ کر رکھتے تھے۔ بعد اس طرح جس طرح ہمارے ملک میں مہاجروں کی بہیاں ہوتی ہیں۔ کتاب اور رجسٹر کا طریقہ غلیظ سلاح کے زمانے میں اس کے وزیر خالد بن ولید نے ایجاد کیا۔

ذمی رعایا کے حقوق

سکہ

سکہ کی نسبت اگرچہ عام مورخوں نے لکھا ہے کہ عرب میں سب سے پہلے جس نے سکے جاری کیا وہ عبدالملک بن مروان ہے لیکن علامہ مقریزی کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے موجد بھی عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں۔ چنانچہ اس موقع پر ہم علامہ موصوف کی عبارت کا لفظی ترجمہ کرتے ہیں۔

جب امیر المومنین خلیفہ ہوئے اور خدا نے ان کے ہاتھ پر مصر و شام و عراق فتح کیا تو انہوں نے سکے کے معاملہ میں کچھ دخل نہ دیا۔ بلکہ پرانے سکے کو جو جاری تھا بحال رہنے دیا۔ سنہ ۸۸ ہجری میں جب مختلف مقامات سے سفارتیں آئیں تو بصرہ سے بھی سفراء آئے جن میں اسف بن قیس بھی شامل تھے اسف نے باشندگان بصرہ کی ضروریات اور جتنیں بیان کیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی درخواست پر معقل بن یسار کو بھیجا۔ جنہوں نے بصرہ میں ایک نہر تیار کرائی جس کا نام نہر معقل ہے اور جس کی نسبت یہ فقرو مشہور ہے۔

اذا جاء نهر الله بطل نهر معقل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی زمانے میں یہ انتظام کیا کہ ہر شخص کے لئے ایک جریب غلہ اور دو درہم ماہوار مقرر کئے۔ اسی زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے سکے کے درہم جاری کئے جو نو شیر وانی سکے کے مشابہ تھے البتہ اتنا فرق تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سکوں پر الحمد للہ اور بعض سکوں پر محمد رسول اللہ اور بعض پر لا اله الا اللہ وحده لکھا ہوا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخیر زمانے میں دس درہم مجموعی رقم کا وزن چھ مثقال کے برابر ہوا تھا۔ (تکمیل کتاب التواریخ الاسلامیہ المقریزی مطبوعہ مطبعہ دارالکتب المصریہ ۱۹۰۹ء ص ۵۵)

یہ مقریزی کی خاص روایت ہے لیکن اس قدر عموماً مسلم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سکے میں ترمیم و اصلاح کی۔ علامہ ماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ ایرانیان میں تین قسم کے درہم تھے بغلی آٹھ دانگ کا ظہری چار دانگ کا مغربی تین دانگ کا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ بغلی چونکہ زیادہ چلتے ہیں اس لئے دونوں کو ملا کر ان کا نصف اسلامی درہم قرار دیا جائے۔ چنانچہ اسلامی درہم چھ دانگ کا قرار پایا۔ (الاحکام السلطانیہ

للماوردی ص ۱۷۷)

پارسیوں اور عیسائیوں کا برتاؤ غیر قوموں کے ساتھ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذمی رعایا کو جو حقوق دیئے تھے اس کا مقابلہ اگر اس زمانے کی اور سلطنتوں سے کیا جائے تو کسی طرح کا تناسب نہ ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمسایہ میں جو سلطنتیں تھیں وہ روم و فارس تھیں ان دونوں سلطنتوں میں غیر قوموں کے حقوق غلاموں سے بھی بدتر تھے۔ شام کے عیسائی باوجودیکہ رومیوں کے ہم مذہب تھے۔ تاہم ان کو اپنی مقبوضہ زمینوں پر کسی قسم کا مالکانہ حق حاصل نہیں تھا بلکہ وہ خود ایک قسم کی جائیداد خیال کئے جاتے تھے۔ چنانچہ زمین کے انتقال کے ساتھ وہ بھی منتقل ہو جاتے تھے۔ اور مالک سابق کو ان پر جو مالکانہ اختیارات حاصل تھے وہی قابض حال کو حاصل ہو جاتے تھے۔ یہودیوں کا حال اور بدتر تھا بلکہ اس قاتل نہ تھا کہ کسی حیثیت سے ان پر رعایا کا اطلاق ہو سکتا۔ کیونکہ رعایا آخر کار کچھ نہ کچھ حق رکھتی ہے۔ اور وہ حق کے نام سے بھی محروم تھے۔ فارس میں جو عیسائی تھے ان کی حالت اور بھی رحم کے قابل تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ان ممالک کو زیرِ تلگیاں کیا تو وعدہ حالت بدل گئی جو حقوق ان کو دیئے گئے اس کے لحاظ سے گویا وہ رعایا نہیں رہے بلکہ اس قسم کا تعلق رہ گیا جیسا کہ دو برابر کے معاہدہ کرنے والوں میں ہوتا ہے۔ مختلف ممالک کی فتح کے وقت جو معاہدے لکھے گئے ہم انکو اس مقام پر بیحد نقل کرتے ہیں جس سے اس دعویٰ کی تصدیق ہو گی۔ اور ساتھ ہی اس بات کے موازنہ کا موقع ملے گا کہ یورپ نے اس قسم کے حقوق کبھی غیر قوم کو کبھی نہیں دیئے ہیں؟

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ تاریخوں میں جو معاہدے منقول ہیں ان میں بعض مفصل باقی مجمل ہیں۔ کیونکہ مفصل شرائط کا بار بار اعادہ کرنا تطویل عمل کا باعث تھا۔ اس لئے اکثر معاہدوں میں کسی مفصل معاہدے کا حوالہ دیا گیا ہے۔ بیت المقدس کا معاہدہ جو خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں اور ان کے الفاظ میں لکھا گیا حسب ذیل ہے۔

بیت المقدس کا معاہدہ

هَذَا مَا عَطَىٰ عَبْدُ اللَّهِ صَاحِبُ الْمَدِينَةِ اَهْلَ الْيَمَامِينَ الْاِمَانِ

۱۔ اہل بیت سے وہ تین ہزار ہیں جو مسلمان نہ تھیں لیکن ممالک و مقام میں سکونت رکھتی تھیں۔

اعطاهم امانا لانفسهم واموالهم ولكناسهم وصلبانهم
وسقيمها برهاوسانرملتھانہ لاسكن كناسهم ولا تھدم
ولا ينقض منها ولا من حيزها ولا من صلبهم ولا من شئ من
اموالهم ولا يكرھون على دينهم ولا يضار احد من اليهود
وعلى اهل ايلياء ان يعطوا الجزية كما يعطى اهل المدن
وعليهم ان يخرجوا منها الروم واللصوص فمن خرج منهم
فهو آمن على نفسه وماله حتى يبلغوا ما سئلوهم ومن اقام منهم
فهو آمن وعليه مثل اهل ايلياء من الجزية ومن احب من اهل
ايلياء ان يسير بنفسه وماله مع الروم ويخلى بينهم وصلبهم
فانهم آمنون على انفسهم وعلى بيعهم وصلبهم حتى يبلغوا
ما سئلوهم وعلى ما في هذا الكتاب عهد الله وسوله وذمة
الخلقاء وذمة المؤمنين اذا اعطوا الذي عليهم من الجزية شهد
على ذلك خالد بن الوليد وعمر بن العاص وعبد الرحمن بن
عوف ومعاوية بن ابي سفيان وكتب وحضر سنة ثمان مائة

(نیکو تاریخ ابو جعفر جریر طبری۔ بیت المقدس ۴)

”یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمر نے ایلیا کے لوگوں کو
دی۔ یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، بتدرست بیمار اور ان کے
تمام مذہب والوں کے لئے ہے اس طرح پر کہ ان کے گرجاؤں میں نہ
سکونت کی جائے گی۔ نہ وہ ڈھائے جائیں گے نہ ان کو اور نہ ان کے
اعمال کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال
میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے
گا۔ نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ایلیاء میں ان کے
ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے ایلیاء والوں پر یہ فرض ہے کہ اور
شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں اور چرووں کو نکال دیں۔ ان
یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان اور مال کو امن ہے
تاکہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے اور جو ایلیاء ہی میں رہنا اختیار کر لے
تو اس کو بھی امن ہے اور اس کو جزیہ دینا ہو گا اور ایلیاء والوں میں

سے جو شخص اپنی جان اور مال لے کر یونانیوں کے ساتھ چلا جائے
چاہے تو ان کو اور ان کے گرجاؤں کو اور صلیبوں کو امن ہے یہاں
تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں اور جو کچھ اس توہین پر چلا کر
رسول خدا کے خلیفہ کا اور مسلمانوں کا ذمہ ہے۔ بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ
مقررہ ادا کرتے رہیں۔ اس تحریر پر گواہ ہیں خالد بن الولید اور عمر
العاص اور عبد الرحمن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ
تعالیٰ عنہم اور یہ ہر ہجری میں لکھا گیا۔“

اس فرمان میں صاف تصریح ہے کہ عیسائیوں کے جان، مال اور مذہب ہر طرح سے
محفوظ رہے گا اور یہ ظاہر ہے کہ کسی قوم کو جس قدر حقوق حاصل ہو سکتے ہیں انہی تین چیزوں
سے تعلق رکھتے ہیں گرجے اور جزیہ کی نسبت یہ تفصیل ہے کہ نہ تو وہ توڑے جائیں گے نہ ان
کی عمارت کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائے گا نہ ان کے اعمال میں دست اندازی کی جائے
گی۔ مذہبی آزادی کی نسبت دوبارہ تصریح ہے کہ لا یکرھون علی دینہم عیسائیوں
کے خیال میں چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے صلیب دے کر قتل کیا تھا اور یہ
واقعہ خاص بیت المقدس میں پیش آیا تھا۔ اس لئے ان کی خاطر سے یہ شرط منظور کی کہ یہودی
بیت المقدس میں نہ رہیں گے۔ یونانی باوجود اس کے کہ مسلمانوں سے لڑتے تھے اور
درحقیقت وہی مسلمانوں کے اصلی مدد تھے۔ تاہم ان کے لئے یہ رعایتیں ملحوظ رکھیں کہ بیت
المقدس میں رہنا چاہیں تو رہ سکتے ہیں۔ اور نکل جانا چاہیں تو نکل جاسکتے ہیں۔ دونوں حالتوں
میں ان کو امن حاصل ہو گا۔ اور ان کے گرجاؤں اور معبدوں سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا۔
سب سے بڑھ کر بیت المقدس کے عیسائی اگر یہ چاہیں گے کہ وطن سے نکل کر رومیوں سے
جا ملیں تو اس پر بھی کچھ تعرض نہ کیا جائے گا۔ بلکہ ان کے گرجے وغیرہ جو بیت المقدس میں
ہیں محفوظ رہیں گے۔ کیا کوئی قوم مفتوحہ ملک کے ساتھ اس سے بڑھ کر اضافہ برتاؤ کر سکتی
ہے؟ سب سے مقدم امر یہ ہے کہ ذمہ کی جان و مال کو مسلمانوں کی جان و مال کے برابر قرار
دیا۔ کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کر دے تو حضرت محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً اس کے
بدلے مسلمان کو قتل کر دیتے تھے۔ امام شافعیؒ نے روایت کی ہے کہ قبیلہ بکمرین وائل کے
ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ بھیجا کہ
قاتل، مقتول کے وارثوں کو دیا جائے۔ چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام حنین تھا

بِقَاتِلٍ مِنْ وَرَائِهِمْ وَانْ لَایُکَلِّفُوا الْوَقْطَ لِحَالِهِمْ۔

(صحیح بخاری صفحہ ۱۸ مطبوعہ میرٹھ)

”یعنی میں ان لوگوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں جن کو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے (یعنی ذی) کہ ان سے جو عہد ہے وہ پورا کیا جائے اور انکی حمایت میں لڑا جائے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔“

اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرتے وقت بھی ذمیوں کو نہ بھولے۔

غزوہ ایک صحابی تھے ان کے سامنے ایک عیسائی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی غزوہ نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ کر ارا عیسائی نے عمرو بن العاص کے پاس جا کر شکایت کی۔ انہوں نے غزوہ کو بلا بھیجا اور باز پرس کی غزوہ نے واقعہ بیان کیا عمرو بن العاص نے کہا کہ ذمیوں سے امن کا معاہدہ ہو چکا ہے غزوہ نے کہا ’معاذ اللہ ان کو یہ اجازت ہرگز نہیں دی گئی کہ رسول اللہ کو اعلانیہ گالیاں دیں۔ اس سے یہ معاہدہ ہوا کہ اپنے گرجوں میں جو کچھ چاہیں کریں اور اگر ان پر کوئی دشمن چڑھ آئے تو ہم ان کی طرف سے سینہ سپر ہو کر لڑیں اور ان پر کوئی ایسا بار نہ ڈالا جائے جس کے وہ تحمل نہ ہوں۔ عمرو بن العاص نے کہا ہاں یہ سچ ہے۔ اس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ذمیوں کے حفظ حقوق کا کس قدر خیال رکھا جاتا ہے۔

مذہبی امور میں آزادی

مذہبی امور میں ذمیوں کو پوری آزادی تھی وہ ہر قسم کی رسوم مذہبی ادا کرتے تھے۔ اعلانیہ ناقوس بجاتے تھے صلیب نکالتے تھے ہر قسم کے میلے ٹھیلے کرتے تھے ان کے پیش وایان مذہبی کو جو مذہبی اختیارات حاصل تھے بالکل برقرار رکھے گئے تھے مصر میں اسکندریہ کا پیٹریارک بنیامین تیسہ برس تک رومیوں کے ڈر سے اوھر اوھر بار بار مارا پھرا۔ عمرو بن العاص نے جب مصر فتح کیا تو سترہ مہر ہجری میں اسکو تحریری امان لکھ کر بھیجی۔ وہ نہایت ممنون ہو کر آیا۔ اور پیٹریارک کی کرسی دوبارہ اس کو نصیب ہوئی۔ چنانچہ علامہ مقرر بنی نے اپنی کتاب (جلد اول صفحہ ۴۳) میں اس واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ معاہدات میں اور امور کے ساتھ مذہبی آزادی کا بھی حق التزام کے ساتھ دیا جاتا تھا۔ چنانچہ بعض معاہدات کے اصلی الفاظ ہم

۱۔ امد الفایہ تذکرۃ غزوہ۔

اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔ حذیفہ بن الیمان نے ماہ دینار والوں کو جو تحریر لکھی تھی اس میں یہ الفاظ تھے۔

لَا یُغیرُونَ عَنْ مِلَّتِهِمْ وَلَا یُحَالِ بِمِلَّتِهِمْ وَبِینَ شَرَائِعِهِمْ۔

(طبری صفحہ ۲۳۳)

”ان کا مذہب نہ بدلا جائے گا اور ان کے مذہبی امور میں کچھ دست اندازی نہ کی جائے گی۔“

جرجان کی فتح کے وقت یہ معاہدہ لکھا گیا۔

لَهُمُ الْاِمَانُ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ وَمِلَّتُهُمْ وَشَرَائِعُهُمْ وَلَا

تَغْییرُ مِنْ شَیْءٍ مِنْ فَلَکَ۔ (طبری صفحہ ۲۵۸)

”ان کے جان و مال اور مذہب و شریعت کو امان ہے اور اس میں سے کسی شے میں تغیر نہ کیا جائے گا۔“

آذربائیجان کے معاہدہ میں یہ تصریح تھی۔

الْاِمَانُ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ وَشَرَائِعُهُمْ۔ (طبری صفحہ ۲۷۷)

”جان و مال مذہب اور شریعت کو امان ہے۔“

موقان کے معاہدہ میں یہ الفاظ تھے۔

الْاِمَانُ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَمِلَّتِهِمْ وَشَرَائِعِهِمْ۔

”جان و مال مذہب اور شریعت کو امان ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کی اشاعت کی اگرچہ نہایت کوشش کرتے تھے اور منصب خلافت کے لحاظ سے ان کا یہ فرض تھا لیکن وہیں تک جہاں تک وعظ اور پند کے ذریعے سے ممکن تھا وہ نہ یہ خیال وہ ہمیشہ ظاہر کر دیا کرتے تھے کہ مذہب کے قبول کرنے پر کوئی شخص مجبور نہیں کیا جاسکتا استحقاق کا ایک عیسائی غلام تھا اس کو بغیر اسلام قبول کرنے کی ترغیب دلاتے تھے لیکن جب اس نے انکار کیا تو فرمایا لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّینِ یعنی مذہب میں زبردستی نہیں ہے۔ (کنز العمال بحوالہ طبقات ابن سعد جلد ہفتم صفحہ ۲۳۹)

مسلمانوں اور ذمیوں کی ہمسری

حقیقت یہ ہے کہ واقعات سے جو نتیجہ استنباط کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملکی حقوق کے لحاظ سے ذمیوں اور مسلمانوں میں کوئی تمیز نہیں رکھی

تھی کوئی مسلمان اگر ذی کو قتل کرتا ہے تو بے دریغ اس کے قصاص میں قتل کر دیا جاتا تھا۔ مسلمان اگر ذی سے سخت کلامی کرتے تھے تو پاداش کے مستحق ہوتے تھے ذمیوں سے جزیہ اور عشور کے سوا کسی قسم کا محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی۔ جس کی مقدار دونوں سے زیادہ تھی۔ اس کے سوا عشور مسلمانوں سے بھی وصول کیا جاتا۔ البتہ اس کی شرح بمقابلہ ذمیوں کے کم تھی بیت المال سے والشعور کو گھر بیٹھے جو تنخواہ ملتی تھی ذی اس میں بھی برابر کے شریک تھے سب سے بڑھ کر یہ (اور درحقیقت صرف اسی ایک مثال سے اس بحث کا فیصلہ ہو سکتا ہے) کہ یہ جو قاعدہ تھا کہ جو مسلمان پانچ اور ضعیف ہو جاتا تھا اور محنت و مزدوری سے معاش پیدا نہیں کر سکتا تھا۔ بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر ہو جاتا تھا۔ اسی قسم کی بلکہ اس سے زیادہ فیاضانہ رعایت ذمیوں کے ساتھ بھی مہربانی تھی۔ اول اول یہ قاعدہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں مقرر ہوا۔ چنانچہ خالد بن الولید نے جب وہ فتح میں جو معاہدہ لکھا اس میں یہ الفاظ تھے۔

وجعلت لہم ایما شیخ ضعف عن العمل و اصابہ الفتن الالاب
او کان غنیاً فالتقر و صار اهل ذینہ یتصدقون علیہ و طرحت
جزینہ و عیل من بیت مال المسلمین و عیالہ ما اقا مواہدار
امجرة و دار الاسلام و لو ذہبوا فلیس علی المسلمین النفقة
علی عیالہم (کتاب الفرائض صفحہ ۸۵)

”اور میں نے ان کو یہ حق دیا کہ اگر کوئی بوڑھا شخص کام کرنے سے معذور ہو جائے یا اس پر کوئی گفت آئے یا پہلے دولت مند تھا پھر غریب ہو گیا اور اس وجہ سے اس کے ہم مذہب اس کو خیرات دینے لگیں تو اس کا جزیہ معوقوف کر دیا جائے گا۔ اور اس کو اور اس کی اولاد کو مسلمانوں کے بیت المال پر یا مالِ غنیمت پر جب تک وہ مسلمانوں کے ملک میں رہے لیکن اگر وہ غیر ملک میں چلا جائے تو مسلمانوں پر اس کا نفقہ واجب نہ ہو گا۔“

یہ قاعدہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بھی قائم رہا بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قرآن مجید کی آیت سے مستند کر دیا یعنی بیت المال کے داروغہ کو لکھ بھیجا کہ قرآن مجید کی آیت انما الصدقات للفقراء والمسلمین (صدق اور خیرات فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہے) اس میں فقراء کے لفظ سے مسلمان اور مسکین کے لفظ سے اہل کتاب یہودی اور عیسائی مراد ہیں۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے ایک ہجرت سال کو بھیک سنا گئے۔ دیکھا۔ پوچھا کہ کیوں بھیک سنا گئے؟

اس نے کہا ”مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے اور مجھ کو ادا کرنے کا مقدور نہیں۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو ساتھ گھر پر لائے اور کچھ نقد دے کر بیت المال کے داروغہ کو لکھا بھیجا کہ اس قسم کے معذوروں کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا جائے اسی واقعہ میں آیت مذکورہ بالا کا حوالہ دیا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ”واللہ یہ انصاف کی بات نہیں کہ ان لوگوں کی جوانی سے ہم متمتع ہوں اور بدصالحے میں ان کو نکال دیں۔“

(کتاب الفرائض صفحہ ۸۵)

ذمیوں کی عزت کا خیال

ذمیوں کی عزت و آبرو کا اسی قدر استحقاق تھا جس قدر مسلمان کی عزت و ناموس کا۔ ان کی نسبت کسی قسم کی تحقیر کا لفظ استعمال کرنا نہایت ناپسندیدہ خیال کیا جاتا تھا عمر بن سعد جو محض کے حاکم تھے اور نہ وہ مقدس و ترک دنیا شخص تمام عہدہ داران خلافت میں کوئی ان کا ہمسرہ نہ تھا۔ ایک دفعہ ان کے منہ سے ایک ذی کی شان میں یہ لفظ نکل گیا۔ اخذاک اللہ یعنی خدا تجھ کو رسوا کرے اس پر ان کو اس قدر ندامت اور تاسف ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر نوکری سے استعفیٰ دے دیا اور کہا کہ اس نوکری کی بدولت مجھ سے یہ حرکت صادر ہوئی۔ (ایلم از الائمۃ صفحہ ۲۰۳)

سازش اور بغاوت کی حالت میں ذمیوں کے ساتھ سلوک

ایک خاص بات جو سب سے بڑھ کر لحاظ کے قابل ہے یہ ہے کہ ذمیوں نے اگر بھی سازش یا بغاوت کی تب بھی ان کے ساتھ مراعات کو ملحوظ رکھا گیا۔ آج کل جن حکومتوں کو تہذیب و ترقی کا دعویٰ ہے رعایا کے ساتھ ان کی تمام غلامی اسی وقت تک ہے جب تک ان کی طرف سے کوئی پولیٹیکل شہیدانہ ہو۔ ورنہ و غنائم و تمام مہربانی غضب اور قہر سے بدل جاتی ہے اور ایسا خونخوار اور پر قیاد انتقام لیا جاتا ہے کہ وحشی قومیں بھی اس سے کچھ زیادہ نہیں کر سکتیں۔ برخلاف اس کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قدم کسی حالت میں جاوہ انصاف سے ذرا نہیں ہٹا۔ شام کی آخری سرحد پر ایک شہر تھا جس کا نام مہوس تھا اور جس کی سرحد ایشیائے کوچک سے ملتی ہوئی تھی۔ شام جب فتح ہوا تو یہ شہر بھی فتح ہوا اور صلح کا معاہدہ ہو گیا۔ لیکن یہاں کہ لوگ درپردہ رومیوں سے سازش رکھتے تھے اور اہر کی خبریں ان کو پہنچاتے

رہے تھے عربین معذراں کے عالم میں حضرت عمرؓ کو اطلاع دی حضرت عمرؓ نے ان کی کمزیر غصلت کا جواب تقاضا کیا تھا وہ یہ تھا کہ عیسیٰؑ جس قدر کہ جائیداد زمین، مویشی اور اسباب ہے سب شمار کر کے ایک ایک چیز کی دوپہن قیمت دے دو۔ اور ان سے کہو اور کہیں چلے جاؤ۔ اگر اس پر راضی نہ ہوں تو ان کو ایک برس کی مسلت دو۔ اور اس کے بعد جلا وطن کرو۔ چنانچہ جب وہ اپنی شرارت سے باز نہ آئے تو اس حکم تعمیل کی گئی۔ کیا آج کل کوئی قوم اس درگزر اور حضور مساحت کی کوئی نظیر دکھلا سکتی ہے؟ زمینوں کے ساتھ جو لطف و مراعات کی گئی تھی اس کا ایک بلا ثبوت یہ ہے کہ زمینوں نے ہر موقع پر خود اپنے ہم مذہب سلطنتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ وہی یہی تھے جو مسلمانوں کے لئے رسد بہم پہنچاتے تھے لشکر گاہ میں دینا بازار لگاتے تھے اپنے اہتمام اور مصروفہ میں لہلہ تیار کراتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جاسوسی اور خبر رسانی کرتے تھے یعنی دشمنوں کے ہر قسم کے راز مسلمانوں سے انکرہتے تھے حالانکہ یہ دشمن انہی کہ ہم مذہب عیسائی یا پارسی تھے زمینوں کو مسلمانوں کے حسن سلوک کی وجہ سے جو اخلاص پیدا ہو گیا تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جنگ یرموک کے پیش آنے کے وقت جب مسلمان شہر حمص سے نکلے تو یہودیوں نے قوریت ہاتھ میں لے کر کہا کہ جب تک ہم زندہ ہیں کبھی رومی یہاں نہ آئے پائیں گے عیسائیوں نے نہایت حسرت سے کہا کہ ”خدا کی قسم تم رومیوں کی یہ نسبت کہیں بڑھ کر ہم کو محبوب ہو۔“

آخر میں ہم کو ان واقعات کی حقیقت بھی بتانا ضروری ہے جن کی وجہ سے لوگوں کو یہ غلط خیال پیدا ہوا ہے یا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہاں مذکور مسلمانوں کے ساتھ نا انصافانہ سلوک کرتے

مخالف کی طرف سے اعتراض کی تقریر

اس مسئلے کو مخالف اس طرح بیان کر سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمینوں کے حق میں یہ حکم دیا کہ وضع اور لباس وغیرہ میں کسی طرح مسلمانوں کا تشبیہ نہ کرنے پائیں۔ کمر میں زنار باندھیں۔ لمبی ٹوہیاں پہنیں۔ کھوٹوں پر کانٹھی نہ کہیں یعنی عبادت گاہوں نہ بنائیں شراب اور سڑنہ پیئیں ناقوس نہ بھائیں۔ صلیب نہ اٹھالیں۔ بنو قلاب کو یہ بھی حکم تھا کہ اپنی اولاد کو اصطبل نہ دیتے پائیں۔ ان سب باتوں پر یہ مستزاد کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرب کی وسیع آبادی میں ایک یہودی یا عیسائی کو نہ رہنے دیا اور بڑے بڑے قدم

خاندان جو سینکڑوں برس سے عرب میں آباد تھے جلا وطن کر دیئے۔ بے شبہ یہ اعتراضات نہایت توجہ کے حامل ہیں اور ہم ان کے جواب دینے میں کسی قدر تفصیل سے کام لیں گے کیونکہ ایک زمانہ و راز کے تعصب اور عقیدے نے واقعیت کے چہرے پر بہت پردے ڈال دیئے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کو غیر قوموں کی مشابہت اور غیر قوموں کو مسلمانوں کی مشابہت سے روکتے تھے لیکن اس سے فقط قومی خصوصیتوں کو قائم رکھنا مقصود تھا۔ لباس کی بحث میں تحقیق طلب امر یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمینوں کو جس لباس کی پابندی کی تاکید کی تھی آپ کو لباس زمینوں کا قدم لباس تھا یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی نیا لباس بطور علامت تفریق کے تجویز کیا ہے جس شخص نے عجم کی تاریخ پر مبنی ہے۔ وہ یقیناً جان سکتا ہے کہ جس لباس کا یہاں ذکر ہے وہ عجم کا قدم لباس تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاہدہ جس کو کثرت العمل وغیرہ میں نقل کیا گیا ہے اگرچہ راویوں نے اس کو بہت کچھ کم و بیش کر دیا ہے تاہم جہاں زمینوں کی طرف سے اقرار مذکور ہے کہ ہم فلاں فلاں لباس نہ پہنیں گے وہاں یہ الفاظ بھی ہیں۔ **وان تلزموا ہم المناحیت ما کننا** (کثرت العمل جلد ۲ صفحہ ۳۰۲) یعنی ہم وہی لباس پہنیں گے جو بیش سے پہنتے آئے تھے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جس لباس کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا وہ عجم کا قدم لباس تھا۔

زنار جس کا ذکر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان میں ہے اس کی نسبت ہمارے فقہاء نے اکثر غلطیاں کی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ انگل برابر ہونا ایک قسم کا بیو ہوتا تھا اور اس سے زمینوں کی تحقیق مقصود تھی لیکن یہ سخت غلطی ہے زنار کے معنی پٹنی کے ہیں۔ اور عرب میں یہ لفظ آج کل بھی اس معنی میں مستعمل ہے۔ پٹنی کو عربی میں منطوق بھی کہتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے زنار اور منطوق مراد الفاظ ہیں ان دونوں الفاظ کا مترادف ہونا کتب حدیث سے ثابت ہے۔

کثرت العمل میں یہ معنی وغیرہ سے روایت منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرور ان فوج کو یہ تحریری حکم بھیجا **وتلزمواہم المناطی** یعنی الزناطی اسی زنار کو کہ مستحج بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ جامع صغیر وغیرہ میں بجائے زنار کے کہ مستحج ہی لکھا ہے اور غالب یہ ہے کہ یہ لفظ نجی ہے۔ ہر حال اہل عجم قدم سے پٹنی لگاتے تھے علامہ مسعودی نے کتاب التنبیہ والاشراف میں لکھا ہے کہ عجم کی اس قدیم عادت کی وجہ میں نے کتاب

مروج الذہب میں لکھی ہے، ایک قطعی دلیل اس بات کی یہ لباس ذمیوں کا قدیم لباس تھا۔ یہ ہے کہ خلیفہ منصور نے اپنے دربار کے لئے جو لباس قرار دیا تھا وہ قریب قریب یہی لباس تھا۔ لمبی ٹوپیاں جو نرسل کی ہوتی تھیں۔ وہی عجم کی ٹوپیاں تھیں جس کا نمونہ پارسیوں کے سروں پر آج بھی موجود ہے اس درباری لباس میں چٹنی بھی داخل تھی۔ اور یہ وہی زنار یا منطقتہ یا کسبج ہے جو عجم کی قدیم وضع تھی منصور کے اس مجوزہ لباس کی نسبت تمام مؤرخین عرب نے تصریح کی ہے کہ عجم کی تھلید تھی اب یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس لباس کی نسبت تمام مؤرخین نے تصریح کی ہے وہ اگر کوئی جدید لباس تھا۔ اور ان کی تخریر کے لئے ایجاد کیا گیا تھا تو خلیفہ منصور اسکو اپنا اور اپنے درباریوں کا لباس کیونکر قرار دے سکتا تھا۔

صلیب اور ناقوس کی بحث

ذمیوں کو نئی عبادت گاہیں بنانے اور شراب پینے، صلیب لٹکانے، ناقوس پھونکنے، اخطاباں دینے سے روکنا بے شبہ بھی دست اندازی ہے لیکن میں یہاں نہ اس راز کی پرہیزی کرتا ہوں کہ یہ احکام جن قیدیوں کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاری کئے تھے وہ بالکل مناسب تھے لیکن زمانہ مابعد کے مؤرخوں نے ان قیدیوں کا ذکر چھوڑ دیا۔ اس وجہ سے تمام دنیا میں ایک عالمگیر غلطی پھیل گئی۔

صلیب کی نسبت معاہدے میں جو الفاظ تھے اس میں یہ قید تھی۔

ولا یرفعوا فی نادی اهل الاسلام صلیبا (کتاب الخراج صفحہ ۸۰)

”یعنی مسلمانوں کی مجلس میں صلیب نہ لٹالیں۔“

ناقوس کی نسبت یہ تصریح تھی یضربوا نواقریسم فی ایتہ ساعة شاول من الیل اونهار الا فی اوقات الصلوة (کتاب الخراج صفحہ ۸۶) یعنی ذی رات دن میں جس وقت چاہیں ناقوس بجائیں، بجز نماز کے اوقات کے، سوار کی نسبت یہ الفاظ تھے ولا یخرجوا خنزیرا من منازلہم الی الفیۃ المسلمین یعنی ذی سوار کو مسلمان کے احاطے میں نہ لے جائیں۔

ان تصریحات کے بعد کس کو شبہ رہ سکتا ہے کہ صلیب لٹکانا یا ناقوس بجانا عموماً منع نہ تھا۔ بلکہ خاص حالات میں ممانعت تھی اور ان خاص حالات میں آج بھی ایسی ممانعت خلاف انصاف نہیں کہی جاسکتی۔ سب سے زیادہ قابل لحاظ امر یہی تھا کہ غلبہ عیسائیوں کی اولاد کا اصطلاح

دے دینا تھا اور یہ گویا

اصطلاح نہ دے سکتا

اس بات کی حفاظت ہے کہ آئندہ وہ کوئی اور مذہب قبول نہ کرے پائے بے شبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عام طور پر اس رسم کو روکنے کا کچھ حق نہ تھا۔ لیکن اس زمانے میں ایک نیا سوال پیدا ہوتا تھا۔ یعنی یہ کہ اگر عیسائی خاندان میں سے کوئی شخص مسلمان ہو جائے اور نابالغ اولاد چھوڑ کر مرے تو اس کی اولاد کس مذہب پر پرورش پائے گی؟ یعنی وہ مسلمان سمجھی جائے گی یا ان کے خاندان والوں کو جو عیسائی مذہب رکھتے ہیں یہ حق حاصل ہو گا کہ اس کو اصطلاح دے کر عیسائی بنالیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صورت خاص کے لئے یہ قرار دیا کہ خاندان والے اسکو اصطلاح نہ دیں اور عیسائی نہ بنائیں اور یہ حکم بالکل قرین انصاف ہے کیونکہ جب اس کا باپ مسلمان ہو گیا تو اس کی نابالغ اولاد بھی بظاہر مسلمان قرار پائے گی۔

علامہ طبری نے جہاں بنو تغلب کے واقعہ کا ذکر کیا ہے شرائط صلح میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ علی ان لا یضربوا ولیداً من اسلام ابناءہم (طبری صفحہ ۲۳۳) یعنی بنو تغلب کو اختیار نہ ہو گا کہ جن کے باپ مسلمان ہو چکے ہیں ان کو عیسائی بنائیں۔ ایک اور موقع پر یہ الفاظ ہیں۔ ان لا یضربوا ولادہم اذا اسلام اباہم (طبری صفحہ ۳۵) یہاں شاید یہ اعتراض ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک فرضی صورت قائم کر کے معاہدہ کو سخت کیوں کیا۔ لیکن جواب یہ ہے یہ فرضی صورت نہ تھی بلکہ بنو تغلب میں بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے تھے اس لئے ان کی خاص حالت کے لحاظ سے اس صورت کا ذکر ضرور تھا بلکہ علامہ طبری نے صاف تصریح کی ہے کہ تغلب میں سے جو لوگ اسلام لاپچکے تھے خود انہوں نے معاہدہ کے لئے یہ شرائط پیش کیں تھیں۔

اب ہر شخص انصاف کر سکتا ہے کہ امن عام میں غلط نہ واقع ہونے کے لئے عیسائیوں کو اگرچہ یہ حکم دیا جائے کہ وہ مسلمانوں کی مجلس میں صلیب اور سوار نہ لائیں۔ خاص نماز کے وقت ناقوس نہ بجائیں نو مسلم عیسائیوں کی اولاد کو اصطلاح نہ دیں تو کیا کوئی شخص اس کو تعصب مذہبی سے تعبیر کر سکتا ہے لیکن افسوس اور سخت افسوس یہ ہے کہ ہمارے پچھلے مؤرخوں نے ان احکام کی قیدوں اور خصوصیتوں کو اڑا دیا۔ بلکہ قدامت میں بھی یہ

تغصب آمیز طبیعت رکھتے تھے۔ روایت میں ان خصوصیتوں کو چھوڑ جاتے تھے یہ غلطیاں اگرچہ نہایت سخت نتائج پیدا کرتی تھیں، لیکن چونکہ ظاہر میں خفیف تھیں۔ ابن الاثیر وغیرہ نے اس کا کچھ خیال نہیں کیا۔ رفتہ رفتہ یہ غلطیاں اس قدر پھیل گئیں کہ عربی زبان سر تپا اس سے معمور ہو گئی۔ فقہاء چونکہ ان سے بہت کچھ واقفیت رکھتے تھے انہوں نے بے تکلف انہی روایتوں کو قبول کر لیا اور ان پر فقہ کے مسائل تفریع کر لئے۔

عیسائیوں کے جلا وطن کرنے کا معاملہ

عیسائیوں اور یہودیوں کے جلا وطن کرنے کے معاملے میں حقیقت یہ ہے کہ یہودی کسی زمانہ میں مسلمانوں کی طرف سے صاف نہیں ہوئے۔ خیبر جب فتح ہوا ان سے کہہ دیا گیا کہ جس وقت مناسب ہو گا تم کو یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ان کی شرارتیں زیادہ ظاہر ہوئیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ایک دفعہ بالا خانہ سے دھکیل دیا۔ جس سے ان کے ہاتھ میں زخم آیا مجبوراً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام مجمع میں کھڑے ہو کر ان کی شرارتیں بیان کیں۔ اور پھر ان کو عرب سے نکال دیا۔ چنانچہ صحیح بخاری کتاب الشروط میں یہ واقعہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

نجران کے عیسائی یمن اور اس کے اطراف میں رہتے تھے اور ان سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے چپکے چپکے جنگی تیاریاں شروع کیں۔ اور برسوں تک ہتھیار مہیا کئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف اس ضرورت سے ان کو حکم دیا کہ یمن چھوڑ کر عراق چلے جائیں۔ (کتاب النجران صفحہ ۴۲)

غرض یہ امر تمام تاریخی شہادتوں سے قطعاً ثابت ہے کہ عیسائی اور یہودی پولیٹیکل ضرورتوں کی وجہ سے جلا وطن کئے گئے۔ اور اس وجہ سے یہ امر کسی طرح اعتراض کے قابل نہیں ہو سکتا۔ البتہ لحاظ کے قابل یہ ہے کہ اس حالت میں بھی کسی قسم کی رعایت ان کے ساتھ ملحوظ رکھی گئی۔ مذکورہ کے یہودی جب نکالے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک واقعہ کار شخص کو بھیجا کہ ان کی زمین اور باغوں کی قیمت کا تخمینہ کرے۔ چنانچہ متعین قیمت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال سے ان کو دلوادی۔ اسی طرح حجاز کے یہودیوں کو بھی ان کی زمین کی قیمت دلوادی۔ (فتح البلدان صفحہ ۲۹)

نجران کے عیسائیوں کو جب عرب کی آبادی سے نکال کر شام و عراق میں آباد کیا تو ان

کے ساتھ نہایت فیاضانہ رعایتیں کیں۔ ان کو امن کا جو پروانہ دیا اس میں یہ شرطیں لکھیں۔
① عراق یا شام جہاں یہ لوگ جائیں وہاں کے افسران کی آبادی اور ذراعت کے لئے ان کو زمین دیں۔

② جس مسلمان کے پاس یہ کوئی فریاد لے کر جائیں وہ ان کی مدد کریں ۲۳ مہینے تک ان سے مطلقاً جزیہ نہ لیا جائے۔

اس معاملے پر احتیاط اور تاکید کے لحاظ سے بڑے بڑے صحابہ کے دستخط ثبت کرائے چنانچہ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں اس معاملہ کو بالفاظہ نقل کیا ہے۔ (کتاب مذکور صفحہ ۴۱)

ایک ایسی فوج جس کی نسبت بغاوت اور سازش کے ثبوت موجود ہوں اس کے ساتھ اس سے بڑھ کر اور کیا رعایت کی جاسکتی ہے۔ اب صرف جزیہ کا معاملہ رہ جاتا ہے۔ ہم نے اس بحث پر اگرچہ ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور وہ تینوں زبانوں (اردو، عربی، انگریزی) میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے تاہم مختصر طور پر یہاں بھی لکھنا ضروری ہے۔

جزیہ کی بحث

جزیہ کا موضوع اور مقصد اگرچہ شروع اسلام ہی میں ظاہر کر دیا گیا تھا کہ وہ حفاظت کا معاوضہ ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں یہ مسئلہ ایسا صاف ہو گیا ہے کہ احتمال کی بھی گنجائش نہیں رہی۔ اولاً تو انہوں نے نو شیروان کی طرح جزیہ کی مختلف شرحیں قائم کیں اور اس طریقہ سے گویا صاف بتا دیا۔ کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ وہی نو شیروانی محصول ہے اس کے علاوہ موقع بہ موقع عملی طور پر اس بات کو ظاہر کیا کہ وہ صرف حفاظت کا معاوضہ ہے۔ اس کتاب کے پہلے حصے میں تم پڑھ آئے ہو کہ جب یرموک کے پر خطر معرکہ کے پیش آنے کی وجہ سے اسلامی فوجیں شام کے مغربی حصوں سے ہٹ آئیں۔ اور ان کو یقین ہو گیا کہ جن شہروں سے وہ جزیہ وصول کر چکے تھے یعنی حمص دمشق وغیرہ وہاں کے باشندوں کی حفاظت کا اب وہ ذمہ نہیں اٹھا سکتے تو جزیہ سے جس قدر رقم وصول ہوئی تھی سب واپس کر دی اور صاف کہہ دیا کہ اس وقت ہم تمہارے جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔ اس لئے جزیہ لینے کا بھی ہم کو کوئی حق نہیں ہے۔ اس سے بھی زیادہ قطعی شہادت یہ ہے کہ جن لوگوں سے کبھی کسی قسم کی فوجی خدمت لی گئی ان کو باوجود ان کے مذہب پر قائم رہنے کے جزیہ معاف

کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود سہ ماہ ہجری میں عراق کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ۔

يَسْتَعِينُوا مِنِ احْتِاجِ الْيَمَنِ الْاسَاورَةِ وَيَرْفَعُوا عَنْهُمْ الْجِزْيَةَ
(طبری ص ۲۳۹)

”یعنی فوجی سواروں میں سے جس سے مدد لینے کی ضرورت ہو اس سے مدد لے لو اور ان کا جزیہ چھوڑ دو۔“

یہاں تک کہ اگر کسی قوم نے صرف ایک دفعہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شرکت کی تو اس سال کا جزیہ اس کے لئے معاف کر دیا گیا۔ ۲۳ ہجری میں جب آذربائیجان فتح ہوا تو اہل شہر کو یہ فرمان لکھ دیا گیا۔

وَمِنْ حُشْرِ مَنْهُمْ فِي سَنَةِ وَضِعَ عَنْهُمْ جِزْيَةُ تِلْكَ السَّنَةِ

”یعنی جو لوگ کسی سال فوج کے ساتھ کام دیں گے۔ اس سال کا جزیہ ان سے نہیں لیا جائے گا۔“

اسی سال آرمینیا کے رئیس شہر راز سے جو معاہدہ ہوا اس میں یہ الفاظ تھے۔

وَعَلَى أَهْلِ أَرْمِينِيَا أَنْ يَنْفَرُوا لِكُلِّ غَارَةٍ وَيَنْفِذُوا لِكُلِّ أَمْرٍ تَأْتِيهِمْ بِسَبْرٍ وَأَهْلِي

الْوَالِي صَلَاحًا عَلَى أَنْ تَوْضِعَ الْجِزْيَةَ (طبری ص ۲۴۵)

اسی سنہ میں جر جان فتح ہوا اور فرمان میں یہ عبارت لکھی گئی۔

أَنْ لَكُمْ الذَّمُّ وَعَلَيْنَا الْمَنَعَةُ عَلَى أَنْ عَلَيْكُمْ مِنَ الْجِزْيَةِ فِي كُلِّ

سَنَةٍ عَلَى قَدْرِ طَائِفَتِكُمْ وَمَنْ اسْتَعَاذَ بِكُمْ فَلَنْ جِزْيَةَ فِي مَعُونَةٍ

عَوَضًا عَنْ جِزْيَتِهِمْ (اینا)

”یعنی ہم پر تمہاری حفاظت ہے اس شرط پر کہ ہر سال بقدر طاقت

جزیہ ادا کرنا ہو گا۔ اور اگر تم سے اعانت لیں گے تو اس اعانت کے بدلہ جزیہ معاف ہو جائے گا۔“

فرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقوال سے معاہدوں سے ”طریقہ عمل سے روز

روشن کی طرح ظاہر ہو گیا ہے کہ جزیہ کا موضوع کیا تھا اور وہ کس غرض سے مقرر کیا تھا۔

جزیہ کا صرف فوجی مصارف پر محدود تھا۔ یعنی اس رقم سے صرف اہل فوج کے لئے

خوراک لباس اور دیگر ضروریات مہیا کی جاتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

جہاں جہاں جزیہ مقرر کیا اس کے ساتھ جس اور غلہ بھی شامل کیا۔ مصر میں فی کس جزیہ کی تعداد اور اصل چارو بٹاری تھی۔ لیکن وقت اور باقی کے عوض گیسوں، روغن، زیتون، شہد، سرکہ لیا جاتا تھا۔ اور یہی اہل فوج کی خوراک تھی۔ البتہ آگے چل کر جب رسد کا انتظام مستقل طور پر ہو گیا تو کل جزیہ کی مقدار فقط کروڑی گئی اور جس کے بجائے چار روپے لائے جانے لگے۔

(توق البلدان صفحہ ۴۸)

غلامی کا رواج کم کرنا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگرچہ غلامی کو معدوم نہیں کیا اور شاید اگر کرنا بھی چاہتے تو نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ انہوں نے مختلف طریقوں سے اس کے رواج کو کم کر دیا۔ اور جس قدر قائم رکھا اس خوبی سے رکھا کہ غلامی غلامی نہیں بلکہ برادری اور ہمہری رہ گئی۔ عرب میں انہوں نے سرے سے اس کا استحصال کر دیا۔ اور اس میں ان کو اس قدر اہتمام تھا کہ عثمان حکومت ہاتھ میں لینے کے ساتھ پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں قیائل مرتدہ میں جو لوگ لونڈی غلام بنائے گئے تھے سب آزاد کر دیئے اس کے ساتھ یہ اصول قائم کر دیا کہ اہل عرب کبھی کسی کے غلام نہیں ہو سکتے۔ ان کا یہ قول ہے کہ لا مسترق عوبی

عرب کا غلام نہ ہو سکتا

یعنی عرب کا کوئی آدمی غلام نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ بہت سے مجتہدین اور آئمہ فہم نے ان کے اس اصول کو تسلیم نہیں کیا۔ امام احمد حنبل کا قول ہے لا اذهب الی قول عمر لبس علی عوبی ملکہ۔ یعنی میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ رائے نہیں مانتا کہ اہل عرب غلام نہیں ہو سکتے لیکن یہ موقع اس مسئلہ پر بحث کرنے کا نہیں۔ یہاں صرف یہ بیان کرنا ہے کہ عرب کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ یہ تھا۔ (استیعاب ص ۲۵۳)

غیر قوموں کی نسبت وہ کوئی قاعدہ عام نہیں قائم کر سکے۔ جب کوئی ملک فتح ہوا تھا تو اہل فوج بیوٹ اصرار کرتے تھے کہ ملک کے ساتھ تمام رعایا ان کی غلامی میں دے دی جائے۔ ملک کی تقسیم میں تو جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مجید کے استدلال سے لوگوں کی زبان بندی کی لیکن غلامی کے لئے کوئی ایسا استدلال موجود نہ تھا۔

اس لئے وہ تمام اہل فوج کے خلاف نہیں کر سکتے تھے۔ تاہم اتنا کیا کہ عملاً غلامی کو نہایت کم کر دیا۔ جس قدر ممالک ان کے زمانے میں فتح ہوئے ان کی وسعت کئی ہزار میل تھی جس میں کوڑوں آدمی بستے تھے، لیکن غلامی کا جہاں جہاں پتہ چلتا ہے وہ نہایت محدود اور گنتی کے مقامات تھے اور وہاں بھی صرف وہ لوگ غلام بنائے گئے جو معرکہ جنگ میں شریک تھے عرق اور مصر بہاں جو بجائے خود مستقل مملکتیں ہیں باوجود فوج کے اصرار کے ایک شخص بھی غلام نہیں بنایا گیا یہاں تک

کہ جب مصر کے بعض دیہات کے آدمی جو مسلمانوں سے لڑے تھے غلام بنا کر عرب میں بھیج دیئے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کو چاہا جسے جمع کر کے مصر کو واپس بھیج دیا کہ ان کو غلام بنانا جائز نہ تھا۔ چنانچہ مؤرخ مقریزی نے ان دیہات کے نام اور اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔ شام کے شہروں میں بصری، محل، طبریز، دمشق، حمص، حماد، عسقلان، انطاکیہ وغیرہ جہاں عیسائی بڑے زور و شور سے لڑے۔ غلامی کا بہت کم پتہ چلتا ہے شاید شام میں صرف تیساریہ ایک جگہ ہے جہاں اسیران جنگ غلام بنائے گئے۔ فارس، خوزستان، کرمان، جزیرہ وغیرہ میں خود معاملہ صلح میں یہ الفاظ لکھ دئے گئے تھے کہ لوگوں کے جان و مال سے تعرض نہ ہو گا۔ صامغان، جندی، ساہور، شیراز وغیرہ میں اس سے زیادہ صاف الفاظ تھے کہ

لا اسبوا یعنی وہ لوگ گرفتار ہو کر لونڈی غلام نہ بنائے جائیں گے۔

مناظر میں باوجود اس کے کہ فوج نے اسیران جنگ کو غلام بنا کر ان پر قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم پہنچا کہ ان کو چھوڑ دو۔ اور خراج و جزیہ مقرر کر دو۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حکم بھیجا کہ کوئی کاٹھنکار یا پیشہ ور غلام نہ بنایا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اور طریقہ سے اس رواج کو گھٹایا۔ یعنی یہ قاعدہ قرار دیا کہ جس لونڈی سے اولاد ہو جائے وہ خریدی اور بیٹی نہیں جاسکتی جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ لونڈی نہیں رہتی۔ یہ قاعدہ خاص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایجاد ہے۔ ان سے پہلے اس قسم کی لونڈیوں کی برابر خرید و فروخت ہوتی تھی۔ چنانچہ مؤرخین اور محدثین نے جہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اولیات لکھے ہیں اس قاعدے کو بھی لکھا ہے غلاموں کی آزادی کا ایک اور طریقہ تھا۔ جس کو مکاتب کہتے ہیں یعنی غلام ایک معاملہ لکھ دے کہ میں اتنی مدت میں اس قدر رقم ادا کروں گا جب وہ زمیندار اور معین ادا کر دیتا ہے تو وہ بالکل آزاد ہو جاتا ہے۔ یہ قاعدہ خود قرآن میں موجود ہے۔ لکاتبوہم ان علمہم فیہم خیراً لیکن فقہاء اس حکم کو وجہی نہیں قرار دیتے۔ یعنی آقا کو اختیار ہے کہ معاملہ کو قبول کرے یا نہ کرے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو وجہی قرار دیا۔ صحیح بخاری کتاب الوکاتب میں

ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام سیرین نے مکاتبت کی درخواست کی۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کیا۔ سیرین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پاس حاضر ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو درے لگائے۔ اور مذکورہ بالا آیت سند میں پیش کی۔ آخر انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مجبوراً ماننا پڑا۔

• کرنا ضرور ہے۔ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جب فارس فتح ہوا تو یزدگرد و شہنشاہ فارس کی بیٹیاں گرفتار ہو کر مدینہ میں آئیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام لونڈیوں کی طرح بازار میں ان کے بیچنے کا حکم دیا لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع کیا کہ خاندان شامی کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہیں۔ ان لڑکیوں کی قیمت کا اندازہ کرایا جائے۔ پھر یہ لڑکیاں کسی کے اہتمام اور سپردگی میں دی جائیں، اور اسے انکی قیمت اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر لی جائے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود ان کو اپنے اہتمام میں لیا اور ایک امین کو ایک محمد بن ابی بکر کو ایک عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت کی۔ اس قسط قصہ کی حقیقت یہ ہے کہ زحشری نے جس کو فن تاریخ سے کچھ واسطہ نہیں ہے رجب الابرار میں اس کو لکھا اور ابن خلکان کے امام زین العابدین کے حال میں یہ روایت اس کے حوالہ سے نقل کر دی لیکن یہ محض غلط ہے اولاً تو زحشری کے سوا طبری ابن الاثیر، یعقوبی، باذری، ابن حبیب وغیرہ کسی اس واقعہ کو نہیں لکھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں یزدگرد اور خاندان شامی پر مسلمانوں کو مطلق قابو نہیں ہوا۔ مدائین کے معرکہ میں یزدگرد مع تمام اہل و عیال کے دار السلطنت سے نکلا اور حلوان پہنچا جب مسلمان حلوان پر بڑھے تو اصفہان بھاگ گیا اور پھر کرمان وغیرہ میں پھرتا رہا۔ مو میں پہنچ کر سنہ ۳۰ ہجری میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ ہے مارا گیا۔ اس کی لڑ لڑاؤ اگر گرفتار ہوئے ہوتے تو اسی وقت گرفتار ہوئے ہوں گے۔ مجھ کو شبہ ہے کہ زحشری کو یہ بھی معلوم تھا یا نہیں کہ یزدگرد کا قتل کس عہد میں واقع ہوا۔

اس کے علاوہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس وقت حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر ۳۰ برس تھی۔ کیونکہ جناب ممدوح ہجرت کے پانچویں سال کے بعد پیدا ہوئے اور فارس سنہ ۳۰ ہجری میں فتح ہوا۔ اس لئے یہ امر بھی کسی قدر مستبعد ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی نابالغی میں ان پر اس قسم کی عنایت کی ہوگی۔

اس کے علاوہ ایک شہنشاہ کی اولاد کی قیمت نہایت گراں قرار پائی ہوگی اور حضرت علی

دکھائے اس کا یہ اثر ہوا کہ غلاموں کے گروہ میں بڑے بڑے صاحب کمال لوگ پیدا ہو گئے جن کی تمام ملک عزت و توقیر کرتا تھا۔ عکرمہ جو آئندہ حدیث میں شمار کئے جاتے تھے اور جن کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتویٰ کی اجازت دی تھی۔ نافع جو امام مالک کے استاد تھے اور جن کی روایت کے سلسلے کو محدثین سلسلۃ اللذہب یعنی سونے کی زنجیر سے تعبیر کرتے ہیں، یہ دونوں بزرگ غلام تھے اور اسی عہد کے تربیت یافتہ تھے۔

علامہ ابن خلکان نے حضرت امام زین العابدین کے حال میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں لوگ کینیوں اور کثیر زادوں کو حقیر سمجھتے تھے۔ لیکن جب قاسم (حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے) اور سالم (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے) اور امام زین العابدین سن رشد کو پہنچے اور علم و فضل میں تمام مدینہ والوں سے بڑھ گئے تو خیالات بدل گئے اور نو مذبی غلاموں کی قدر بڑھ گئی۔ لیکن ہمارے نزدیک اس قبول اور عزت کا اصل سبب مصرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریق عمل تھا بے شبہ قاسم و سالم (امام زین العابدین کا نام اس سلسلے میں لینا بے اولیٰ خیال کرتا ہوں) کے فضل و کمال نے اس مسئلے پر اثر کیا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصابت اولاد کا وہ رتبہ قائم نہ کیا ہوتا تو ان بزرگوں کو فضل و کمال حاصل کرنے کا موقع کیونکر ہاتھ آتا۔

ان سب باتوں کے ساتھ اس موقع پر یہ بتادینا ضرور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ایجاد کیا تھا۔ اور نہ خدا نخواستہ ان کو یہ حق تھا۔ غلامی کا گھنا اور غلاموں کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرنا خود پیغمبر اسلام کا مقصد تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ کیا وہ اسی مقصد کی تعمیل تھی۔ امام بخاری نے کتاب المغنہ میں غلاموں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو افعال اور اقوال لکھے ہیں ان سے اس دعویٰ کی کافی تصدیق ہوتی ہے۔

سیاست و تدبیر، عدل و انصاف

عام سلاطین اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طریق سیاست میں فرق

خلافت فاروقی بیحد عالم میں کہاں سے کہاں تک پہنچی ہے اور کس قدر مختلف ملک، مختلف مذاہب، مختلف قومیں، اس کے دائرے میں داخل ہیں۔ لیکن اس سرے سے اس

سرے تک ہر طرف امن و امان اور سکون و اطمینان چھایا ہوا ہے۔ دنیا میں اور بھی ایسے صاحب جاوہر مال گزرے ہیں جن کی حکومت میں کوئی شخص سر نہیں اٹھا سکتا تھا۔ لیکن ان کو یہ بات اس سیاست کی بدولت حاصل ہوئی تھی جس کے اصول یہ تھے کہ بناوٹ کے ذرا سے احتمال پر دو نعمتاً انصاف کا قانون بالکل الٹ دیا جائے۔ ایک شخص کے جرم میں تمام خاندان پکڑا جائے۔ واقعات کے ثبوت میں یقین کے بجائے صرف قیاس سے کام لیا جائے و حشائے سزائیں دی جائیں آبادیاں جلا کر برباد کر دی جائیں۔ یہ اصول قدیم زمانے تک محدود نہ تھے اب بھگے یورپ کو باوجود اس تمدن و تہذیب کے انہی قاعدوں سے کام لینا پڑا ہے۔

لیکن خلافت فاروقی میں کبھی بال برابر انصاف سے تجاوز نہیں ہو سکتا۔ عربوں والوں نے بار بار عہد شکنی کی تو ان کو جلا وطن کیا لیکن اس طرح کہ ان کی جائیداد مال و اسباب کی مفصل فہرست تیار کر کے ایک ایک چیز کی دو گنی قیمت ادا کر دی۔ نجران کے عیسائیوں نے خود مختاری اور سرکشی کی تیاریاں کیں۔ اور ۴۰ ہزار آدمی بہم پہنچائے تو ان کو عرب سے نکال کر دوسرے ممالک میں آباد کرایا۔ مگر اس رعایت کے ساتھ کہ انکی جائیداد و غیرہ کی قیمت دے دی۔

اور عاملوں کو لکھ بھیجا کہ راہ میں جد ہران فائدہ ہو ان کے آرام کے سامان بہم پہنچائے جائیں اور جب یہ کہیں مستقل قیام کر لیں تو پوچھیں مینے تک ان سے چاہیہ نہ لیا جائے۔

(ان واقعات کو ہم انہی کے معنی کے بیان میں دیکھ چکے ہیں۔ اور وہاں کتابوں ۱۰۰ اور ۱۰۱ میں دیکھا ہے)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مشکلات

شاید تم کو یاد ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسی رعایا ہاتھ آئی تھی جس میں زیادہ تر اطاعت و انقیاد کا مادہ تھا۔ اور اس لئے ان کو جائیداد سیاست کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سچ پوچھو تو درحقیقت دونوں طرح کی مشکلات کا سامنا تھا غیر قومیں جو حلقہ اطاعت میں آئی تھیں۔ پارسی یا عیسائی تھیں جو مدت تک شاہنشاہی کے لقب سے ممتاز رہی تھیں۔ اس لئے ان کو رعیت بنانا مشکل سے گوارہ ہو سکتا تھا۔ اندرونی حالت یہ تھی کہ عرب میں بہت سے صاحب اوجہ و جود تھے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مثلاً ایک مؤلفہ القلوب کا کرد

تھا۔ جن کا قول تھا کہ خلافت بنو ہاشم یا بنو امیہ کا حق ہے اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی میں سے نہیں۔ عمرو بن العاص جو مصر کے گورنر تھے ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اخراج کے معاملے میں تنگ پکڑا تو انہوں نے نہایت حسرت سے کہا کہ خدا کی قدرت ہے! جاہلیت میں میرا باپ جب کثواب کی قبائیل میں رہتا تھا تو خطاب (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد) سر پر لکڑی کا گھٹا لادے پھرتے تھے۔ آج اسی خطاب کا بیٹا مجھ پر حکومت بنا رہا ہے بنو ہاشم ہمیشہ استغجاب کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ ان کے ہوتے ہوئے تھی اور عدوی خلافت پر کیونکر قبضہ کر بیٹھے ہیں۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں علانیہ نقض خلافت کے مشورے ہوتے رہے چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں کہ ”زہیر دہلوی نے از بنو ہاشم در خاندان حضرت فاطمہ جمع شدہ در باب نقض خلافت مشورہ پر کار می بردند۔“

(ازالۃ الخفاء، ج ۱، ص ۲۹)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سلطنت نے بنو ہاشم کے اوج کو اگرچہ دہایا لیکن بالکل مٹ کر بھی جکتی تھی اس کے علاوہ عرب کا فطری مذاق آزادی اور خود سری تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ کبھی کسی فرمانروا کی حکومت کے نیچے نہیں آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر امیر معاویہ کی طرح اس آزادی اور خود سری کو مٹا کر حکومت کا رعب و داب قائم رکھے تو چنداں قابل تعجب نہ تھا۔ لیکن وہ عرب کے اس جوہر کو کسی طرح مٹانا نہیں چاہتے تھے بلکہ اور چمکاتے تھے بار بار مجامع عام میں لوگ ان پر نہایت آزادانہ بلکہ گستاخانہ نکتہ چینیوں کرتے تھے اور وہ گوارا کرتے تھے شام کے سفر میں جب انہوں نے مجمع عام میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معزولی کی وجہ اور اپنی برائت بیان کی تو ایک شخص نے وہیں اٹھ کر کہا۔

(اسد الغابہ، تذکرہ امیر بن شمس الخوی)

واللہ ما عدلت بامیر! لقد نزعنا عاصلاً استعملہ رسول اللہ

وعدمت سيقا سلم رسول اللہ ولقد قطعت الرحم وحسدت ابن

الاعمى۔

”یعنی اے عمر! خدا کی قسم تو نے انصاف نہیں کیا۔ تو نے رسول اللہ

کے عامل کو موقوف کر دیا۔ تو نے رسول کی کھینچی ہوئی تلوار کو نیام میں

ڈال دیا۔ تو نے قطع رحم کیا تو نے اپنے پیچھے بھائی سے حسد کیا۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سب سن کر کہا کہ تم کو اپنے بھائی کی حمایت میں

غصہ آگیا۔

ان حالات کے ساتھ یہ رعب و داب تھا کہ حضرت خالد کو عین اس وقت جب تمام عراق و شام میں لوگ ان کا کلمہ پڑھنے لگے تھے معزول کر دیا تو کسی نے دم نہ مارا اور خود حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی قسم کا خیال دل میں نہ لاسکے امیر معاویہ و عمرو بن العاص کی شان و شوکت محتاج بیان نہیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے ان کو لرزہ آتا تھا۔ عمرو بن العاص کے بیٹے عبد اللہ نے ایک شخص کو بیوجہ مارا تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو بن العاص کے سامنے ان کو اسی مضروب کے ہاتھ سے کوڑے لگوائے اور باپ کے بیٹے دونوں عبرت کا تماشا دیکھا۔ سعد و قاص کو فاحش امیر کی معمولی شکایت پر جواب دہی میں طلب کیا تو ان کو بے عذر حاضر ہونا پڑا۔

ان واقعات سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سیاست و تدبیر کے فن میں جو کمال حاصل تھا۔ کسی مدبر اور فرمانروا کے حالات میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی اس کی حکومت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی آئین حکومت میں شاد و گدا شریف و بدیل عز و بیکانہ سب کا ایک رتبہ تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت کی خصوصیتیں

جلد بن الاہم غسانی، شام کا مشہور رئیس بلکہ بادشاہ تھا اور مسلمان ہو گیا۔ کعب کے طواف میں اس کی چادر کا گوشہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آگیا۔ جلد نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا۔ اس نے بھی برابر جواب دیا۔ جلد غصے سے چہاب ہو گیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی شکایت سن کر کہا ”تم نے جو کچھ کیا اس کی سزا پائی“ اس کو سخت حیرت ہوئی اور کہا کہ ”ہم اس رتبہ کے لوگ ہیں کہ کوئی ہمارے آگے گستاخی سے پیش ہو تو قتل کا مستحق ہوتا ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”جاہلیت میں ایسا ہی تھا۔ لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا“ اس نے کہا کہ ”اگر اسلام ایسا مذہب ہے جس میں شریف و بدیل کی کچھ تمیز نہیں تو میں اسلام سے باز آتا ہوں۔ غرض وہ چھپ کر قحطیغیہ چلا گیا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی خاطر سے قانون انصاف کو بدلنا نہیں چاہا۔

ایک دفعہ ملک کے عہدیداروں کو حج کے زمانے میں طلب کیا اور مجمع عام میں کھڑے

ہو کر کہا کہ جس کسی کو ان لوگوں سے شکایت ہو پیش کرے۔ اس مجمع میں عمرو بن العاص گورنر مصر اور بڑے بڑے رتبہ کے حکام اور عمال موجود تھے۔ ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ فلاں عامل نے بے وجہ مجھ کو سو درے مارے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اٹھ اور اپنا بدلہ لے عمرو بن العاص نے کہا امیر المؤمنین اس طریق عمل سے تمام عمال بے دل ہو جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”تاہم ایسا ضرور ہو گا“ یہ کہہ کر پھر مستغیث کی طرف متوجہ ہوئے کہ ”اپنا کام کر“ آخر عمرو بن العاص نے مستغیث کو اس بات پر راضی کیا کہ وہ سو دینار لے لے اور اپنا دعویٰ سے باز آئے۔

ایک دفعہ سرداران قریش ان کی ملاقات کو آئے اتفاق سے صیب بلال و غیرہ بھی موجود تھے۔ جن میں اکثر آزاد شدہ غلام تھے اور دنیاوی حیثیت سے معمولی درجہ کے لوگ سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اول انہی لوگوں کو بلایا اور سرداران قریش باہر بیٹھے رہے۔ ابوسفیان جو زمانہ جاہلیت میں تمام قریش کے سردار رہے تھے ان کو یہ امر سخت ناگوار گذرا اور ساتھیوں سے خطاب کر کے کہا کہ ”کیا خدا کی قدرت ہے غلاموں کو دربار میں جانے کی اجازت ملتی ہے اور ہم لوگ باہر بیٹھے انتظار کر رہے ہیں ابوسفیان کی یہ حسرت اگرچہ ان کے اقربان کے مذاق کے مناسب تھی تاہم ان میں کچھ حق شناس بھی تھے ایک نے کہا ”بھائیو! یہ ہے کہ ہم کو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نہیں بلکہ اپنی شکایت کرنی چاہئے اسلام نے سب کو ایک آواز سے بلایا۔ لیکن جو اپنی شامت سے پیچھے ہٹے وہ آج بھی پیچھے رہنے کے مستحق ہیں۔“ (آداب الزاری صفحہ ۶۶)

قادسیہ کے بعد جب تمام قبائل عرب اور صحابہ کی تنخواہیں مقرر کیں تو بڑے رشک و منافرت کا موقع پیش آیا۔ سرداران قریش اور معزز قبائل کے لوگ جو ہر موقع پر امتیاز کے خمار تھے بڑے دعوے کے ساتھ خنک رہے کہ تنخواہ کے تقرر میں حفظ مراتب کا خیال کیا جائے گا۔ اور فہرست میں ان کے نام سب سے پہلے نظر آئیں گے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے تمام خیالات غلط کر دیئے۔ انہوں نے دولت و جاہ و زور و قوت ناموری و شہرت اعزاز و امتیاز کی تمام خصوصیتوں کو مٹا کر صرف اسلامی خصوصیت قائم کی اور اسی اعتبار سے تنخواہ کم و بیش مقرر کیں جو لوگ اول اسلام لائے تھے یا جہاد میں کامیاب نمایاں کئے تھے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصوصیت رکھتے تھے ان کو غیلوں پر ترجیح دی جو ان خصوصیتوں میں برابر ورہ چکے تھے۔ ان کی تنخواہیں برابر مقرر کیں۔ یہاں تک کہ غلام اور آقا

میں کچھ فرق نہ رکھا۔ حالانکہ عرب میں غلام سے بڑھ کر کوئی گروہ خوار و ذلیل نہ تھا۔ اسی موقع پر اسامہ بن زید کی تنخواہ جب اپنے بیٹے سے زیادہ مقرر کی تو انہوں نے عذر کیا کہ واللہ اسامہ کسی موقع پر مجھ سے آگے نہیں رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں! لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

اہل عرب کا شعار تھا کہ لڑائیوں میں فخریہ اپنے اپنے قبیلہ کی بے پکارتے تھے۔ اس فخر کو مٹانے کے لئے تمام فوجی افسروں کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ ایسا کریں ان کو سخت سزا دی جائے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے جو مذہب کے قبیلہ سے تھا لڑائی میں آیا کل نہ کاغھو لگایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ہوئی تو سال بھر کے لئے اس کی تنخواہ بند کر دی۔ اس قسم کے اور بہت سے واقعات نامہوں میں ملتے ہیں۔ (فتح البلدان صفحہ ۴۵۹)

اصول مساوات

اسی اصول مساوات کی بنا پر وہ کسی شخص کے لئے کسی قسم کا امتیاز پسند نہیں کرتے تھے۔ عمرو بن العاص نے مصر کی جامع مسجد میں منبر بنایا تو لکھ بھیجا کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اور مسلمان نیچے بیٹھے ہوں اور تم اوپر بیٹھو۔ عمال کو ہمیشہ تاکید دی احکام بھیجتے رہتے تھے کہ کسی طرح کی امتیاز اور نمود اختیار نہ کریں۔

ایک دفعہ ابی بن کعب سے کچھ نزاع ہوئی۔ زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس گئے تو انہوں نے تعظیم کے لئے جگہ خالی کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ یہ پہلی نا انصافی ہے جو تم نے اس مقدمہ میں کی۔ ”یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔ یہی بعید تھا کہ طرز معاشرت نہایت سادہ اور غریبانہ رکھی تھی۔ سزا و جزا میں جلوت و خلوت میں مکان اور بازار میں کوئی شخص ان کو کسی علامت سے پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ غلیظہ وقت ہیں۔ قیصر و کسریٰ کے اعلیٰ مسجد نبوی میں آکر صحنہ تھے کہ شاہنشاہ اسلام کہاں ہیں۔ حالانکہ شاہنشاہ ہیں پیوند لگے کپڑے پہنے کسی گوشے میں بیٹھا ہوتا تھا۔ ان کے عمال ان کو اسی برابر کے القاب سے خط لکھتے جس طرح وہ عمال کو لکھا کرتے تھے۔

اس اصول انصاف سے اگرچہ خاص خاص آدمی جن کی ادعائی شان کو صدمہ پہنچتا تھا۔ دل میں مکدر ہوتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ عرب کا اصلی مذاق تھا۔ اس لئے عام ملک پر اس

کا نہایت عمدہ اثر ہوا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں تمام عرب گرویدہ ہو گیا۔ خواص میں بھی جو حق شناس تھے وہ روز بروز مغرّف ہوتے گئے اور جو بالکل خود پرست تھے وہ بھی میلان عام کے مقابلے میں اپنی خود رانی کے اظہار کی جرأت نہ کر سکے۔

اس اصول کے عمل میں لانے سے بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قبائل عرب میں جو انہی بیہودہ مفاخر کی بناء پر آپس میں لڑتے رہتے تھے اور جس کی وجہ سے عرب کا سارا خطہ ایک میدان کارزار بن گیا تھا۔ ان کی باہمی رقابت اور مفاخرت کا زور بالکل گھٹ گیا۔

امیر المومنین کا لقب کیوں اختیار کیا

اس موقع پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصول مساوات کے ساتھ اپنے لئے امیر المومنین کا پُر فخر لقب نہیں ايجاد کیا۔ اصل یہ ہے کہ زمانے تک یہ لقب کوئی فخر کی بات نہیں سمجھی جاتی تھی۔ بلکہ اس سے صرف عمدہ اور خدمت کا اظہار ہوتا تھا۔ افسران فوج عموماً امیر کے نام سے پکارے جاتے تھے کفار عرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امیر کہہ کر مٹا کرتے تھے سعد بن وقاص کو عراق میں لوگوں نے امیر المومنین کہنا شروع کر دیا تھا۔ (مقدمہ ابن خلدون فصل فی القباہیر المومنین)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لقب کا خیال تک نہ تھا اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ ایک دفعہ لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتم مدینہ میں آئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ قاعدہ کے موافق اطلاع کرائی اور چونکہ کوفہ میں وہ امیر المومنین کا لفظ ان کی زبان پر چڑھا ہوا تھا اطلاع کرتے وقت یہ کہا کہ امیر المومنین کو ہمارے آنے کی اطلاع کر دو۔ عموماً الحاص نے اطلاع کی اور یہی خطاب استعمال کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خطاب کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے کیفیت واقعد بیان کی۔ اس لقب کو پسند کیا اور اسی تاریخ سے اس کو شہرت عام ہو گئی۔ اس موقع پر ممکن ہے کہ ایک کوٹاہ نظر کو یہ خیال ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت سے اگر کسی قسم کا جاہ و اعزاز مقصود نہ تھا تو انہوں نے خلافت اختیار کیوں کی؟ بے غرضی کا یہ اقتضا تھا کہ وہ اس خوانِ نعمت کو ہاتھ ہی نہ لگاتے لیکن یہ خیال محض عامیانہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے شبہ خلافت سے ہاتھ اٹھاتے لیکن دوسرا کون شخص تھا جو اس کو سنبھال لیتا؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قطعی طور سے جانتے تھے کہ یہ بارگراں ان کے سوا کسی سے اٹھ نہیں سکتا! کیا ایسے وقت میں

ان کی راست بازی کا یہ تقاضہ تھا کہ وہ وسیعہ دانستہ لوگوں کی بدگمانی کے خیال سے خلافت سے دستبردار ہو جاتے اگر وہ ایسا کرتے تو خدا کو کیا جواب دیتے؟ انہوں نے اسی دن خطبہ میں کہہ دیا تھا کہ۔

لولا رجائی ان اکون خیرکم لکم واقلکم علیکم واعدکم
اطلاعاً بما ینوب من مهم امرکم ما تولیت ذلک منکم۔

"یعنی اگر مجھ کو یہ امید نہ ہوتی کہ میں تم لوگوں کے لئے سب سے زیادہ کار آمد سب سے زیادہ قوی اور مهمات امور کے لئے سب سے زیادہ قوی ہاؤں تو میں اس منصب کو قبول نہ کرتا۔"

اس سے زیادہ صاف وہ الفاظ ہیں جو امام محمد نے موطا میں روایت کئے ہیں۔

او علمت ان احداً القوی علی هذا الامر منی لکان ان اقدم
لیضر بہ عنقی اھون علی۔ (کتاب مذکور مطبوعہ مسندنا ص ۳۳)

"یعنی اگر میں جانتا کہ کوئی شخص اس کام (خلافت) کے لئے مجھ سے زیادہ قوت رکھتا ہے تو خلافت قبول کرنے پر نسبت میرے نزدیک زیادہ آسان تھا کہ میری گردن مار دی جائے۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان الفاظ پر غور کو اور دیکھو کہ اس کا ایک حرف بھی صحت اور اوقیت سے ہٹا ہوا ہے؟

سیاست

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیاست کے اصول سے خوب واقف تھے اور یہ وہ خصوصیت ہے جس میں وہ دیگر تمام صحابہ سے علانیہ ممتاز ہیں جو ممالک و ائمہ خلافت میں داخل تھے ان کی اصلی تین تقسیمیں تھیں۔ عرب، امیر ان شام و مصر اس لئے ہر ایک کی حالت کے مناسب الگ الگ تدبیریں اختیار کیں۔ عراق و ایران میں چونکہ مدت سے مرزبان اور مدحان چلے آتے تھے اور اسلام کی فتح کے بعد بھی ان کا زور اور اقتدار قائم تھا۔ اس لئے ان کی پولیٹیکل تحفظاں مقرر کر دیں جس سے وہ بالکل رام ہو گئے چنانچہ رؤسائے عراق میں ابن ابی العجر جان، سلام بن نزی، رئیل، خالد، جہیل کے معقل روزینے مقرر کر دیئے۔ شام اور مصر میں رومیوں نے اصلی باشندوں کو صاحب جائیداد نہیں چھوڑا تھا۔ اس لئے ان کی طرف

سے چنداں اندیشہ نہ تھا۔ وہ رومی حکومت کی بجائے ایک عادل اور منصف گورنمنٹ چاہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ وہ مراعاتیں کیں کہ انہوں نے بار بار کہا کہ ہم کو مسلمان رومیوں کی یہ نسبت زیادہ محبوب ہیں۔ غیر قوموں کے ساتھ اگرچہ ان کا برتاؤ عموماً نہایت فیاضانہ تھا۔ چنانچہ اس کی بحث رومیوں کے حقوق میں گذر چکی۔ لیکن زیادہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ شام و مصر کی رعایا پر خاص توجہ مبذول تھی۔

مصر میں مقوقس مصر کا باشندہ اور رومیوں کی طرف سے نائب حکومت تھا۔ اس کے ساتھ شروع سے ایسے برتاؤ کئے کہ وہ ناخریدہ غلام بن گیا اور اس کی وجہ سے تمام مصری رعایا دل سے حلقہ بغاوت اطاعت ہو گئی۔ ان باتوں پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ جنگی مقامات پر عرب کے خاندان آباد کرا دیئے اور فوجی چھوٹیاں قائم کر دیں جن کی وجہ سے سینکڑوں میل تک اثر پہنچا اور کسی بغاوت کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ کوفہ و بصرہ جو عرب کی طاقت کا مرکز بن گیا تھا۔ خاص اسی غرض سے آباد کرایا گیا تھا۔ شام اور مصر میں تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں اسی ضرورت سے قائم کی گئی تھیں۔

خاص عرب میں ان کو مختلف پولٹیکل تدبیروں سے کام لینا پڑا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے بالکل نکال دیا۔ بڑے بڑے ملکی افسروں کو ہمیشہ بدلتے رہتے تھے۔ چنانچہ عمرو بن العاص کے سوا کوئی ایسا گورنر مقرر نہیں ہوا جو مختلف صوبجات میں بدلتا نہ ہو۔ ملکی افسروں میں سے جس کی نسبت زیادہ زور پاجانے کا خیال ہوتا تھا۔ اس کو علیحدہ کر دیتے تھے۔ جو لوگ زیادہ صاحب اثر تھے ان کو اکثر دار الخلافہ سے باہر نہیں جانے دیتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ ان لوگوں نے جہاد پر جانے کی اجازت طلب کی تو فرمایا کہ ”آپ لوگ دولت بہت جمع کر چکے ہیں“ پھر فرمایا ”لا تعرجوا لتسلوا بمناوشمالاً“ (تاریخ یعقوبی صفحہ ۱۸۱) ایک دفعہ عبدالرحمن بن عوف نے پوچھا کہ ”آپ ہم لوگوں کو باہر جانے سے کیوں روکتے ہیں؟“ فرمایا کہ اس کا جواب نہ دیتا جواب دینے سے بہتر ہے۔ (تاریخ یعقوبی صفحہ ۱۸۱) اپنے قبیلے کے لوگوں کو کبھی ملکی عہدے نہیں دیئے صرف نعمان بن عدی کو ضلع کا حاکم کیا تھا پھر ایک معقل وجہ سے موقوف کر دیا۔ بنو ہاشم کو بھی ملکی عہدے نہیں دیئے اور اس میں زیادہ ترقی مصلحت ملحوظ تھی۔

اس وقت تمام عرب میں تین شخص تھے جو مشہور مدبر اور صاحب ادعا تھے۔ امیر معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ، مغیب بن شعبہؓ۔ چونکہ مہمات ملکی کے انجام دینے کے لئے ان لوگوں سے بڑھ کر تمام عرب میں کوئی شخص ہاتھ نہیں آسکتا تھا۔ اس لئے سب کو بڑے بڑے عہدے دیئے لیکن ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے اور اس کی تدبیر کرتے رہتے تھے کہ وہ قابو سے باہر نہ ہونے پائیں۔ ان کی وفات کے بعد کوئی ایسا شخص نہ رہا جو ان کو دیا سکتا چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو ہنگامے برپا ہوئے سب انہی لوگوں کی بدولت تھے۔

سیاست اور پالیٹکس حکومت اور سلطنت کا لازمہ ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس باب میں تمام دنیا پر جو اقتیاز حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اور بادشاہوں نے پالیٹکس کی ضرورت سے جو جو کام کئے ان کا نام واقعی خدع، مکر، فریب، ظاہر واری اور نفاق تھا۔ بادشاہوں پر موقوف نہیں بڑے بڑے رفتار مراس شائبہ سے خالی نہیں ہوتے تھے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کسی کارروائی پر فریب اور حکمت عملی کا نقب نہیں ہوتا تھا۔ وہ جو کچھ کرتے تھے طمانیہ کرتے تھے۔ اور لوگوں کو صاف صاف اس کی مصلحت سے واقف کر دیتے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معزول کیا تو تمام اضلاع میں فرمان بھیج دیا کہ۔

انی لم اعزل خالد عن سخطه ولا خيافته ولكن الناس لتتوا به
فخفت ان يهوكوا الله۔

”یعنی میں نے خالد کو ناراضی یا خیانت کے جرم میں نہیں موقوف کیا بلکہ اس وجہ سے کہ لوگ ان کی طرف زیادہ مائل ہوتے جاتے تھے اس لئے میں ڈرا کہ ان پر بھروسہ نہ کر لیں۔“

ٹٹی کی معزولی کے وقت بھی ایسے ہی خیالات ظاہر کئے اور فرمایا۔

لم اعزلهم عن ربي ولكن الناس عظموهم فخفت ان يهوكوا
الله۔ (طبری سنہ ۲۵۸)

بنو ہاشم کو جس وجہ سے ملکی خدمتیں نہیں دیں حضرت عبداللہ بن عباس سے صاف اس کی وجہ بیان کر دی۔ چنانچہ ایک دوسرے مناسب موقع پر اس کی تفصیل آئے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حسن سیاست کا ایک بڑا کارنامہ اور ان کی کامیابی کا بہت بڑا سبب یہ ہے کہ انہوں نے حکومت و انتظام کی کل میں نہایت موزوں پرزے استعمال کئے تھے۔

عمدہ داران سلطنت کا عمدہ انتخاب

یہ عموماً مسلم ہے کہ جو ہر شاہی کی صفت 'ان میں سب سے بڑھ کر تھی۔ اس ذریعہ سے انہوں نے تمام عرب کے قابل آدمیوں اور ان کی مختلف قایلیوں سے واقفیت پیدا کی تھی اور انہی قایلیوں کے لحاظ سے ان کو مناسب عمدے دیئے تھے سیاست و انتظام کے فن میں تمام عرب میں چار شخص اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ امیر معلویہ، عمرو بن العاص، مغیبہ بن شعبہ، زیاد بن سید چنانچہ ان سب کو بڑی بڑی ملکی خدمتیں سپرد کیں اور درحقیقت ان لوگوں کے سوا شاہد کو فہد مصر اور کوئی شخص قابو نہیں رکھ سکتا تھا۔

جنگی مہمات کے لئے عیاض بن غنم، سعد و قاص، خالد، نعمان بن مقرن وغیرہ کو انتخاب کیا۔ عمرو معدی کرب اور علی بن خالد اگرچہ پہلوانی اور سپہ گری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے لیکن فوج کو لڑا نہیں سکتے تھے اس لئے ان دونوں کی نسبت حکم دے دیا کہ ان کو کسی حصہ فوج کی افسری نہ دی جائے۔ زید بن ثابت و عبداللہ بن ارقم انشاء و تحریر میں مستثنیٰ تھے ان کو میرٹھی مقرر کیا۔ قاضی شریح، کعب بن سور، سلمان بن ربیعہ، عبداللہ بن مسعود فصل قضایا میں ممتاز تھے ان کو قضا کی خدمت دی۔ غرض یہ کہ جس کو جس کام پر مقرر کیا وہ گویا اسی کے لئے پیدا ہوا تھا۔ اس امر کا اعتراف غیر قوموں کے مؤرخوں نے بھی کیا ہے ایک مشہور عیسائی مؤرخ لکھتا ہے کہ "عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کے سرداروں اور گورنروں کا انتخاب بلا اور رعایت کیا۔ اور مغیبہ و عمار کو چھوڑ کر باقی سب کا تقرر نہایت مناسب اور موزوں ہوا۔"

بے لاگ عدل و انصاف

سب سے بڑی چیز جس نے ان کی حکومت کو مقبول عام بنایا اور جس کی وجہ سے اہل عرب ان کے سخت احکام کو بھی گوارا کر لیتے تھے۔ یہ تھی کہ ان کا عدل و انصاف ہمیشہ بے لاگ رہا۔ جس میں دوست و دشمن کی کچھ تمیز نہ تھی۔ ممکن تھا کہ لوگ اس بات سے ناراض ہوتے کہ وہ جرائم کی پاداش میں کسی کی عظمت و شان کا مطلق پاس نہیں کرتے لیکن جب وہ دیکھتے تھے کہ خاص اپنی آل و اولاد اور عزیز و اقارب کے ساتھ بھی ان کا یہی برتاؤ ہے تو لوگوں کو صبر

ان کے بیٹے ابو محمد نے جب شراب پی تو خود اپنے ہاتھ سے ۸۸ کوڑے مارے اور اسی صدمہ سے وہ بچا کرے قضا کر گئے۔ قدامتہ بن مظعون جو ان کے سالے اور بڑے رتبہ کے صحابی تھے۔ جب اسی جرم میں مایوس ہوئے تو علانیہ ان کو ۸۸ درے لگوائے۔

قدیم سلطنتوں کے حالات و انتظامات سے واقفیت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ قدیم سلطنتوں اور حکمرانوں کے قواعد اور انتظامات سے واقفیت پیدا کرتے تھے۔ اور ان میں جو چیزیں پسند کے قابل ہوتی تھیں اس کو اختیار کرتے تھے۔ خراج عشور، دفتر رسد کا خدات، حساب ان تمام انتظامات میں انہوں نے ایران اور شام کے قدیم قواعد پر عمل کیا۔ البتہ جہاں کوئی نقص پایا اس کی اصلاح کر دی۔ عراق کے بدو بست کا جب ارادہ کیا تو حذیفہ اور عثمان بن حنیف کے نام حکم بھیجا کہ عراق کے دو بڑے زمینداروں کو میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ یہ زمیندار مع حرم کے ان کے پاس آئے اور انہوں نے ان سے دریافت کیا کہ سلاطین عجم کے ہاں مال گذاری کی تشخیص کا کیا طریقہ تھا۔ جزیرہ حالانکہ بظاہر مذہبی لگاؤ رکھتا تھا۔ تاہم اس کی تشخیص میں وہی اصول ملحوظ رکھے جو نو شیرواں نے اپنی حکومت میں قائم کئے تھے۔ علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے جہاں نو شیرواں کے انتظامات اور بالخصوص جزیرہ کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے کہ

وہی الو ضائع التی اتلوا بها عمر بن الخطاب حين التجر

بلا الفرس۔

"یعنی یہ وہی قاعدے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب

فارس کا ملک فتح کیا تو ان کی اقتداء کی۔"

اس سے زیادہ صاف اور مصرح، علامہ ابن مسکویہ نے اس مضمون کو لکھا ہے 'علامہ موصوف نے جو حکیم اور فلسفی اور شیخ بوعلی سینا کے معاصر و ہم پایہ تھے تاریخ میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام تجار الاہم ہے اس میں جہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتظامات ملے گا ذکر کیا لکھا ہے کہ۔

ابو سعید کے قصے میں واقفوں نے بڑی رنگ آمیزی کی ہیں۔ لیکن اس قدر صحیح ہے کہ حضرت عمر نے ان (شرعی مزادی) اور اسی صدمہ سے انہوں نے انتقال کیا۔ (مجموعہ معارف ابن قتیبہ) اگر اولاد عجم کا کتاب القرآن صحیفہ ۱۱۱ تاریخ طبری ص ۱۱۱ یہ کتاب قطیفہ کے کتب خانہ مسجد المصوفیہ میں موجود ہے اور میں نے اسی نسخہ سے نقل کیا ہے۔

وكان عمر بكثرة الخلوة بقوم من الفرس يقرءون عليه سياسات
الملوك ولا سيما ملوك المعجم الفضلا وسما النوشروان
وانه كان معجبا بها كثير الاقتداء بها۔

یعنی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فارس کے چند آدمیوں کو صحبت خاص
میں رکھتے تھے یہ لوگ ان کو بادشاہوں کے آئین حکومت پر تبصرہ کر
سنایا کرتے تھے خصوصا شاہانِ عجم اور ان میں بھی خاص کر نوشیروان
کے اس لئے کہ ان کو نوشیروان کے آئین بہت پسند تھے اور وہ ان کی
بہت پیروی کرتے تھے۔

علامہ موصوف کے بیان کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ عموماً مؤرخوں نے لکھا
ہے کہ جب فارس کا رئیس ہرمزان اسلام لایا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے
خاص درباریوں میں داخل کیا۔ اور انتظاماتِ مملکت کے متعلق اس سے اکثر مشورہ لیتے تھے۔

واقفیت حالات کے لئے پرچہ نویس اور واقعہ نگار

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بڑی کوشش اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ ملک کا
کوئی واقعہ ان سے مخفی نہ رہنے پائے۔ انہوں نے انتظاماتِ مملکت کے ہر ہر صیغہ پر پرچہ نویس
اور واقعہ نگار مقرر کر رکھے تھے۔ جس کی وجہ سے ملک کا ایک ایک جزئی واقعہ ان تک پہنچتا
تھا۔ امام طبری لکھتے ہیں۔

وكان عمر لا يخفى عليه شيء في عمله كتب اليه من العراق
بمخرج من خرج ومن الشام بجائزة من اجيز لها
یعنی عمر پر کوئی بات مخفی نہیں رہتی تھی عراق میں جن لوگوں نے خروج
کیا اور شام میں جن لوگوں کو انعام دیئے گئے سب تحریری اطلاعیں
ان کو پہنچیں۔

عراق کے ایک محکمہ میں سردار لشکر نے عمو معدی کرب کو دوسرا حصہ نہیں دیا۔
عمو معدی کرب نے وجہ پوچھی انہوں نے کہا کہ تمہارا گھوڑا دو غلا ہے اس لئے اس کا حصہ کم
ہو گیا۔ معدی کرب کو اپنی پملوئی کا غور تھا۔ بولے کہ ہاں دو غلا ہی دو غلے کو بچان بھی سکتا
ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فوراً خبر ہوئی عمر معدی کرب کو سخت تنبیہ کی جس کی
وجہ سے ان کو آئندہ پھر ایسی گستاخی کی جرأت نہیں ہوئی۔ نعمان بن عدی مہمان کے حاکم تھے

دولت و نعمت کے مزے میں پڑ کر انہوں نے اپنی بی بی کو ایک خط لکھا جس میں یہ شعر بھی تھا۔
لعل امير المؤمنين يسوقه تناد منا بالجوسق المتهدم
”خالیابا امیر المؤمنین کو خبر پہنچے گی تو وہ برا مانیں گے کہ ہم لوگ مٹلوں
میں زندانہ صیبتیں رکھتے ہیں۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فوراً خبر ہوئی اور ان کو معزول کر کے لکھا کہ ہاں مجھ کو
تمہاری یہ حرکت ناگوار ہوئی۔ (اسد الغابہ ذکر نعمان بن عدی)

صحابہ میں حذیفہ بن الیمان ایک بزرگ تھے جن کو اکثر مخفی باتوں کا پتہ لگتا تھا۔ عہد
نبوت میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محرم راز تھے اور اسی وجہ سے صاحب السر
کہلاتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن ان سے پوچھا کہ منافقین کا جو گروہ
ہے ان میں سے کوئی شخص میرے عمالوں اور عہدہ داروں میں بھی ہے انہوں نے کہا ہاں
ایک شخص ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نام پوچھا لیکن انہوں نے رازداری کے لحاظ
سے نام نہیں بتایا حذیفہ کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس
کو معزول کر دیا۔ جس سے میں نے قیاس کیا کہ انہوں نے خود پتہ لگا لیا۔ اسی شخص اور
بیدار مغزی کا اثر تھا کہ تمام افسر اور عمال ان کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے تھے علامہ
طبری لکھتے ہیں۔

وكانوا لا يدعون شيئا ولا ياتونه الا وامرهم فيه۔ (طبری سنو
۳۸۷ھ)

”یعنی لوگ کوئی کام ان سے بغیر دریافت کے نہیں کرتے تھے۔“

بیت المال کا خیال

بیت المال یعنی خزانہ کا بہت خیال رکھتے اور کسی قسم کی رقم کو اس کے احاطے سے
باہر نہیں نکھتے۔ خانہ کعبہ میں مدت کا چڑھاوا جمع تھا۔ اس کی نسبت فرمایا کہ۔

لقد سمعت ان لا ادع لها صفراء ولا بيضاء الا قسمته۔

(صحیح بخاری باب سعة الكعبة)

”یعنی میں نے ارادہ کیا ہے کہ جو کچھ اس میں سونا چاندی ہے سب
لوگوں کو تقسیم کر دوں۔“

ایک دفعہ قیمت کا مال کیا۔ حضرت صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (حضرت عمر رضی اللہ

عنه) اسد الغابہ ذکر حذیفہ بن الیمان۔

تعالیٰ عنہ کی بیٹی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ کو خبر ہوئی وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئیں اور کہا کہ امیر المؤمنین! اس میں سے میرا حق مجھ کو عنایت کیجئے کیونکہ میں ذوالقربیٰ میں سے ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ! جان پدر تیرا حق میرے خاص مال میں سے ہے لیکن یہ نعمت کا مال ہے تو نے اپنے باپ کو دھوکہ دینا چاہا وہ بیچاری خفیف ہو کر اٹھ گئیں۔ (مسند امام احمد منیل)

شام کی فتح کے بعد قیصر روم سے دو ستانہ مراسم ہو گئے تھے۔ اور خط و کتابت رہتی تھی۔ ایک دفعہ ام کلثوم (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ) نے قیصر کی حرم کے پاس تختہ کے طور پر عطری چند شیشیاں بھیجیں اس نے اس کے جواب میں شیشوں کو جو اہرات سے بھر کر بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حال معلوم ہوا تو فرمایا کہ گو عطری تمسارا تھا لیکن قاصد جو لے گیا تھا وہ سرکاری تھا اور اس کے مصارف عام آمدنی میں سے ادا کئے گئے۔ غرض وہ جو اہرات لے کر بیت المال میں داخل کر دیئے گئے اور ان کو کچھ معاوضہ دے دیا۔

ایک دفعہ تیار پڑ گئے لوگوں نے علاج میں شہد تجویز کیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن بلا اجازت نہیں لے سکتے تھے۔ مسجد نبوی میں جا کر لوگوں سے کہا کہ اگر اجازت دیں تو بیت المال سے تھوڑا سا شہد لے لوں! اس کا روانی کا مطلب اجازت کے سوا یہ ظاہر کرنا تھا کہ خزانہ عامہ پر خلیفہ وقت کو اتنا اختیار بھی نہیں۔

خلافت سے پہلے وہ تجارت کے ذریعے سے بسر کرتے تھے خلافت کے مہمات میں یہ شغل قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ صحابہ کو جمع کر کے اپنی ضروریات بیان کیں۔ اور کہا کہ بیت المال سے میں کس قدر اپنے مصارف کے لئے لے سکتا ہوں۔ لوگوں نے مختلف رائے دیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چپ تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ ”صرف معمولی درجہ کی خوراک اور لباس“۔ چنانچہ ان کے اور ان کی بیوی بچوں کے لئے بیت المال سے کھانا اور کپڑا مقرر ہو گیا۔ فوجی روزانہ داریوں میں جب بدر میں (وہ صحابہ جو جنگ بدر میں شریک تھے) کے لئے تنخواہیں مقرر ہوئیں۔ تو اور لوگوں کے ساتھ پانچ ہزار درہم سال ان کے بھی مقرر ہو گئے۔ کوٹوں روپے کی آمدنی میں قاروق اعظم کو سال بھر میں جو ملتا تھا اس کی یہ تعداد تھی۔

ان کی معاشرت کے حالات میں آگے چل کر تم پر دھوکے کے وہ اکثر پھٹے کپڑے پہنتے

تھے۔ زمین پر سو رہتے تھے۔ مہینوں گیسوں کا آنا گھر میں نہیں پکا تھا۔ اس کی وجہ کچھ رہبانیت اور جوگی پن نہ تھا بلکہ درحقیقت اس سے زیادہ ان کو ملک کی آمدنی میں نصیب نہیں ہوتا تھا۔ کبھی کبھی اتفاقاً کوئی بڑی رقم آجاتی تھی تو وہ بے دریغ خرچ بھی کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب نکاح کیا تو ان کے شرف اور خاندان نبوت کے تعلق کی وجہ سے ۴۰ ہزار درہم مہر مانہ حوالہ اور اسی وقت ادا بھی کر دیا۔

بنو ہاشم کو جو ملکی عہدے نہیں دیئے اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کو خوف تھا کہ بنو ہاشم چونکہ شمس میں اپنا حصہ ایک شرعی حق سمجھتے ہیں اس لئے اس کے باوجود دولت مندی کے شمس میں سے اپنا حصہ لے لیں گے۔ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک شمس کے مصارف امام وقت کی رائے پر منحصر ہیں۔ چنانچہ اس کی مفصل بحث آگے آئے گی انہوں نے بنو ہاشم کی نسبت اپنی اس بدگمانی کا اظہار بھی کر دیا تھا۔ جس کا عامل جب مر گیا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو مقرر کرنا چاہا۔ لیکن ان کی طرف سے مطمئن نہ تھے اس لئے بلا کر ان سے کہا کہ فی نفسی حدیث شمس میرے لئے تباہی کی طرف سے ذرا کھٹکا ہے۔ انہوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا

انی خشیت علیک ان تاتی علی النبی الذی ہوا

”یعنی مجھے ڈر ہے کہ تم حاصل ملکی پر تصرف نہ کرو۔“

یہ صرف سوء ظن نہ تھا بلکہ وقوع میں بھی آیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت عبداللہ کو عامل مقرر کیا تو انہوں نے بیت المال میں سے بہت سی رقم لے لی۔ اور جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باز پرس کی تو لکھ بھیجا کہ ابھی میں نے اپنا پورا حق نہیں لیا۔

یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال کے بارہ میں جو کفایت شعاری اور تنگ درزی برتی وہ خلافت قاروقی کی کامیابی کا بہت بڑا سبب تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں لوگوں نے اخیر میں جو شور شیں کیں اسکی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ جناب موصوف نے بیت المال کے متعلق فیاضانہ برتاؤ کیا۔ یعنی اپنے عزیز و اقارب کو ذوالقربیٰ کی بناء پر برقیس عطا کیں۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ ان کو بے انتہا کام درپیش رہتے تھے وارتخاؤ سے سینکڑوں ہزاروں میل تک فوجیں پھیلی ہوئی تھیں۔ جن کی ایک ایک حرکت ان کے اشاروں پر موقوف تھی۔ انتظامات حکومت کی مختلف شاخوں کا ذکر تم اوپر پڑھ آئے ہو۔ فقہ کی ترتیب

اور افتاء جو ایک مستقل اور بہت بڑا کام تھا اپنے ذاتی اشغال جدا تھے۔ تاہم ہر کام وقت پر انجام پاتا تھا۔ اور کسی کام میں کبھی حرج نہیں ہوتا تھا۔ نہاونہ کا سخت معرکہ جس میں تمام ایران امنڈ آیا تھا پیش تھا کہ عین اسی زمانے میں سعد و قاص گورنر کوفہ کی شکایت گذری۔

تمام کاموں کا وقت پر انجام پانا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگرچہ بہت تنگ وقت ہے تاہم سعد کی تحقیقات نہیں رک سکتی۔ چنانچہ کوفہ سے فوجوں کی روانگی کا انتظام بھی ہوتا رہا۔ اور ساتھ ہی بڑی کدو کاوش سے سعد کی تحقیقات بھی ہوئی۔ جزیرہ والوں نے قیصر سے مل کر جب شام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس سرعت سے تمام اضلاع سے فوجیں بھیجیں کہ جزیرہ کے تمام ناکے روک دیئے اور اہل جزیرہ قیصر تک پہنچ بھی نہ سکے۔ زیادہ تر حدیر دو ملکی تحصیل پر مامور تھے۔ انہوں نے ایک عیسائی کے گھوڑے کی قیمت میں ہزار قرار دے کر محصول طلب کیا۔ اس نے کہا کہ گھوڑا آپ رکھ لیجئے اور ۹ ہزار مجھ کو حوالہ کیجئے۔ دوبارہ عیسائی ان کی سرحد سے گزرا تو اس سے پھر محصول مانگا۔ وہ کہہ معفرہ پنچا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف اس قدر کہا کہ تم مطمئن رہو۔ عیسائی زیادہ تر حدیر کے پاس واپس آیا اور مل میں ارادہ کر چکا تھا کہ ایک ہزار اور دے کر گھوڑے کو واپس لے۔ یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان پہلے پہنچ چکا تھا کہ سال بھر میں دو دفعہ ایک چیز کا محصول نہیں لیا جاسکتا۔

ایک اور عیسائی کو اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ وہ عین اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا جب وہ حرم میں خطبہ پڑھ رہے تھے اسی حالت میں اس نے شکایت کی۔ فرمایا دوبارہ محصول نہیں لیا جاسکتا۔ عیسائی چند روز مکہ میں مقیم رہا۔ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا۔ اور کہا کہ ”میں وہی نصرانی ہوں جس نے محصول کے متعلق شکایت کی تھی۔“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں حنیفی (مسلمان) ہوں جس نے تمہارا کام انجام دیا عیسائی نے دریافت کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے ہی دن زیادہ کو حکم بھیج چکے تھے۔

اس بات کا بہت سخت اہتمام کیا کہ ممالک محروسہ میں سے کوئی شخص فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہونے پائے۔ عام حکم تھا اور اس کی بیش قیمت قیلیل ہوتی تھی کہ ملک میں جس قدر پانچ

۱۔ یہ دونوں ذاتیں کتاب التراجیح صفحہ ۷۷ میں ہیں۔

از کار رفتہ اور مظلوم و غیور ہوں سب کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کر دی جائیں۔ لاکھوں سے متجاوز آدمی فوجی دفتر میں داخل تھے جن کو کھرباشے خوراک ملتی تھی۔ اول یہ انتظام کیا گیا تو حکم دیا کہ ایک جریب لے آنا پکایا جائے۔ پک کر تیار ہوا تو ۳۰ آدمیوں کو بلا کر کھلایا گیا۔ شام کو پھر اسی قدر آنا پکایا۔ اور اسی قدر آدمیوں کو کھلایا۔ دونوں وقت کے لئے یہ مقدار کافی ٹھہری تو فرمایا کہ ایک مہینے بھر کی خوراک کے لئے دو جریب آنا کافی ہے۔ پھر حکم دیا کہ ہر شخص کے لئے اس قدر آنا مقرر کر دیا جائے۔ اعلان عام کے لئے ممبر پر چڑھے اور بیان نہ ہاتھ میں لے کر کہا کہ میں نے تم لوگوں کے لئے اس قدر خوراک مقرر کر دی ہے جو شخص اس کو کھائے گا اس سے خدا کبھی گا۔

ایک روایت میں ہے کہ بیان نہ ہاتھ میں لے کر یہ الفاظ فرمائے

انی قد فرضت لكل نفس مسلمة في شهر مدي حنطة وقسطي نخل۔

”یعنی میں نے ہر مسلمان کے لئے فی ماہ دو مدہ گیہوں اور دو قسط سرکہ مقرر کیا ہے۔“

غریب اور مساکین کے روزینے

اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لئے بھی ”ہاں غلام کے لئے بھی لا۔“ غریب اور مساکین کے لئے بلا تخصیص مذہب حکم تھا۔ کہ بیت المال سے ان کے روزینے مقرر کر دیئے جائیں۔ چنانچہ جیسا ہم اوپر زمینوں کے حقوق میں لکھ آئے ہیں۔ بیت المال کے عامل کو لکھ بھیجا کہ خدا کے اس قول سے کہ انما الصدقات للفقراء والمساكين فقراء سے مسلمان اور مساکین سے اہل کتاب مراد ہیں۔

مہمان خانے

اکثر شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے۔ جہاں مسافروں کو بیت المال کی طرف سے کھانا ملتا تھا۔ چنانچہ کوفہ کے مہمان خانے کا ذکر ہم کوفہ کی آبادی کے ذکر میں لکھ آئے ہیں۔ مدینہ منورہ جو لشکر خانہ تھا اکثر وہاں خود جا کر اپنے اہتمام سے کھانا کھلاتے تھے۔

اولاد لفظ یعنی گھمٹا ہوا بچہ جن کو ماں شہراہ وغیرہ پر ڈال جاتی تھیں ان کے لئے سن ۸۸ ہجری میں یہ انتظام کیا کہ جہاں اس قسم کا کوئی بچہ ملے اس کے دودھ پلانے اور دیگر مصارف کا انتظام بیت المال سے کیا جائے۔ چنانچہ ان مصارف کے لئے اول سورہ ہم سالانہ مقرر ہوتے تھے پھر سال بہ سال ترقی ہو جاتی تھی۔

تقییموں کی خبر گیری

قیسوں کی پرورش اور گزینہ کی جائداد ہوتی تھی تو اس کی حفاظت کا نہایت اہتمام کرتے تھے۔ اور اکثر تجارت کے ذریعہ اسے ترقی دیتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ حکم بن ابی العاص سے کہا کہ میرے پاس قیسوں کا جو مال جمع ہے وہ زکوٰۃ نکالنے کی وجہ سے گھٹنا جا رہا ہے۔ تم اس کو تجارت میں لگاؤ اور جو نفع ہو وہاپس کرلو۔ چنانچہ دس ہزار کی رقم حوالہ کی اور وہ بدستے بڑھتے لاکھ تک پہنچ گئی۔

قسط کا انتظام

۸۸ ہجری میں جب عرب میں قحط پڑا تو عجب سرگرمی ظاہر کی۔ اول بیت المال کا تمام نقد و غلہ صرف کیا۔ پھر تمام صوبوں کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ سے غلہ روانہ کیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ نے چار ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے بھیجے، عمرو بن العاص نے بحر قلزم کی راہ سے بیس ہزار روانہ کئے جن میں ایک ایک میں تین تین ہزار ارب غلہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان جہانوں کے ملاحظہ کے لئے خود بندر گاہ تک گئے۔ جس کا نام مبار تھا اور مدینہ منورہ سے تین منٹ کی فاصلہ پر بندر گاہ میں دو بڑے بڑے مکان بنوائے اور زید بن ثابت کو حکم دیا کہ قحط زدوں کا نقشہ بنائیں۔ چنانچہ بقید تمام اور مقدار غلہ رجسٹر تیار ہوا۔ ہر شخص کو چک تقسیم کی گئی۔ جس کے مطابق اس کو روزانہ غلہ ملتا تھا۔ چک پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مہر ثبت ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ ہر روز چار اونٹ خوار اپنے اہتمام سے ذبح کرواتے تھے اور قحط زدوں کو کھانا پکوا کر کھلاتے تھے اس موقع پر یہ بات خاص طور پر

۳۔ تسکین یعقوبی ص ۱۱۷ ہے الخ کے قلم سے یہ ہیں ثم امر زید بن ثابت ان یکتب الناس علی منازلہم وامر ان یکتب مکانا من قواطیس ثم یختم اسماءہا فکان المؤمن ۴۔ وختم اسفل الصکاک ارباب کم ویش امن لا وناجے ۵۔ بلادی ص ۱۱۷ یعقوبی جلد ۱ ص ۱۱۷۔

جنادینے کے قاتل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اگرچہ ملک کی پرورش اور پرداخت کا اتنا کچھ اہتمام تھا لیکن ان کی فیاضی ایشیائی قسم کی فیاضی نہ تھی جس کا نتیجہ کابل اور مفت خوری کا رواج دنیا میں ہوتا ہے۔

رفاہ عام کے متعلق حضرت عمرؓ کی نکتہ سنجی

ایشیا سلاطین و امراء کی فیاضیوں کا ذکر عموماً بڑے ذوق سے کیا جاتا ہے لیکن لوگ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ اس سے جہاں ایک بادشاہ کی مدد نکلتی ہے دوسری طرف قوم کا رویہ گر ہو تا اور انعام و بخشش پر لو لگائے رہنا ثابت ہوتا ہے یہی ایشیائی فیاضیاں تھیں جس نے آج ہماری قوم میں لاکھوں آدمی ایسے پیدا کر دیئے ہیں جو خود ہاتھ پاؤں بلانا نہیں چاہتے اور غرور و ناز و غیور اوقات بسر کرتے ہیں۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے بے خبر نہ تھے وہ اس بات کی سخت کوشش کرتے تھے کہ لوگوں میں کھلی اور مفت خوری کا مادہ نہ پیدا ہونے پائے۔ جن لوگوں کی تنخواہیں اور خوراک مقرر کی تھیں وہ صرف وہ لوگ تھے جن سے کبھی نہ کبھی فوجی خدمت کی توقع ہو سکتی تھی۔ یا جنہوں نے پہلے کوئی نمایاں خدمت کی تھی یا وہ ضعیف اور بیماری کی وجہ سے خود کسب معاش نہیں کر سکتے تھے ان اقسام کے علاوہ وہ کبھی اور قسم کی فاضلی کو روا نہیں کر سکتے تھے۔

محدث ابن جوزی نے سیرۃ العرین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک سائل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا تو اس کی جھولی آنے سے بھری ہوئی تھی۔ چھین کر اونٹوں کے آگے ڈال دی اور فرمایا کہ اب جو مانگتا ہے مانگ علامہ مابوروی نے احکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ محاسب کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو جو کھانے کمانے کے قابل ہوں اور باوجود اس کے صدقہ اور خیرات لیتے ہوں تنبیہ و تادیب کرے اس کے بعد علامہ موصوف نے اس کی سند میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فعل سے استدلال کیا ہے اور لکھا ہے کہ **وَقَدْ لَعَلَّ عُمَرَ مِثْلَ فَلَكٍ يَمُوتُ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ**

(۱۷) حکام السلاطین علیہم صلی (۲۳۵)

معمول تھا کہ جب کسی شخص کو ظاہر میں خوشحال دیکھتے تو دریافت فرماتے کہ یہ کوئی پیشہ بھی کرتا ہے اور جب لوگ کہتے کہ نہیں تو فرماتے کہ یہ شخص میری آنکھ سے گر گیا۔ ان کا مقولہ تھا کہ مکسبہ لیاہ اذنانہ خیر من مسالۃ الناس یعنی ذیل پیشہ بھی لوگوں سے

سوال کرنے کے یہ نسبت اچھا ہے۔ مفت خوری کا موقع تو زیادہ تر علماء و صوفیاء کو ملتا ہے ان کے زمانے تک صوفیہ تو پیدا نہیں ہوئے تھے لیکن علماء کو انہوں نے علانیہ مخاطب کر کے کہا لا تکنونو علی المسلمین یعنی مسلمانوں پر اپنا بار نہ ڈالو (سیرۃ النبیین لابن الجوزی)

جزئیات پر توجہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخ زندگی میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ ان کو ہمیشہ بڑے اہم امور سے سابقہ رہتا تھا۔ تاہم نہایت چھوٹے چھوٹے کام بھی وہ خود انجام دیتے تھے اور اس کے لئے ان کو وقت اور فرصت کی تنگی نہیں ہوتی تھی۔ ان میں ایسے کام بھی ہوتے تھے جن کا اختیار کرنا بظاہر شان خلافت کے خلاف تھا۔ لیکن ان کو کسی کام سے عار نہ تھا۔

روزینہ دایوں کے جو روزینے مقرر تھے اکثر خود چاکر تقسیم کرتے تھے قیدیہ اور عسکان مدینہ سے کئی منزل کے فاصلے پر دو قصبے ہیں جہاں قبیلہ خزاعہ کے لوگ آباد تھے ان دونوں مقاموں میں خود تشریف لے جاتے تھے روزینہ دایوں کا دفتر ہاتھ میں ہوتا تھا۔ ان کو دیکھ کر چھوٹے بڑے سب کے سب گھروں سے نکل آتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اپنے ہاتھ سے تقسیم کرتے جاتے تھے اکثر ایسا ہوتا کہ دارالصدقہ میں جاتے اور ایک ایک اونٹ کے پاس کھڑے ہو کر ان کے دانت گنتے اور ان کا حلیہ قلبند کرتے۔

محب طبری نے ابو حذیفہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کا معمول تھا کہ مجاہدین کے گھروں پر جاتے اور عورتوں سے کہتے کہ تم کو کچھ بازار سے منگوانا ہو تو میں لاؤں۔ وہ لونڈیاں ساتھ کر دیتیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود جیس خریدتے اور ان کے حوالہ کرتے۔ مقام جنگ سے قاصد آتا اور اہل فوج کے خطوط لاتا تو خود ان کے گھروں پر پہنچا آتے تھے اور کہتے کہ فلاں تاریخ تک قاصد واپس جائے گا تم جواب لکھو اور کہو کہ اس وقت تک روانہ ہو جائے گا۔ قلم اور دوات خود مہیا کر دیتے اور جس گھر میں کوئی حرف شناس نہ ہوتا خود چہ کھٹ کے پاس بیٹھ جاتے اور گھروالے جو لکھواتے لکھتے جاتے۔

رعایا کی شکایتوں سے واقفیت کے وسائل

ان کی سب سے زیادہ توجہ اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ رعایا کی کوئی شکایت ان تک پہنچنے سے نہ رہ جائے۔ یہ معمول رکھا کہ ہر نماز کے بعد منہمک میں بیٹھ جاتے اور جس کو جو

کچھ ان سے کہنا سنا ہوتا کہنا۔ کوئی نہ ہوتا تو تھوڑی دیر انتظار کر کے اٹھ جاتے۔ راتوں کو دورہ کیا کرتے۔ سفر میں راہ پہلوں سے حالات پوچھتے۔ بیوی اضلاع سے جو سرکاری قاصد آتے ان سے ہر قسم کی پرس و جو کرتے۔

سفارت

ایک عمدہ طریقہ دریافت حالات کا یہ تھا کہ تمام اضلاع سے ہر سال سفارتیں آتیں اور وہ ان مقامات کے متعلق ہر قسم کی ضروری باتیں پیش کرتے اس سفارت کو وفد کہتے تھے اور یہ عرب کا قدیم دستور تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانے میں اس سے وہ کام لیا جو آج کل جمہوری سلطنتوں میں رعایا کے قائم مقام ممبر انجام دیتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں مختلف اضلاع سے جو سفارتیں آتیں اور جس طرح انہوں نے اپنی مقامی ضرورتیں پیش کیں۔ اس کا حال عقد الفرید وغیرہ میں بتفصیل ملتا ہے۔

شام کا سفر اور رعایا کی خبر گیری

ان تمام باتوں پر ان کو تسل نہ ہوئی تھی فہماتے کہ عمال رعایا کی پرواہ نہیں کرتے اور ہر شخص مجھ تک پہنچ نہیں سکتا۔ اس بناء پر ارادہ کیا تھا کہ شام، جزیرہ نموذ، بصرہ کا دورہ کریں اور ہر جگہ دو دو مہینے ٹھہریں۔ لیکن موت نے فرصت نہ دی۔ تاہم اخیر دفعہ جب شام کا سفر کیا تو ایک ایک ضلع میں ٹھہر کر لوگوں کی شکایتیں سنیں۔ اور داورسی کی۔ اس سفر میں ایک پر عبرت واقعہ پیش آیا۔ دار الخلافہ کو واپس آرہے تھے کہ راہ میں ایک خیمہ دیکھا سواری سے اتر کر خیمہ کے قریب گئے ایک بوھیا عورت نظر آئی۔ اس سے پوچھا عمر کا کچھ حال معلوم ہے؟ اس نے کہا ہاں شام سے روانہ ہو چکا لیکن خدا اس کو عارت کرے آج تک مجھ کو اس کے ہاں سے ایک حبہ بھی نہیں ملا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اتنی دور کا حال عمر کو کیونکر معلوم ہو سکتا ہے۔

بولی کہ ”اس کو رعایا کا حال معلوم نہیں تو خلافت کیوں کرتا ہے“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت رقت ہوئی۔ اور بے اختیار رو پڑے۔ ہم اس موقع پر متحد حکایتیں نقل کرتے ہیں جس سے اندازہ ہو گا کہ رعایا کی آرام و آسائش اور خبر گیری میں ان کو کس قدر

سرگرمی اور ہمدردی تھی۔

ایک دفعہ ایک قافلہ مدینہ منورہ میں آیا اور شہر کے باہر اترا اس کی خبر گیری اور حفاظت کے لئے خود تشریف لے گئے۔ پہلے دیکھتے پھرتے تھے کہ ایک طرف سے رونے کی آواز آئی۔ ادھر متوجہ ہوئے دیکھا تو ایک شیر خوار بچہ ماں کی گود میں رو رہا ہے۔ ماں کو ناکید کی کہ بچہ کو ہلانے تھوڑی دیر کے بعد پھر ادھر سے گذر ہوا تو بچہ کو روٹا پایا۔ غیظ میں آکر فرمایا۔ کہ تو بی بی بے رحم ماں ہے۔

اس نے کہا کہ تم کو اصل حقیقت معلوم نہیں خواہ مخواہ مجھ کو دق کرتے ہو۔ بات یہ ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا ہے کہ بچے جب تک ماں کا دودھ نہ چھوڑیں بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے۔ میں اس غرض سے اس کا دودھ چھڑاتی ہوں اور یہ اس وجہ سے روٹا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رقت ہوئی اور کہا کہ ہائے عمر! تو نے کتنے بچوں کا خون کیا ہو گا! اسی دن سے منادی کرا دی کہ بچے جس دن پیدا ہوں اسی تاریخ سے ان کے روزیے مقرر کر دیئے جائیں۔ اسلم (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام) کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو گشت کے لئے نکلے مدینہ سے تین میل پر صرار کا ایک مقام ہے۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکار رہی ہے۔ اور دو تین بچے رو رہے ہیں۔ پاس جا کر حقیقت حال دریافت کی۔ اس نے کہا کہ کئی وقتوں سے بچوں کو کھانا نہیں ملا ہے۔ ان کے ہلانے کے لئے خالی ہانڈی میں پانی ڈال کر چڑھا دی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی وقت انھیں مدینہ میں آکر بیت المال سے آٹا، گوشت، گھی اور کھجوریں لیں۔ اور اسلم سے کہا کہ میری بیٹی پر رکھ دو، اسلم نے کہا کہ میں لئے چلتا ہوں، فرمایا ہاں! لیکن قیامت کے روز میرا بار تم نہیں اٹھاؤ گے غرض سب چیزیں خود اٹھا کر لائے اور عورت کے آگے رکھ دیں اس نے آٹا گوند حار، ہانڈی چڑھائی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود چولہا چھوکتے جاتے تھے کھانا تیار ہوا تو بچوں نے خوب سیر ہو کر کھلایا اور اچھلنے کودنے لگے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ عورت نے کہا، خدا تم کو جزائے خیر دے گا یہ ہے کہ امیر المؤمنین ہونے کے قابل تم ہونے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے کہ ایک بدوا اپنے خیمہ سے باہر زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔ پاس جا کر بیٹھے اور ادھر ادھر کی باتیں شروع کیں۔ دفعہ خیمہ سے رونے کی آواز آئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ کون روٹا ہے؟ اس نے کہا کہ میری بیوی دودھ میں مبتلا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر پر آئے اور ام کلثوم (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

زوجہ تھیں) کو ساتھ لیا۔ بدو سے اجازت لے کر ام کلثوم کو خیمہ میں بھیجا۔ تھوڑی دیر بعد بچہ پیدا ہوا۔ ام کلثوم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکارا کہ امیر المؤمنین اپنے دوست کو مبارکباد دیجئے امیر المؤمنین کا لفظ سن کر بدو چونک پڑا۔ اور متعجب ہو بیٹھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں کچھ خیال نہ کروں۔ کل میرے پاس آٹا میں اس بچہ کی تنخواہ مقرر کر دوں گا۔

عبدالرحمن بن عوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو میرے مکان پر آئے میں نے کہا آپ نے کیوں تکلیف کی۔ مجھ کو بلا لیا ہوتا۔ فرمایا کہ ابھی مجھے معلوم ہوا ہے کہ شہر سے باہر ایک قافلہ اترا ہے لوگ تھکے ماندے ہوں گے تو ہم تم چل کر پہنچیں۔ چنانچہ دونوں اصحاب گئے اور رات بھر پہنچتے رہے۔

جس سال عرب میں قحط پڑا، ان کی عجیب حالت ہوئی، جب تک قحط رہا گوشت، گھی، مچھلی غرض کوئی لذیذ نہ کھائی۔ نہایت خضوع سے دعائیں مانگتے تھے کہ "اے خدا! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو میری شامت افعال سے تباہ نہ کرنا"۔ اسلم ان کے غلام کا بیان ہے کہ قحط کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو فکر و ترود رہتا تھا اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ اگر قحط رفع نہ ہوتا تو وہ اسی غم میں تباہ ہو جائیں گے۔ قحط کا جو انتظام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا اس کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

ایک دفعہ ایک بدو ان کے پاس آیا اور یہ اشعار پڑھے۔

يا عمر الخير خير الجنّة كسّ
بناتى وامهنا القسم بالله لتفعلنه

"اے عمر! اللہ اگر ہے تو جنت کا ہے میری لڑکیوں کو کپڑے پہنا۔

خدا کی قسم تجھ کو یہ کرنا ہو گا۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اور میں تمہارا کمنا نہ کروں تو کیا ہو گا، بدو نے کہا۔

تكون عن حالى لتسئلن والواقف المستول
يستهتم ما لى ناروا ما جنة

"تجھ سے قیامت میں میری نسبت سوال ہو گا۔ اور تو ہکا بکا رہ جائے

گا پھر اودن شی کی طرف یا بہشت کی طرف جانا ہو گا۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر روئے کہ دائرہ صحرانہ گئی، پھر غلام سے کہا کہ

میرا یہ کرتا اس کو دے دے اس وقت اس کے سوا اور کوئی چیز میرے پاس نہیں۔

(سيرة النبیین واولادہم)

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک عورت اپنے بالا خانے پر بیٹھی یہ اشعار گاری تھی۔

تطاول هذا الليل وازور جانبہ
وليس الى جنبی خليل الا عبہ
”رات کالی ہے اور لمبی ہوتی جاتی ہے اور میرے پیلو میں یار نہیں۔
جس سے خوش فطری کروں۔“

اس عورت کا شوہر جاوہر گیا تھا۔ اور وہ اس کے فراق میں یہ درو انگیز اشعار پڑھ رہی تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت قلق ہوا اور کہا کہ میں نے زنان عرب پر بڑا ظلم کیا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور پوچھا کہ عورت کتنے دن موکے بغیر بسر کر سکتی ہے؟ انہوں نے کہا کہ چار مہینے صبح ہوتے ہی ہر جگہ حکم بھیج دیا کہ کوئی سپاہی چار مہینے سے فداوہ باہر نہ رہنے پائے۔

سعید بن ربیع ایک صحابی تھے جن کی آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا کہ آپ جمعہ میں کیوں نہیں آتے انہوں نے کہا کہ میرے پاس توئی نہیں کہ مجھ کو راستہ بتائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک توئی مقرر کیا جو ہمیشہ ان کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ (اسد الغابۃ کہ حدیث ربیع)

ایک دفعہ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے ایک شخص کو دیکھا بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے پاس جا کر کہا کہ داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔ اس نے کہا جنگ مہوت میں میرا دایاں ہاتھ جاتا رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رقت ہوئی اس کے برابر بیٹھ گئے اور رو کر کہنے لگے کہ افسوس تم کو وضو کون کراتا ہو گا۔ سر کون دھوتا ہو گا؟ کپڑے کون پساتا ہو گا؟ پھر ایک نوکر مقرر کر دیا۔ اور اس کے لئے تمام ضروری چیزیں خود مہیا کر دیں۔

امامت اور اجتہاد

امامت کا منصب در حقیقت نبوت کا ایک شاخہ ہے اور امام کی فطرت قریب قریب پیغمبر کی فطرت واقع ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں ”وازمیان امت مجھے مستند کہ جو ہر نفس ایشان قریب بجو ہر انبیاء مخلوق شدہ و اس جماعہ و اراصل فطرت خلقائے انبیاء اندر درامت۔ (ازالۃ الخفاء جلد اول صفحہ ۴۰)

مذہبی عقائد اور احکام اگرچہ بظاہر سادہ اور صاف ہیں کیونکہ صانع عالم کا اعتقاد اس کی صفات کمال کا اعتراف سزاوہر کا یقین، نہاد عبادت محاسن اخلاق کی چیزیں تمام مذاہب کے اصل الاصول اور احکام ہیں۔ اور یہ سب بظاہر سادہ اور صاف باتیں ہیں۔ لیکن ان کے مسائل میں اشتباہ اور ابہام اس قدر ہے کہ اگر نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی سے کام نہ کیا جائے تو ان کی حقیقت بالکل بدل جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ مسائل قریب تمام مذاہب میں مشترک تھے تاہم کم و بیش سب میں غلطیاں واقع ہوئیں اسلام انہی غلطیوں کے مٹانے کے لئے آیا اور تاکید کے ساتھ ان پر توجہ دلائی۔ لیکن چونکہ عام طبائع نکتہ سنج نہیں ہوتیں۔ اس لئے ہر زمانے میں اکثر لوگ اصل حقیقت سے دور ہو جاتے تھے اور اسی لئے ائمہ اور مجددین کی ضرورت باقی رہی کہ ان اسرار پر پردہ نہ پڑنے پائے مثلاً اسلام نے شرک کو کس قدر ذور و شور سے مٹایا۔ لیکن غور سے دیکھو تو قبولی اور مزاموں کے ساتھ عوام کی ایک طرف خواص کا جو طرز عمل اس میں اب بھی کس قدر شرک کا خفی اثر موجود ہے۔ گو استفادہ عن القبور اور حصول برکت کے خوشنما الفاظ نے ان پر پردہ ڈال رکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان نازک اور مشتبہ مسائل میں جس طرح اصل حقیقت کو سمجھا اور جس جرأت و دلیری سے اس کو لوگوں کے سامنے ظاہر کیا۔ اس کی نظیر صحابہ کے زمانے میں بہت کم ملتی ہے۔

مسئلہ قضا و قدر

الیات کا ایک بڑا نازک مسئلہ قضا و قدر کا مسئلہ ہے جس میں مہم بے بے ائمہ مذہب کو غلطیاں واقع ہوئیں۔ یہاں تک کہ اکابر صحابہ میں سے بھی بعض کو اشتباہ ہوا۔ طاعون عمواس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب شام کا سفر کیا تو مقام سرغ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہاں وبا کی نہایت شدت ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واپسی کا ارادہ کیا۔ حضرت ابو عبیدہ نے اس خیال سے کہ جو کچھ ہوتا ہے قضائے الہی سے ہوتا ہے نہایت طیش میں آکر کہا کہ انوار امن قلدو اللہ یعنی قضا الہی سے بھاگتے ہو؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس نازک مسئلے کو ان مختصر اور بلیغ الفاظ میں حل فرمایا۔ (یہ واقعہ مفصل طور پر صحیح مسلم اب الطاعون میں مذکور ہے)

نعم نقر من قلدو اللہ الی قلدو اللہ

”یعنی ہاں ہم خدا کے حکم سے خدا کے حکم کی طرف بھاگتے ہیں۔“

اسلام کا اصول شعار اللہ کی تعظیم ہے، اسی بناء پر کعبہ اور حجر اسود وغیرہ کے احرام کا حکم ہے لیکن اس کی صورت منہ پرستی سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب میں اسی اصول سے رفتہ رفتہ منہ پرستی قائم ہو گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف موقعوں پر لوگوں کو اس غلطی تسلیم کرنے سے باز رکھا۔ ایک بار حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر علانیہ کہا۔

انی اعلم انک حجر وانک لا تضر ولا تنفع
”میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔“

تعظیم شار اللہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فعل مذاق عام سے جس قدر الگ تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بہت سے محدثین نے جہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے وہاں یہ روایت بھی اضافہ کی ہے کہ اسی وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ٹوکا۔ اور ثابت کیا کہ حجر اسود فائدہ اور نقصان دونوں پہنچا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ قیامت میں لوگوں کی نسبت شہادت دے گا۔ لیکن یہ اضافہ محض غلط اور بناوٹ ہے۔ چنانچہ باقرین فن نے اسکی تصریح کی ہے۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے لوگوں سے جہاد پر بیعت لی تھی۔ اس بناء پر یہ درخت جبرک سمجھا جانے لگا۔ اور لوگ اس کی زیارت کو آتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دیکھ کر اس کو جڑ سے کٹوا دیا۔ ایک دفعہ سرج سے واپس آرہے تھے راستہ میں ایک مسجد تھی جس میں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔ اس خیال سے لوگ اس طرف دوڑے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اہل کتاب انہی باتوں کی بدولت جہاد ہوئے کہ انہوں نے غیبیوں کی یادگاروں کو عبادت گاہ بنالیا۔ (ازادۃ الحقاہ حصہ دوم صفحہ ۹)

نبی کے اقوال و افعال کہاں تک منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں

نبوت کی حقیقت کی نسبت عموماً لوگ غلطی کرتے آئے ہیں اور اسلام کے زمانے میں ۱۔ ازادۃ الحقاہ حصہ دوم صفحہ ۹۔ علامہ ذوقانی نے شرح مواہب لدینی میں بیعت رضوان کے واقعہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ ابن سعد نے طبقات میں اس واقعہ کو مستند صحیح روایت کیا ہے۔

بھی یہ سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اکثروں کا خیال ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ جنہوں نے زیادہ بہت کی صرف معاشرت کی باتوں کو مستثنیٰ کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے باقی امور وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ تشریحی اور مذہبی نہیں ہوتے اس مسئلے کو جس قدر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صاف اور واضح کر دیا کسی نے نہیں کیا۔ خراج کی تشخیص جزیہ کی تعیین ام لولہ کی خرید و فروخت وغیرہ وغیرہ کے متعلق امام شافعی نے اپنی کتابوں میں نہایت ادعا کے ساتھ احادیث سے استدلال کیا ہے۔ اور ان کے مسائل میں جہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریق عمل مختلف ہے بڑی دلیری سے ان پر قہر کی ہے لیکن امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ نکتہ نظر انداز کیا ہے کہ یہ امور منصب نبوت سے تعلق میں رکھے اسلئے ان مسائل میں خود شارع علیہ السلام کی طرف سے ہر شخص کو اجتہاد کی اجازت ہے۔ چنانچہ اس بحث کی تفصیل آگے آتی ہے۔ شریعت کے احکام کے متعلق بہت بڑا اصول جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قائم کیا، یہ تھا کہ شریعت کے تمام احکام مصالح عقلی پر مبنی ہیں۔

مذہبی احکام کے متعلق شروع سے دو خیال چلے آتے ہیں ایک یہ کہ ان میں عقل کا دخل نہیں، دوسرا یہ کہ اس کے تمام احکام اصول عقلی پر مبنی ہیں۔ یہی دو سرا خیال علم اسرار الدین کی بنیاد ہے، یہ علم اگرچہ اب مستقل فن بن گیا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب کی مشہور کتاب (حجتہ اللہ البالغہ) خاص اسی فن میں ہے تاہم ہر زمانے میں بہت کم لوگ اس اصول کو تسلیم کرتے تھے جس کی وجہ کچھ یہ تھی کہ دقیق فن عام طبائع کی دسترس سے باہر تھا اور کچھ یہ کہ مذہبی محبت اور دلداری کی بظاہر شان ہی یہ ہے کہ ہر بات بغیر چوں وجہ کے مان لی جائے اور رائے عقل کو کچھ دخل نہ دیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی

لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی دوسرے اصول کے قائل تھے اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حجتہ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یاد آنحضرت نے، صحیح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی۔ محمد عبد اللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس مدظلہ العالی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس علم سے بحث کی اور اس کے وجود ظاہر کئے (جنت اللہ الباقی صفحہ ۳۲۹)
شاہ صاحب نے جن لوگوں کا نام لیا ان میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ۳۳ برس کی تھی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کا سن جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دس گیارہ برس سے زیادہ نہ تھا۔
زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت ۱۰ برس
کا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کل
۶۸ برس کی تھیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گویا سب بزرگ اس علم کے ترقی دینے والے
ہوں گے۔ لیکن اولیت کا منصب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو حاصل ہو گا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسائل شریعت کی نسبت ہمیشہ مصلح اور وجود پر غور
کرتے تھے اور اگر ان کے خیال میں کوئی مسئلہ خلاف عقل ہوتا تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے دریافت کرتے تھے سفر میں جو قصر نماز کا حکم دیا گیا تھا وہ اس بناء پر تھا کہ ابتدائے
اسلام میں راستے محفوظ نہ تھے اور کافروں کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سامنا رہتا تھا چنانچہ قرآن
مجید میں خود ارشاد ہے لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم ان یفتکم
الغنیف کھرو! لیکن جب راستے مأمون ہو گئے تب بھی قصر کا حکم باقی رہا۔ حضرت عمر رضی
اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر استعجاب ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اب
سفر میں قصر کیوں کیا جاتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ خدا کا انعام ہے۔
(صحیح مسلم احادیث لازمہ)

حج کے ارکان میں رمل ایک رکن ہے یعنی طواف کرتے وقت تین دوڑوں میں آہستہ
آہستہ دوڑتے چلتے ہیں اس کی ابتداء یوں ہوتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ سے
مکہ تشریف لائے تو کافروں نے مشہور کیا کہ مسلمان ایسے نحیف اور کمزور ہو گئے کہ کعبہ کا
طواف بھی نہیں کر سکتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر رمل کا حکم دیا (صحیح مسلم)
اس کے بعد یہ فعل معمول ہو گیا چنانچہ ائمہ اربعہ اس کو حج کی ایک ضروری سنت
سمجھتے ہیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صاف کہا مالنا وللومل انما کنا واناہ
المشوکین وقد اھلکم اللہ (صحیح بخاری باب الرمل)۔ یعنی اب ہم کو رمل سے کیا غرض!
اس سے مشرکوں کو رعب دلا نا مقصود تھا سو ان کو خدا نے ہلاک کر دیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ
عنہ نے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجتہ اللہ الباقی میں لکھا ہے رمل کے ترک کا ارادہ بھی

کر لیا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار سمجھ کر رہنے دیا۔ عبداللہ بن عباس رضی
اللہ تعالیٰ عنہ جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص تربیت یافتہ تھے ان سے جب کہا گیا
کہ لوگ رمل کو سنت سمجھتے ہیں کہا غلط سمجھتے ہیں۔

(ازانہ الحقاہ صفحہ ۲۵۵ حصہ دوم)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ کے مسائل اس کثرت سے بیان کئے ہیں کہ
ایک مستقل رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔ ان تمام مسائل میں یہ خصوصیت صاف نظر آتی ہے کہ
یہ مصلح عقلی کے موافق ہیں اس سے بڑا ہتھ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
اس علم (اسرار الدین) کے بہت بڑے استاد اور ماہر تھے۔

اخلاق اسلامی کا محفوظ رکھنا اور ترقی دینا

منصب امامت کے لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سب سے بڑا کارنامہ جو
تھا وہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو جس قسم کے برگزیدہ اور پاکیزہ اخلاق کی تعلیم
دی تھی۔ اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اصلی مقصد تھا جیسا کہ خود ارشاد فرمایا
لا تمم مکارم الاخلاق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیض سے قوم میں وہ اخلاق
محفوظ رہے اور نئی قومیں جو اسلام میں داخل ہوتی گئیں اسی اثر سے متاثر ہوتی گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اسلامی اخلاق کی مجسم تصویر تھے ان کا خلوص
انتفاع الی اللہ لہذا لہذا دنیا سے اجتناب حفظ لسان حق پرستی راست گوئی یہ اوصاف خود بخود
لوگوں کے دلوں میں اثر کر جاتے تھے اور ہر شخص جو ان کی صحبت میں رہتا تھا کم و بیش اس
قالب میں داخل جاتا تھا۔ سورین مخرمہ کا بیان ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت عمر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کے ساتھ رہتے تھے کہ پرہیزگاری اور تقویٰ سیکھ جائیں۔ مؤرخ مسعودی نے
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات اس جملے سے شروع کئے ہیں کہ ان میں جو اوصاف
تھے وہ انکے تمام افسروں اور عمدہ دلوں میں پھیل گئے تھے پھر نمونے کے طور پر حضرت
سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سعید بن عامر وغیرہ کے نام اور ان
کے اوصاف لکھے ہیں۔

فخر و غرور کا استیصال

عرب میں جو اخلاق ذمیرہ جاہلیت کی یادگار رہ گئے تھے وہ نسب کا فخر و غرور عام لوگوں

کی تحقیر، جھوٹا گوئی، عشق و ہوا پرستی، باہوشی اور بے پرستی تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام یہ وہ اخلاق کا استیصال کر دیا۔ جو چیزیں فخر و غرور کی علامت تھیں، بالکل مٹا دیں۔ لڑائیوں میں جو قبائل اپنے قبیلوں کی بے پکارتی تھے اس کو حکماً بند کر دیا۔ آقا اور نوکر کی جو تمیز تھی بالکل اٹھا دی، ایک وفد صفوان بن امیہ نے جب بہت سے معزز لوگوں کے ساتھ ان کی دعوت کی اور نوکروں کو کھانے پر نہیں بٹھایا تو نہایت پر فروخت ہو کر کہا کہ ”خدا ان سے کبھے جو نوکروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔“

ایک وفد بہت سے لوگ ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو بڑے بڑے صحابی تھے ملے گئے جب وہ مجلس سے اٹھے تو ابی اور تعظیم کے لئے لوگ ان کے ساتھ ساتھ چلے اتفاقاً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ادھر آئے یہ حالت دیکھ کر ابی کے ایک کوڑا لگایا، ان کو تعجب ہوا اور کہا خیر ہے! یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا اوما تدری لتتذللن للمتبوع مثله للتابع (اسد الغابہ ترجمہ زیر کان) یعنی تم نہیں جانتے یہ امر متبوع کے لئے فخر اور تابع کے لئے ذلت ہے۔

بھوک کی ممانعت

بھوک بد گوئی کا ذریعہ۔ شعر و شاعری تھا۔ شعراء باجبالوگوں کی بھوک لکھتے تھے اور چونکہ عرب میں شعر کو رواج عام حاصل تھا۔ اس لئے یہ بھوک نہایت جلد مشہور ہو جاتی تھیں اور ان سے یتکنوں مفاسد پیدا ہوتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھوک کو ایک جرم قرار دیا۔ اور اس کے لئے سزا مقرر کی۔ چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولیات میں شمار کیا جاتا ہے۔ حلیہ اس زمانے کا مشہور شاعر تھا۔ اور سودا کی طرح فن بھوک میں کمال رکھتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو طلب کر کے ایک ترہ خانے میں قید کیا۔ اور اس شرط پر چھوڑا کہ پھر کبھی اس کی بھوک نہیں لکھے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قریش نے جب مدینہ سے عاجز ہو کر مسلمانوں کی اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بھوکیں کھنی شروع کیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان کو ترکی ہتھی کی جواب دینے کی اجازت دی تھی۔ یہ اشعار قریش کے اسلام لانے کے بعد بھی متداول تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں حکم دیا کہ وہ اب نہ پڑھے جائیں کیونکہ ان سے پرانی رجحانیں تازہ ہوتی ہیں۔ (آغاز تذکرہ حسان بن ثابت ۴)

ہوا پرستی کی روک

عشق و ہوس پرستی کا بھی بڑا ذریعہ یہی شعر و شاعری تھا۔ شعر ازیاہ تر زندانہ اور ادب شانہ اشعار لکھتے تھے اور ان میں اپنے معشوقوں کے نام تصریح کے ساتھ لیتے تھے مذاق عام ہونے کی وجہ سے یہ اشعار بچہ بچہ کی زبان پر چڑھ جاتے تھے اور اس کی وجہ سے ہندی و تور کی ان کے خمیر میں داخل ہو جاتی تھی۔

شاعری کی اصلاح

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قطعی حکم دیا کہ شعراء عورتوں کی نسبت عشقیہ اشعار نہ لکھنے پائیں۔ چنانچہ صاحب اسد الغابہ نے حید بن ثور کے تذکرے میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھا ہے تقدم عمر بن الخطاب الى الشعراء ان لا يتشبه احداهما راۃ الاجلدة۔

شراب خوری

شراب پینے کی جو سزا پہلے سے مقرر تھی اس کو زیادہ سخت کر دیا۔ یعنی پہلے سہم درے مارے جاتے تھے انہوں نے سہم سے ۸۰ درے کر دیئے۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ اس زمانے میں دولت کی کثرت اور فتوحات کی وسعت کی وجہ سے عیش و عشرت کے لئے بے انتہا مسلمان مہیا ہو گئے تھے تاہم لوگ عیش و عشرت جہان نہ ہونے پائے اور جس پاک اور مقدس زندگی کی بنیاد شارع علیہ السلام نے ڈالی تھی وہ اسی استواری کے ساتھ قائم رہی۔

آزادی اور حق گوئی قائم رکھنا

اخلاق کی چٹکی اور استواری کا اصلی سرچشمہ آزادی اور خودداری ہے، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر بہت توجہ کی اور یہ وہ خصوصیت ہے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور خلفاء کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ بنو امیہ تو شروع ہی سے آزادی کے دشمن نکلے یہاں تک کہ عبد الملک نے قطعی حکم دے دیا کہ کوئی شخص اس کے احکام پر زبان نہ کھولے پائے حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اہل آزادی سے تعرض نہیں کیا۔ لیکن اس کے خطرات کی روک تھام نہ کر سکے جس کی بدولت حضرت عثمان

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی نوبت پہنچی اور جناب امیر کو جمل و صفین کے معرکے جھیلے پڑے برخلاف اس کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت اعلیٰ درجہ کی آزادی قائم رکھنے کے ساتھ حکومت کے جہوت میں ذرا کمی نہ آنے دی۔

مختلف موقعوں پر تحریر و تقریر سے جتا دیا کہ ہر شخص ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوا ہے اور اونٹنی سے اونٹنی تو ہی بھی کسی کے آگے ذلیل ہو کر نہیں رہ سکتا۔ عمو بن العاص کے معزز فرزند نے جب ایک قبیلے کو بے وجہ مارا تو خود اسی قبیلے کے ہاتھ سے مجمع عام میں سزا دلوائی اور عمو بن العاص اور ان کے بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر یہ الفاظ کہے۔

مذکم تعبدتم الناس ولقد ولدتمہم امہاتہم احراراً۔

”یعنی تم لوگوں نے تو میں کو غلام کب سے بنالیا۔ ان کی ماؤں نے تو ان کو آزاد جتنا تھا۔“

عرب میں جو لوگ معزز ہوتے تھے وہ اپنے قبیلہ کے سید یعنی آقا کہلاتے تھے اور ان سے کم رتبہ کو لوگ ان الفاظ سے مخاطب کرتے تھے جعلی اللہ فلاء ک ہلی واسی یعنی خدا مجھ کو آپ پر قربان کر دے میرے ماں باپ آپ پر خدا ہوں۔

چونکہ ان الفاظ سے غلامی اور غلامی کی بو آتی تھی۔ مختلف موقعوں پر ان کی نسبت ناراضگی ظاہر کی۔ ایک شخص نے خود ان کی شان میں کہا تھا کہ جعلی اللہ ک تو فرمایا کہ افاہیمک اللہ یعنی اگر خدا ایسا کرے گا تو تجھ کو ذلیل کرے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طریق عمل نے لوگوں کو جس قدر آزادی اور صاف گوئی پر دلیر کر دیا تھا اس کا صحیح اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا۔

ایک وفد انہوں نے منبر پر چڑھ کر کہا۔ صاحبو! اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم لوگ کیا کرو گے ایک شخص وہیں کھڑا ہو گیا اور تمکواریان سے کھینچ کر بولا کہ ”تمہارا سراوا دس گے“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنے کو ڈانٹ کر کہا کہ ”کیا میری شان میں تو یہ الفاظ کہتا ہے؟“ اس نے کہا کہ ہاں ہاں تمہاری شان میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”الحمد للہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں کج ہوں گا تو مجھ کو سیدھا کہو گے۔“

عراق کی فتح کے بعد اکثر بزرگوں نے عیسائی عورتوں سے شادیوں کر لی تھیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حذیفہ بن الیمان کو لکھا کہ میں اس کو ناپسند کرتا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ حکم آپ کی ذاتی رائے ہے یا شرعی حکم ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

لکھا کہ میری ذاتی رائے ہے۔ حذیفہ نے لکھ بھیجا کہ آپ کی ذاتی رائے کی پابندی ہم لوگوں پر ضروری نہیں۔ چنانچہ باوجود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ممانعت کے کثرت سے لوگوں نے شادیوں کیں۔ مؤرخ یحییٰ نے لکھا ہے کہ ایک وفد جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام عاملوں کو بلایا تو اسباب بنیام کر کے آجہاں بیت المال میں داخل کر دیا تو ایک عامل نے جس کا نام ابو بکر تھا صاف کہا کہ اگر یہ مال خدا کا تھا تو کل بیت المال میں داخل کرنا چاہیے تھا۔ اور ہمارا تھا تو اس سے تم کو لینے کا کیا حق تھا؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید اور ان کی تعلیم و تربیت کا یہ اثر ہوا کہ جماعت اسلامی کا ہر ممبر پاکیزہ نفسی، نیک خلقی، علم و تواضع، جرأت مندی و آزادی، حق پرستی و بے نیازی کی تصویر بن گیا۔ تاریخ کے مرقع میں اس وقت کی مجالس اور محافل کا نقشہ دیکھو تو ہر شخص کے طبع میں یہ خط و خال صاف نظر آتے ہیں۔

اجتہاد کی حیثیت محدث و فقیہ ہونا اجتہاد کے منصب حدیث و فقہ

حدیث و فقہ کا فن درحقیقت تمام تر ان کا ساختہ و پرواختہ ہے صحابہؓ میں اور لوگ بھی محدث اور فقیہ تھے چنانچہ ان کی تعداد ۲۰۰ سے تجاوز بیان کی گئی ہے لیکن فن کی ابتداء حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی اور فن کے اصول و قواعد اول انہوں نے قائم کئے۔

احادیث کا تفحص

حدیث کے متعلق پہلا کام جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا کہ روایتوں کی تفحص و تلاش پر توجہ کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں احادیث کے استقواء کا خیال نہیں کیا گیا تھا۔ جس کو کوئی مسئلہ پیش آتا تھا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ کسی ایک صحابی کو فقہ کے تمام ابواب کے متعلق حدیثیں محفوظ نہ تھیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں زیادہ ضرورتیں پیش آئیں اس لئے مختلف صحابہ سے استفادہ کرنے کی ضرورت پیش آئی اور احادیث کے استقواء کا راستہ نکلا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں چونکہ زیادہ کثرت سے واقعات پیش آئے کیونکہ فتوحات کی وسعت اور نو مسلمانوں کی کثرت نے مسائل پیدا کر دیئے تھے اس لحاظ سے انہوں نے احادیث کی زیادہ تفتیش کی تاکہ مسائل آنحضرت کے اقوال کے

موافق ملے گئے جائیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجمع عام میں جس میں اکثر صحابہ موجود ہوتے تھے پکار کر کہتے کہ اس مسئلے کے متعلق کسی کو حدیث معلوم ہے؟ بحکیر جناحہ، خسل جنابت، جزیہ، جوس اور اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جن کی نسبت کتب احادیث میں نہایت تفصیل مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجمع صحابہ سے استفسار کر کے احادیث نبوی کا پتہ لگایا۔

حدیث کی اشاعت

چونکہ حدیث جس قدر زیادہ شائع و مشہور کی جائے اسی قدر اس کو قوت حاصل ہوتی ہے اور پچھلوں کے لئے قابل اعتماد قرار پاتی ہے اس لئے اس کی نشو و اشاعت کی بہت سی تدبیریں اختیار کیں۔

- ① احادیث نبوی کو بالفاظہ نقل کر کے اشعار کے حکام کے پاس بھیجے تھے جس سے ان کی عام اشاعت ہو جاتی تھی۔ یہ حدیثیں اکثر مسائل اور احکام کے متعلق ہوتی تھیں۔
- ② صحابہ میں جو لوگ فن حدیث کے ارکان تھے ان کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لئے بھیجا۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں چنانچہ قاروق اعظم عبداللہ بن مسعود را با جمعہ یوسف فرستاد، معقل بن یسار و عبداللہ بن معقل و عمران بن حصین را ابہ یسار، عبادہ بن صامت و ابودرداء را شام و معاویہ بن ابی سفیان کہ امیر شام بود قد فن بلخ نوشت کہ از حدیث ایشان تجاوز نکند۔ (ازالہ افتاء ص ۶۷۷ حد ۲۸)

ایک دقیق نکتہ

اس موقع پر ایک دقیق نکتہ خیال رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ عام خیال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث کی اشاعت میں بہت کچھ اہتمام کیا لیکن خود بہت کم حدیثیں روایت کیں۔ چنانچہ کل وہ مرفوع احادیث..... جو ان سے بروایت صحیح مروی ہیں ستر سے زیادہ نہیں۔ یہ خیال بظاہر صحیح ہے۔ لیکن واقع میں یہاں ایک غلط فہمی ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ اصول مسلم ہے کہ صحابی جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جس میں رائے اور اجتہاد کو دخل نہیں تو گو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لے لیکن مطلب یہی ہو گا کہ اس نے رسول اللہ سے سنا ہے اور واقع میں یہ اصول بالکل عقل کے مطابق ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مثلاً تمام ممالک میں لکھ بھیجا کہ زکوٰۃ غلاں غلاں چنیزوں پر فرض ہے۔ اور اس حساب سے فرض ہے۔ تو اس احتمال کا محل نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود شارع ہیں اور اپنی طرف سے احکام صادر کرتے ہیں الامحالہ اس کے یہی معنی ہوں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے متعلق احکام صادر فرمائے تھے، زیادہ سے زیادہ اس احتمال کا موقع باقی رہتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث کا مطلب صحیح نہیں سمجھا اور اس لئے ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقدار کی تعداد کو فرض نہ کیا ہو بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اپنی فہم کے مطابق فرض سمجھا۔ لیکن یہ احتمال خود ان احادیث میں بھی قائم رہتا ہے جن میں صحابی نے علانیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا ہو۔

اس اصول کی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبوں میں تحریری ہدایتوں میں فرامین میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے متعلق جو اصولی مسائل بیان کئے وہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام ہیں گو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لیا ہو۔

شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں ہفتم آنکہ مضمون احادیث در غلبہ خود ارشاد فرماید تا اصل احادیث ہاں موقوف خلیفہ قوت یا بدایتکہ بغور سخن تیسر سند در ہند آنکہ در مطلق علیہ از حضرت صدیق صحیح شد مگر شش حدیث و از قاروق اعظم بہ صحت نرسید مگر قریب ہفتاد حدیث اس را نمی فہمد و نمی داند کہ حضرت قاروق تمام علم حدیث را اجمالاً تقویت داوہ اعلان نمود۔

احادیث میں فرق مراتب

حدیث کے تفصیل و جستجو اور اشاعت و ترویج کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ کیا اگرچہ وہ خود مستم بالشان کام تھے لیکن اس باب میں ان کی فعالیت کا اصلی کارنامہ ایک اور چیز ہے جو انہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ احادیث کی طرف اس وقت جو میلان عام تھا وہ خود بخود احادیث کی اشاعت کا بڑا سبب تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں نکتہ سنبھال کیں اور جو فرق مراتب پیدا کیا اس پر کسی کی نگاہ نہیں پڑی تھی۔ سب سے پہلے انہوں نے اس پر لحاظ کیا کہ احادیث میں زیادہ قابل افتاء کس قسم کی حدیثیں ہیں؟

کیونکہ گوڑ رسول اللہ کا ہر قول و فعل عقیدت کیشوں کے لئے مجتہد مراد ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے اس بناء پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے تمام تر توجہ ان احادیث کی روایت اور اشاعت پر مبذول کی جن سے عبارت یا معاملات یا اخلاق کے مسائل مستنبط ہوتے تھے جو حدیثیں ان مضامین سے الگ تھیں ان کی روایت کے ساتھ چنداں اعتناء نہیں کیا۔ اس میں ایک بڑا نکتہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اقوال و افعال جو منصب رسالت سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ جو بشری حیثیت سے ہیں باہم مختلط نہ ہونے پائیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں: "پاستقرام تمام معلوم شد کہ فاوق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نظروقیق و تفریق میان احادیث کہ بہ تبلیغ شرائع و تکمیل افراد بشر تعلق دارا و از غیر آن مصروف می ساخت لہذا احادیث شامل آنحضرت صلعم و احادیث سنن زوائد و ریاس و عادات کمتر روایت می کرد و دو وجہ یکے آنکہ اینہما از علوم تکلیفیہ و تشہعیہ نیست از سنن زوائد بہ سنن بدی مشتبہ گردد" (ازالہ الخفاء ج ۲ ص ۴۶)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان حدیثوں کی روایت کا بھی اہتمام نہیں کیا جس میں الفاظ مخصوصہ کے ساتھ وعائیں مقول تھیں حالانکہ بہت سے بزرگوں کی روایتوں میں بڑا فتر اسی قسم کی حدیثوں کا ہے۔ اس کی وجہ جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بات کو جانتے تھے کہ وعاء کے قبول و عدم قبول کا مدار خلوص و تقصیر پر ہے نہ الفاظ پر۔ (ایضاً)

سب سے بڑا کام جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فن کے متعلق کیا وہ حدیثوں کی تحقیق و تنقید اور فن جرح و تعدیل کا ایجاد کرنا تھا۔

روایت کی چھان بین

آج کل بلکہ مدت مدید سے یہ حالت ہے کہ جو چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دی جاتی ہے کو صحیح نہ ہو اس کو فوراً رواج اور قبول حاصل ہو جاتا ہے اسی بناء پر یہودیوں کی تمام مزخرفات احادیث نبوی کے مجموعہ میں شامل ہو گئیں۔ محدثین نے اتنا کیا کہ جرح و تعدیل کی روک ٹوک سے تقسیم کو روک دیا۔ لیکن جب کسی راوی کی تعدیل ان کے نزدیک ثابت ہو جاتی تھی تو پھر ان کو زیادہ پرس و جو نہیں ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ قیوں اول کی نسبت انہوں نے یہ عام کلیہ قائم کر لیا کہ کسی روایت میں ضعف کا احتمال نہیں ہو

سک۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نکتہ سے واقف تھے کہ جو چیزیں خصائص بشری ہیں ان سے کوئی زمانہ مستثنیٰ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے وہ احادیث کی چھان بین میں تمام وہی احتمالات ملحوظ رکھتے تھے جو محدثین نے زمانہ مابعد میں پیدا کئے۔

ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے ملنے آئے اور تین دفعہ استیذان کے طور پر کہا کہ "السلام علیکم ابو موسیٰ حاضر ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کسی کام میں مصروف تھے اس لئے متوجہ نہ ہو سکے کام سے فارغ ہو چکے تو فرمایا کہ ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہاں ہیں؟ وہ آئے تو کہا کہ تم کیوں واپس گئے۔

انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تین دفعہ اذان مانگو اگر پھر بھی اجازت نہ ملے تو واپس جاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس روایت کا ثبوت دو۔ ورنہ میں تم کو سزا دوں گا۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کے پاس گئے اور حقیقت حال بیان کی۔ چنانچہ ابوسعید نے اگر شہادت دی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے حضرت ابی ابن کعب نے کہا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو عذاب دینا چاہتے ہو؟ فرمایا کہ میں نے ایک روایت سنی اور تصدیق کرنی! چاہی۔ فقہ کا ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ جس عورت کو طلاق بائن دی جائے اس کو عدت کے زمانے تک نان و نفقہ ملنا چاہئے یا نہیں؟

قرآن مجید میں ہے کہ اسکنوہن من حیث مکتئم جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکان ملنا چاہئے اور مکان کے ساتھ نفقہ خود ایک لازمی چیز ہے۔ فاطمہ بنت قیس ایک صحابیہ تھیں ان کو ان کے شوہر نے طلاق بائن دی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں کہ مجھ کو نان نفقہ کا حق ہے یا نہیں؟ ان کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ فاطمہ نے یہ روایت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے بیان کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ لا تترك كتاب الله يقول امرأة لا تدوى لعلها حفظت اونسيت یعنی ہم قرآن کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے معلوم نہیں اس کو حدیث یاد رہی یا نہیں۔

سطح کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ حدود طریق سے صحیح مسلم باب الاستیذان میں مذکور ہے۔

سے مشہور کیا۔ مضمین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے متعلق ایک حدیث روایت کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو اور کوئی گواہ لاؤ۔ چنانچہ جب محمد بن مسلمہ نے تصدیق کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تسلیم کیا۔ اسی طرح حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقدمہ میں جب ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تائیدی شہادت طلب کی اور جب بہت سے لوگوں نے شہادت دی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کہ مجھ کو تمہاری طرف سے بدگمانی نہ تھی۔ لیکن میں نے حدیث کی نسبت اپنا اطمینان کرنا چاہا۔ (یہ دونوں روایتیں تذکرۃ ائمتہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں مذکور ہیں)

کثرت روایت سے روکنا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چوتھے تک اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ روایت میں خواہ تنخواہ کی بیشی ہو جاتی ہے۔ اس لئے روایت کے بارے میں سخت احتیاط شروع کی۔ اس کے متعلق انہوں نے جو بندشیں کیں آج کل لوگوں کو ان پر مشکل سے یقین آسکتا ہے اس لئے میں اس موقع پر خود کچھ نہ لکھوں گا۔ بلکہ بڑے بڑے محدثین نے جو لکھا ہے اس کو نقل کر کے لفظی ترجمہ کروں گا۔ علامہ ذہبی نے جن سے بیہ گران کے بعد کوئی محدث نہیں گزرا اور جو حافظ ابن حجر و سیوطی وغیرہ کے شیخ اشیر ہیں۔ تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں لکھتے ہیں۔

وقد كان عمر من وجلة ان يعطى صاحب على رسول الله ما هم

مرهم ان يلقوا الرواية عن بهم ولتلا يتشاغل بالا حادثة عن

حفظ القرآن عن قرظة بن كعب قال لما سیرنا عمر الى العراق

مشى معنا عمرو قال اتدرون لما شيعتكم قالوا نعم مكرمة

لنا قال ومع ذلك وانكم تاتون اهل قرية لهم دوى بالقرآن

كلوى النحل فلا تصلوهم بالا حادثة فتشغلوهم جردوا

القرآن واقلوا الرواية عن رسول الله وانا شريكمكم فلما قدم

قرظة قالوا حدثنا فقال نهانا عمر عن ابى سلمة عن ابى هريرة

قلت له كنت تحدث فى زمان عمر هكذا فقال لو كنت احدث فى

زمان عمر مثل ما احدثكم لفضلى بمغفلة ان عمر حبس

ثلاثة ابن مسعود وابا لرداء وابا مسعود الانصارى فقال قد

اكثرتم الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس ڈر سے کہ صحابہ آنحضرت

سے روایت کرنے میں غلطی نہ کریں صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ رسول

اللہ سے کم روایت کریں تاکہ لوگ حدیث میں مشغول ہو کر قرآن

کے یاد کرنے سے غافل نہ ہو جائیں قرند بن کعب سے روایت ہے

کہ جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم کو عراق پر روانہ کیا تو خود

مشایعت کو نکلے اور کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ میں کیوں تمہارے ساتھ

ساتھ آتا ہوں؟ لوگوں نے کہا ہماری عزت بڑھانے کو فرمایا کہ ہاں

لیکن اس کے ساتھ یہ غرض بھی ہے کہ تم لوگ ایسے مقام میں جاتے

ہو جہاں کے لوگوں کی آواز شہد کی ٹھیکوں کی طرح قرآن پڑھنے میں

گو نجی رہتی ہے تو ان کو حدیثوں میں نہ پھنسا لینا قرآن میں آمیزش

نہ کرو اور رسول اللہ سے کم روایت کرو اور میں تمہارا شریک ہوں

پس جب قرند وہاں پہنچے تو لوگوں نے کہا کہ حدیث بیان کیجئے انہوں

نے کہا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم کو منع کیا ہے ابو سلمہ کہتے

ہیں کہ ہم نے ابو ہریرہ سے پوچھا کہ آپ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

نہانے میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کرتے تھے انہوں نے کہا کہ

اگر میں ایسا کرتا تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ کو درے سے مارتے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ

عنہ ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

محبوس کیا اور کہا کہ تم نے آنحضرت سے بہت حدیثیں روایت کرنی

شروع کیں۔

مسند واری میں قرند بن کعب کی روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مطلب تھا کہ غزوات کے متعلق کم روایت کی جائے اس سے فرائض اور

سنن مقصود نہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب واری کے قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں میرے نزدیک آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے شائل اور عادات کی حدیثیں مراد ہیں۔ کیونکہ ان سے کوئی غرض شرعی متعلق نہیں۔ یا وہ حدیثیں مقصود ہیں جن کے حفظ اور ضبط میں کافی اہتمام نہیں کیا گیا۔ (ازالہ الغبار صفحہ ۳۳۱ نمبر دوم)

ہمارے نزدیک ان تاویلات کی ضرورت نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد خود انہی کی تصریح سے معلوم ہو سکتا ہے۔ مؤرخ بلاذری نے جو محدث بھی ہیں انساب الاشراف میں روایت کی ہے کہ لوگوں نے ان سے کوئی مسئلہ پوچھا تو فرمایا۔

لولا انی اکرم ان ازید فی الحديث وانقص لحدیثکم۔

”یعنی اگر مجھے ڈرنے ہو تا کہ حدیث کی روایت کرنے میں مجھ سے کچھ کی بیشی ہو جائے گی تو میں حدیث بیان کرتا۔“

مؤرخ مذکور نے اس روایت کو سند متصل روایت کیا ہے۔ اور روایت یہ ہیں۔ محمد بن سعد، عبد الحمید بن عبد الرحمن، الحمافی، نعمان بن ثابت (ابو حنیفہ) موسیٰ بن طلحہ، ابو الکونین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی نسبت جو ذکر تھا وہی اوروں کی نسبت بھی ہونا چاہیے تھا۔ اس خیال کی تصدیق اس سے اور زیادہ ہوتی ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مقامات علمی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تربیت یافتہ خاص تھے ان کی نسبت محدثین نے لکھا ہے کہ۔

یشد علی الروایۃ ویزجر تلامذتہ عن التهاون فی ضبط الالفاظ۔

(تذکرۃ الحفاظ تذکرۃ عبد اللہ بن مسعود)

”یعنی وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو ڈانٹتے رہتے تھے کہ الفاظ حدیث کے محفوظ رکھنے میں بے پروائی نہ کریں۔“

محدثین نے بھی لکھا ہے کہ وہ کم حدیثیں روایت کرتے تھے یہاں تک کہ سال سال بحر قال رسول اللہ نہیں کہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روایت کے بارے میں جو احتیاط تھی اگرچہ ان سے پہلے بھی اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تھی۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے احادیث کے باب میں احتیاط کی وہ ابو بکر تھے۔ علامہ موصوف نے حاکم سے یہ بھی روایت کی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مہجر حدیثیں قلمبند کی تھیں۔ لیکن پھر ان کو آگ میں جلا دیا اور کہا کہ ممکن ہے کہ میں نے ایک شخص کو لٹہ سجھ کر اس کے ذریعہ سے روایت

کی ہو اور وہ درحقیقت ثقہ نہ ہو۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احتیاط اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احتیاط میں فرق تھا۔ اور صحابہ صرف راوی کے ثقہ اور عدم ثقہ ہونے کا لحاظ رکھتے تھے کہ راوی نے واقعہ کی پوری حقیقت سمجھی یا نہیں۔ حضرت عائشہ نے اسی بناء پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اکثر مواخذات کئے ورنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ثقہ ہونے میں ان کو بھی کلام نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روک ٹوک اور ضبط و احتیاط سے اگرچہ یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ حدیثیں کم روایت کی گئیں۔ لیکن وہ ہر قسم کے احتمالات سے بے داغ تھیں۔ ان کے بعد اگرچہ احادیث کو بہت وسعت ہو گئی لیکن وہ اعتماد اور قوت کا وہ پایہ نہ رہا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت سچ لکھا ہے کہ ”ہر چند جمع صحابہ عدول اندو روایت ہمہ مقبول، عمل بموجب روایت صدوق ازایشان ثابت شود، لازم آتا در میان آنچہ از حدیث و ثقہ در زمان فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بود، آنچہ بعد وے حدیث شدہ فرق بائین السموت والارض است۔“ (ازالہ الغبار صفحہ ۳۴۱)

صحابہ میں جو لوگ کم روایت کرتے تھے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احادیث کے متعلق احتیاط و تشدد کا جو خیال پیدا کیا وہ اگرچہ رواج عام نہ پاسکا۔ لیکن متحققین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں یہ خیال بے اثر نہ رہا۔ عبد اللہ بن مسعود کی نسبت عام شہرت ہے اور مسند واری وغیرہ میں جا بجا تصریح ہے کہ احادیث کی روایت کے وقت ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ بیان کرتے تھے تو کہتے جاتے تھے کہ آنحضرت نے یہ لفظ فرمایا یا شاید اس کے مشابہ یا اس کے قریب یا اس کی مثل، ابو ہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بہت بڑے صحابی تھے ان کا بھی یہی حال تھا۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سال بھر رہا۔ اس مدت میں ان سے صرف ایک حدیث سنی۔ ثابت بن قلب الانصاری کی روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بحر میں دو تین حدیث روایت کرتے تھے۔ سائب بن یزید کا قول ہے کہ میں سعد و قاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ سے مدینہ تک گیا اور آیا، لیکن انہوں نے اس مدت میں ایک حدیث بھی روایت نہیں کی۔ چنانچہ یہ تمام واقعات اور روایتیں صحیح داری میں سند متصل منقول ہیں۔ (استاداری مطبوعہ مطبع النکاحی لاہور صفحہ ۳۸۵ تا ۳۸۶)

سند اور روایت کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مقدم اصول قائم کئے ان کو اجمالاً بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) روایت کا باللفظ ہونا ضروری ہے۔
(۲) خبر واحد میں تائیدی شہادت کی حاجت ہے جس کو محدثین کی اصطلاح میں تابع اور شاہد کہتے ہیں۔

(۳) محض راوی کا فقہ ہونا روایت کے لئے کافی نہیں۔

(۴) خبر واحد ہمیشہ قابل حجت نہیں ہوتی۔

(۵) روایت کے اعتبار میں موقع اور محل کی خصوصیت کا لحاظ شرط ہے۔

علم فقہ

فقہ کا فن تمام تر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساختہ و پرداخت ہے، اس فن کے متعلق ان کی قابلیت اور افضلیت کا تمام صحابہ کو اعتراف تھا۔ مسند واری میں ہے کہ حذیفہ بن الیمان نے کہا کہ فتویٰ دینا اس شخص کا کام ہے جو امام ہو یا قرآن کے تابع و منسوخ جانتا ہو۔ لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کون شخص ہے حذیفہ نے کہا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علم دوسرے پلہ میں تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پلہ ہماری رے لے گا۔ علامہ ابو الخلیف شیرازی نے جو مدرس نظامیہ کے مدرس اعظم تھے فقہاء کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تذکرے میں صحابہ و تابعین کے اس قسم کے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں اور آخر میں لکھا ہے۔

ولولا خوف الاطالۃ لذكرت من فقہہ ما یحصر فی کل فاضل۔

”یعنی اگر تطویل کا خوف نہ ہوتا تو میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتوے اور ان میں جو فقہ کے اصول پائے جاتے ہیں اس قدر لکھتا ہے کہ فضلاء حیران رہ جاتے۔“

فقہ کے تمام سلسلوں کے مرجع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں

علامہ موصوف نے جس چیز کو قلم انداز کیا ہے ہم اس کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ

استیعاب قاضی بن عبد البر زائد الخ، صفحہ ۱۸۵، ج ۱

آگے چل کر لکھیں گے لیکن یہ بتانا ہے کہ فقہ کے جس قدر سلسلے آج اسلام میں قائم ہیں سب کا مرجع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات باہر نکلتا ہے۔ بلاد اسلام میں جو مقامات فقہ کے مرکز مانے جاتے ہیں۔ وہ یہ ہیں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بصرہ، کوفہ، شام، اس اعتبار کی وجہ یہ ہے کہ فقہ کے بڑے بڑے شیوخ اور بانی فن انہی مقامات کے رہنے والے تھے مثلاً مکہ معظمہ کے شیخ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ مدینہ منورہ کے زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کوفہ کے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، و ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، شام کے ابو یوسف و معاذ بن جبل، ان میں (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا) اکثر بزرگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی صحبت سے مستفید ہوئے تھے، اور خاص کر عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک ساعت کا بیٹھنا میں سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہوں۔

(استیعاب قاضی بن عبد البر زائد الخ، صفحہ ۳۸، ج ۱)

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گویا اپنے دامن تربیت میں پالا تھا۔ یہاں تک کہ لوگوں کو اس پر رشک ہوتا تھا۔ صحیح بخاری میں خود حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ کو شیخ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے اس پر بعض بزرگوں نے کہا کہ آپ اس نو عمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں۔ اور ہمارے لڑکوں کو جو ان کے ہمسر ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے۔“

محمد بن ابی عبد البر نے استیعاب میں لکھا ہے کان عمر یحب ابن عباس و یقرہ یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن عباس کو محبوب رکھتے تھے اور ان کو تقرب دیتے تھے، اکثر ایسا ہوتا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا۔ عبد اللہ بن عباس اس کا جواب دینا چاہتے لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجھکتے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے علم سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں، کوئی شخص اگر عبد اللہ بن عباس کے مجتہدات کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسائل سے ملائے تو صاف نظر آئے گا کہ دونوں میں استاد اور شاگرد کا تناسب ہے۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ہی تھے۔

زید بن ثابتؓ برسوں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت میں تحریر کا کام کرتے رہے تھے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبد اللہ بن مسعود اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کے مسائل باہم ملتے جلتے ہیں۔ (فتح المغیث صفحہ ۳۸۷)

صحابہ میں چھ شخص فقہ کے امام تھے

محدثین کا عام بیان ہے کہ رسول اللہ کے اصحاب میں چھ شخص تھے جن پر علم فقہ کا مدار تھا۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار میں روایت کی ہے۔ ستۃ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یفتا کرون الفقہ ینہم علی ابن ابی طالب و ابی و ابو موسیٰ علیہ السلام و عمر و زید و ابن مسعود علیہ السلام یعنی اصحاب رسول اللہ میں چھ شخص تھے جو باہم مسائل فقیہ میں بحث و مذاکرہ کرتے تھے۔ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابی اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک ساتھ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ساتھ مصنفان ابن سلیم کا قول ہے۔ لم یکن یفتی فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر عمر و علی و معاذ ابی موسیٰ (تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی و زکریا ابی موسیٰ اشعری)۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صرف چار شخص فتویٰ دیتے تھے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، معاذ ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم امام شعبی کا مقولہ ہے۔ کان العلم یؤخذ عن ستۃ من الصحابة (فتح المغیث صفحہ ۳۸۷) یعنی علم چھ صحابہ سے سیکھا جاتا تھا۔

اگرچہ یہ تحدید بظاہر مستبعد معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہزاروں صحابہ میں صرف ۶ یا ۷ مفتیوں کی تعداد خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں حدیث صحیح، صاف اور مصرح موجود ہے اور کوئی حدیث اس کے معارض بھی نہیں، ان مسائل کے لئے فقہاء احادیث کا جاننا کافی ہے۔ اس کے برخلاف بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کی نسبت حدیث میں کوئی حکم، تصریح موجود نہیں بلکہ قواعد استنباط کے ذریعے سے حکم مستخرج ہوتا ہے یا حکم کی تصریح ہے۔ لیکن اور حدیثیں اس کی معارض ہیں۔

ایسی صورتوں میں اجتہاد اور استنباط کی ضرورت پڑتی ہے اور فقہ و راصل اسی کا نام ہے۔ صحابہ میں ایسے بہت سے بزرگ تھے جو پہلی قسم کے مسائل کے متعلق فتویٰ دیتے اور مفتی کہلاتے تھے چنانچہ ان کی تعداد ۲۰ تک پہنچتی ہے۔ لیکن دوسری قسم کے مسائل کا فیصلہ کرنا انہی لوگوں کا کام تھا جو فن کے بانی اور امام تھے اور اس درجہ کے لوگ وہی چھ بزرگ تھے جن کا ذکر گذرا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب چار صاحبوں یعنی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عباس کا نام لکھ کر لکھتے ہیں۔

واما غیر هؤلاء الاربعۃ فکانو یرون دلالة ولكن ما کان یميزون الرکن والشرط من الادب والسنن ولم یکن لہم قول عند تعارض الاخبار وتقابل الدلائل الا قليلاً کابن عمر و عائشة وزید بن ثابت۔ (چند اللہ الہام صفحہ ۷)

یعنی ان چاروں کے سوا باقی جو لوگ تھے وہ مطالب سمجھتے تھے۔ لیکن آداب و سنن اور ارکان و شرائط میں امتیاز و تفریق نہیں کر سکتے تھے۔ اور جہاں حدیثیں متعارض ہو تیں تھیں اور دلائل میں تقابل ہوتا تھا وہاں وہ بجز بعض موقعوں کے دخل نہیں دیتے تھے مثلاً ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید بن ثابت۔

بہر حال مجتہدین صحابہ ۶ سے زیادہ نہ تھے۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم صحبت اکثر وہ لوگ تھے جو فن حدیث و روایت میں بلند پایہ نہ تھے۔ صحیح مسلم کے مقدمہ میں ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں کے سوا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جن لوگوں نے روایتیں کیں، ان پر اعتبار نہیں کیا جاتا تھا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعلیم روایت کے لئے شام بھیجا تھا۔ لیکن ان کا سن ۸۸ ہجری میں انتقال ہو گیا۔ اس لئے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، حدیث اوچند اہل باقی فائدہ۔ (ازالۃ افتاء صفحہ ۷۷ حصہ دوم)

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص شاگردوں میں تھے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر تحریر کے ذریعے سے حدیث و فقہ کے مسائل تعلیم کرتے رہتے تھے۔ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی دراصل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

مقلد تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں، 'وزید بن ثابت نیز در اکثر جمع اوست۔ ان واقعات سے معلوم ہو گا کہ صحابہ میں جن جن لوگوں کی فقہ کا رواج ہوا وہ سب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تربیت یافتہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان مسائل فقہیہ میں جس قدر فکر اور غور کیا تھا۔ صحابہ میں سے کسی نے نہیں کیا تھا۔ انہوں نے اتنا ز اسلام ہی سے فقہ کو مطلع نظر نہ پایا تھا۔ قرآن مجید میں جو مسائل فقہ مذکور ہیں ان میں جب ابہام ہوتا تھا وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے تھے اور جب پوری تسلی نہیں ہوتی تھی بس نہیں کرتے تھے۔ یہ بات اور اصحاب کو حاصل نہ تھی۔ کیونکہ ان کے برابر کوئی شخص رسول اللہ کی خدمت میں کہنے سننے کی جرأت نہیں رکھتا تھا۔ کمالہ کے مسئلہ کو جو ایک دقیق اور نہایت مختلف فیہ مسئلہ ہے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر بار بار دریافت کیا کہ آپ وحی آگئے اور فرمایا کہ سورہ نساء کی آخر آیت تیرے لئے کافی ہو سکتی ہے۔ (مسند امام احمد بن حنبل)

مشکل مسائل قلمبند کرنا

جو مسائل زیادہ مشکل ہوتے ان کو یادداشت کے طور پر لکھ لیتے اور ہمیشہ ان پر غور کیا کرتے۔ وقتاً فوقتاً ان کے متعلق جو رائے قائم ہوتی اس کو قلمبند اور زیادہ غور و فکر سے اس میں محو و اثبات کیا کرتے پھر بھی کی میراث کی نسبت جو یادداشت لکھی تھی اور آخر اس کو محو کر دیا اس کا حال امام محمد نے مؤطا میں لکھا ہے (مؤطا امام محمد صفحہ ۳۲۲)۔ تھعلانی نے شرح بخاری میں معتمد حوالہ سے نقل کیا ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سو مختلف رائے قائم کیں۔

دقیق مسائل میں وقتاً فوقتاً غور کرتے رہنا

بعض مسائل کے متعلق ان کو مرتے دم تک کلاوش رہی۔ اور کوئی قطعی رائے نہ قائم کر سکے۔ مسند داری میں ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق انہوں نے ایک تحریر لکھی تھی۔ لیکن مرنے کے قریب اس کو منگو کر مٹا دیا۔ اور کہا کہ آپ لوگ خود اس کا فیصلہ کیجئے گا۔ اسی کتاب میں یہ روایت بھی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زخمی ہوئے تو صحابہ کو بلا کر کہا کہ میں نے دادا کی میراث کے متعلق رائے قائم کی تھی۔ اگر آپ لوگ چاہیں تو اس کو

قبول کریں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آپ کی رائے ہم قبول کر لیں تب بھی بہتر ہے۔ لیکن ابو بکر کی رائے مانیں تو وہ بڑے صاحب الرائے تھے اکثر کہا کرتے تھے کہ کاش رسول اللہ تین مسکوں کے متعلق کوئی تحریر قلمبند فرما جاتے۔ کمالہ، دادا کی میراث، دہلی بعض اقسام مسائل فقہیہ کے متعلق ان کو جو کدو کلاوش رہتی تھی اس کا اندازہ کرنے کے لئے ذیل کی مثال کافی ہوگی۔

ورثہ کے بیان میں خدا نے ایک قسم کے وارث کو کمالہ سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن چونکہ قرآن مجید میں اس کی تعریف مفصل مذکور نہیں اس لئے صحابہ میں اختلاف تھا۔ کہ کمالہ میں کون کون ورثہ میں داخل ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند بار دریافت کیا اس پر تسلی نہیں ہوئی تو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک یادداشت لکھ کر دی رسول اللہ سے دریافت کرنا پھر اپنی خلافت کے زمانے میں تمام صحابہ کو جمع کر کے اس مسئلہ کو پیش کیا۔ لیکن ان تمام باتوں پر ان کو کافی تسلی نہیں ہوئی۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر تین چیزوں کی حقیقت بتا جاتے تو مجھ کو دنیا اور مایہا سے زیادہ عزیز ہوتی۔ خلافت کمالہ، چنانچہ ان تمام واقعات کو محدث عماد الدین ابن کثیر نے صحیح حدیثوں کے حوالے سے اپنی تفسیر قرآن میں نقل کیا ہے۔

فتوحات کی وسعت کی وجہ سے نئے نئے مسائل کا پیدا ہونا

چونکہ ان کے زمانے میں فتوحات نہایت تیزی سے بڑھتی جاتی تھیں اور تمدن روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا۔ اس لئے نہایت کثرت سے معاملات کی نئی نئی شکلیں پیش آتی جاتی تھیں۔ اگرچہ ہر جگہ قاضی اور مفتی مقرر تھے اور یہ لوگ اکثر اکابر صحابہ میں سے تھے تاہم بہت سے مسائل میں وہ لوگ عاجز آتے اور بار بار غور و خلافت کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ اس بناء پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت سے پیچیدہ اور غیر منصوص مسائل پر غور و فکر کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ ان کے فتوے جو نہایت کثرت سے تمام کتابوں میں منقول ہیں زیادہ تر انہی مسائل کے متعلق ہیں جو ممالک مختلفہ سے ان کے پاس جواب کے لئے آئے۔ چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں فتوؤں کے ساتھ فتویٰ پوچھنے والوں کے نام بھی موجود ہیں۔

لوگوں کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے استفسار کرنا

مثلاً عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو موسیٰ

صحابہ پر ہو کر مختلف الرائے ہیں تو آگے چل کر کیا حال ہو گا؟ غرض ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فیصلے پر معاملہ اٹھا رکھا گیا اور انہوں نے جو فیصلہ کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کو نافذ جاری کر دیا۔ اسی طرح جنازے کی تکبیر کی نسبت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بہت اختلاف تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس منعقد کی جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر معمول کا پیہ لگایا جائے چنانچہ دریافت سے ثابت ہوا کہ جنازہ کی اخیر نماز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی اس میں چار تکبیر تھیں اسی طرح بہت سے مسائل ہیں لیکن یہ تفصیل کا محل نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسائل قضیہ کی تعداد

فقہ کے جس قدر مسائل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہدایت صحیحہ منقول ہیں ان کی تعداد کئی ہزار تک پہنچتی ہے ان میں سے تقریباً ہزار مسئلے ایسے ہیں جو فقہ کے مقدم اور اہم مسائل ہیں اور ان تمام مسائل میں ائمہ اربعہ نے ان کی تقلید کی ہے شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں ”وہم نہیں مجتہدین در روس مسائل فقہ تابع مذہب فاروق اعظم اندوایں قریب ہزار مسوئہ شد تہیتاً“ (ازالہ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۸۳)۔ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں منقول ہیں۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انکی مدد سے فقہ فاروقی پر مشتمل رسالہ لکھ کر ازالہ الخفاء میں شامل کر دیا ہے۔

اصول فقہ

یہ تمام بحث تدوین مسائل کی حیثیت سے تھی لیکن فن فقہ کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اصلی کارنامہ اور چیز ہے۔ انہوں نے صرف یہ نہیں کیا کہ جو روایات کی تدوین کی بلکہ مسائل کی تفریع و استنباط کے اصول اور ضوابط قرار دیئے جس کو آج کل اصول فقہ کے نام سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو اقوال و افعال منقول ہیں وہ کلیتہً مسائل کا ماخذ ہو سکتے ہیں۔ یا ان میں کوئی تفریق ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس بحث پر حجتہ اللہ البالغہ میں ایک نہایت مفید مضمون لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو افعال و اقوال مروی ہیں ان کی دو

اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن جراح۔ مغبہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ وغیرہ۔

صحابہ کے مشورہ سے مسائل طے کرنا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ خود بہت بڑے فقیہ تھے ان کی رائے بھی فتوے کے لئے کافی ہو سکتی تھی۔ تاہم احتیاط کے لئے وہ اکثر مسائل کو عموماً صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں پیش کرتے تھے اور ان پر نہایت آزادی اور نکتہ سنجی کے ساتھ بحثیں ہوتی تھیں علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی ایسے مسئلہ کو جو ان سے پہلے طے نہیں ہوا تھا بغیر صحابہ کے مشورہ کے فیصلہ نہیں کیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب حجتہ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔

كان من سيرة عمره كان يشاور الصحابة وينظرهم حتى
تنكشف الغمة ويأتيه الثلج لفسار غالب قضائهم وفتاواهم متبعة
في مشارق الارض ومغاربها۔

”حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورہ اور مناظرہ کرتے تھے یہاں تک کہ پر وہ اٹھ جاتا تھا اور یقین آجاتا تھا اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتوے کی تمام مشرق و مغرب میں پیروی کی گئی۔“

مسائل اجماعیہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن مسائل کو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مجمع میں پیش کر کے طے کیا ان کی تعداد کچھ کم نہیں اور کتب احادیث و آثار میں ان کی پوری تفصیل ملتی ہے مثلاً بیہقی نے روایت کی ہے کہ فصل جنابت کی ایک صورت خاص میں (بیہقی نے اس کی تصریح کی ہے) صحابہ میں اختلاف تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار جمع کئے جائیں۔ چنانچہ مختلف مجلس میں وہ مسئلہ پیش ہوا۔ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک رائے پر اتفاق کیا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مخالف رہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ جب آپ لوگ

نہیں ہیں۔ ایک وہ جو منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں، ان کی نسبت خدا کا شکر ہے کہ
 مَا اتَّكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ یعنی پیغمبر تم کو جو دے وہ لو۔ اور
 جس چیز سے روکے اس سے باز رہو، دوسری وہ جن کو منصب رسالت سے تعلق نہیں۔ چنانچہ
 ان کے متعلق خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنْعَانَا بَشَرًا اِذَا امْرُؤُكُمْ بَشِي مِنْ دِينِكُمْ فَخُذُوهُ وَاِذَا امْرُؤُكُمْ
 بَشِي مِنْ دَانِي فَلَا نَعَا اِنْبَشِر۔

یعنی میں آدمی ہوں اس لئے جب میں دین کی بابت کچھ حکم کروں تو
 اس کو لو۔ اور جب اپنی رائے سے کچھ کموں تو میں ایک آدمی ہوں۔

اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طب
 کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا یا جو افعال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عادتاً صادر ہوئے نہ
 عبادتاً یا اتفاقاً واقع ہوئے نہ قصداً یا جو باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مروجات عرب
 کے موافق اختیار کیں مثلاً ام زرع کی حدیث اور خرافہ کی حدیث یا جو باتیں کسی جزئی
 مصلحت کی موافق اختیار کیں۔ مثلاً لشکر کشی اور اس قسم کے بہت سے احکام یہ سب دوسری
 قسم میں داخل ہیں۔ (رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۳۳)

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کے مراتب میں جو فرق بتایا اور جس
 سے کوئی صاحب نظر انکار نہیں کر سکتا اس تفریق مراتب کے موجد و راصل حضرت عمر رضی
 اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کتب سیرت اور احادیث میں تم نے پڑھا ہو گا کہ بہت سے ایسے موقع پیش
 آئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو
 حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی۔ مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ
 جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ بن ابی کے جنازے پر نماز پڑھنی چاہی تو حضرت
 عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں۔

قیدیان بدر کے معاملے میں ان کی رائے بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز
 سے الگ تھی۔ صلح حدیبیہ میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض
 کیا کہ اس طرح دپ کر کیوں صلح کی جائے، ان تمام مثالوں سے تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ
 حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تمام باتوں کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے ورنہ اگر باوجود
 اس امر کے کہ وہ باتیں منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھیں ان میں دخل دیتے تو بزرگ

ماننا ہوگا کہ ہم ان کو اسلام کے دائرے سے بھی باہر سمجھتے۔ اسی فرق مراتب کے اصول پر بہت سی
 باتوں میں جو مذہب سے تعلق نہیں رکھتیں اپنی رایوں پر عمل کیا۔ مثلاً حضرت ابو بکر رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ کے زمانے تک امامت اولاد یعنی وہ لوگوں یا جن سے اولاد پیدا ہو جائے برابر خریدی
 اور بیچی جاتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بالکل روک دیا۔ آنحضرت صلی
 اللہ علیہ وسلم نے جنگ تبوک میں جزیرہ کی تعداد فی کس ایک دنار مقرر کی تھی۔ حضرت
 عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف شرحیں مقرر کیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں
 شراب کی کوئی خاص حد مقرر نہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کوڑے مقرر
 کئے۔ یہ ظاہر ہے کہ ان معاملات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اگر
 تشریعی حیثیت سے ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیا مجال تھی کہ ان میں کمی بیشی
 کر سکتے اور خدا نخواستہ وہ کرنا چاہتے تو صحابہ کا گروہ ایک لحظہ کے لئے بھی مستعد خلافت پر
 بیٹھنا ان کا کب گوارا کر سکتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امتیاز مراتب کی جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد احکام میں جب انہوں نے دخل دیا تو آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم نے اس پر ناپسندیدگی نہیں ظاہر کی۔ بلکہ متعدد معاملات میں حضرت عمر رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ کی رائے کو اختیار فرمایا اور بعض موقعوں پر خود وحی الہی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ
 عنہ کی رائے کی تائید کی۔ قیدیان بدر، حجاب انداز مطہرات، نماز جہانہ منافق، ان تمام
 معاملات میں وحی جو آئی اس تفریق اور امتیاز کی وجہ سے فقہ کے مسائل پر بہت اثر پڑا۔ کیونکہ
 جن چیزوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات منصب رسالت کی حیثیت سے نہ
 تھے ان میں اس بات کا موقع باقی رہا۔ کہ زمانے اور حالات موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین
 وضع کئے جائیں۔ چنانچہ ان معاملات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمانے اور حالات
 کی ضرورتوں سے بہت سے نئے نئے قاعدے وضع کئے جو آج حنفی فقہ میں بکثرت
 موجود ہیں، برخلاف اسکے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یہاں تک کہ ہے کہ ترتیب فوج تعین
 شعار تفتیش محاصل وغیرہ کے متعلق بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو تشریعی
 قرار دیتے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے افعال کی نسبت لکھتے ہیں کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی کے قول و فعل کی کچھ اصل نہیں۔

خبر آحاد کے قابل احتجاج ہونے کی بحث

اس بحث کے بعد دوسرا مرحلہ خبر آحاد (یعنی وہ حدیث جس کا راوی ایک سے زیادہ نہ ہو) کی حیثیت احتجاج کا تھا۔ بہت سے اکار اس قسم کی حدیثوں کو یہ درجہ دیتے ہیں کہ ان سے قرآن مجید کی منصوصات پر اثر پڑ سکتا ہے یعنی قرآن مجید کا کوئی حکم عام ہو تو خبر آحاد سے اس کی تخصیص ہو سکتی ہے بلکہ اس کے ذریعے سے قرآن مجید کا حکم بھی منسوخ ہو سکتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک خبر آحاد سے ہر موقع پر احتجاج نہیں ہو سکتا۔ اسی بناء پر اذن ملاقات اسقاط جنین، خریداری عباس بن عبدالمطلب، تیمم جنابت کے مسائل میں انہوں نے عمار بن یاسر، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مغیرہ بن شعبہ، ابی بن کعب کی روایتوں کو اس وقت تک قابل حجت نہیں قرار دیا جب تک اور تائیدی شہادتیں نہیں گزریں، چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں ان واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ اسی بناء پر خبر آحاد سے قرآن مجید کی تفسیر یا تخصیص کو جائز نہیں قرار دیتے تھے۔ فاطمہ بنت قیس نے جب زن مطلقہ کی سکونت اور نفقہ کے متعلق اپنی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی تو چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک وہ حکم، قرآن مجید کی نص کی مخالف تھا۔ فرمایا کہ ایک عورت کی روایت سے قرآن مجید کا حکم نہیں بدل سکتا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم خیالوں کا یہ استدلال ہے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سے واقعات میں اخبار آحاد کو قبول کیا لیکن امام صاحب نے یہ خیال کیا کہ اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصول میں فرق نہیں آتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مذہب ہے کہ ہر خبر آحاد قابل احتجاج نہیں، نہ یہ کہ کوئی خبر آحاد قابل احتجاج نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں تمنا ایک شخص کی شہادت کافی ہوتی ہے۔ چنانچہ روز مو کے کاموں میں ہر شخص اسی پر عمل کرتا ہے۔ لیکن بعض اوقات ایسے اہم اور نازک ہوتے ہیں کہ جن کی نسبت ایک دو اشخاص کی شہادت کافی نہیں ہو سکتی، بلکہ یہ احتمال رہتا ہے کہ انہوں نے الفاظ روایت یا واقعہ کی کیفیت سمجھنے میں غلطی کی ہو۔ غرض ہر واقعہ اور ہر راوی کی حالت اور حیثیت مختلف ہوتی ہے اور اس وجہ سے کوئی عام قاعدہ قرار نہیں پاسکتا۔

۱۔ اصول حدیث کی رو سے جس حدیث کے راوی ایک سے زیادہ ہوں لیکن شہرت یا قوت کی حد سے کم ہوں وہ بھی خبر آحاد میں داخل ہے۔ لیکن یہ بعد کی اصطلاح ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے تک ایک کا ہونا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بے شبہ بہت سے موقعوں پر اخبار آحاد سے استدلال کیا۔ لیکن متعدد موقعوں پر اس کے خلاف بھی کیا۔ اس طریق عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اخبار آحاد میں خصوصیت حالات کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اخبار آحاد کے متعلق فقہاء و محدثین میں سخت اختلاف آراء ہے۔ اور بڑی بڑی طویل بحثیں پیدا ہو گئیں ہیں۔ لیکن جہاں تک ہم نے ان تمام بحثوں کو دیکھا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں جو نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی پائی جاتی ہے اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ لیکن اس موقع پر یہ تنبیہ کر دینی ضروری ہے کہ اخبار آحاد کے قبول کرنے یا نہ کرنے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو اصول تھا اس کی بناء صرف تحقیق حق تھی اس زمانے کے آزاد خیال کی طرح نفس کی پیروی مقصود نہ تھی کہ جس حدیث کو چاہا صحیح مان لیا۔ اور جس کو چاہا غلط کہ دیا۔

کا پاکاں راقیاس از خود گیر گرچہ مانند درویشین شیر و شیر

قیاس

نقد کی توسیع اور تمام ضروریات کے لئے اس کا کافی ہونا قیاس پر موقوف ہے یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام چیزیں مذکور نہیں ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ان جزئیات کے فیصلہ کرنے کے لئے قیاس شرعی سے کام لیا جائے۔ اسی ضرورت سے ائمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سب قیاس کے قائل ہوئے ہیں۔ اور ان کے سائل کا ایک بڑا ماخذ قیاس ہے۔ لیکن قیاس کی بنیاد جس نے ڈالی وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

عام لوگوں کا خیال ہے کہ قیاس کے موجد معاذ بن جبل ہیں، ان لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو یمن بھیجا تو ان سے استفسار فرمایا کہ کوئی مسئلہ پیش آئے گا تو کیا کرو گے، انہوں نے کہا کہ قرآن مجید سے جواب دوں گا۔ اور اگر قرآن و حدیث میں وہ صورت مذکور نہ ہوئی تو اجتہاد کروں گا۔

(یہ حدیث سند دار علیٰ مطبوعہ نظامی صفحہ ۳۳ میں مذکور ہے)

لیکن اس سے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ ان کی مراد قیاس سے تھی۔ اجتہاد قیاس پر منحصر نہیں۔ ابن خرم، داؤد ظاہری وغیرہ سرے سے قیاس کے قائل نہ تھے۔ حالانکہ اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے اور مسائل شرعیہ میں اجتہاد کرتے تھے۔ سند داری میں یہ سند مذکور ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ جب کوئی مسئلہ درپیش آتا تو قرآن مجید کی

طرف رجوع کرتے قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہوتی تو حدیث سے جواب دیتے۔ حدیث بھی نہ ہوتی تو اکابر صحابہ کو جمع کرتے اور ان کے اتفاق رائے سے جو امر قرار پاتا اس کے مطابق فیصلہ کرتے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک مسائل کے جواب میں قرآن مجید۔ حدیث اور اجماع سے کام لیا جاتا تھا۔ قیاس کا وجود نہ تھا۔

(سنن دارمی صفحہ ۳۲)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری کو قضاء کے متعلق جو تحریر بھیجی اس میں قیاس کی صاف ہدایت کی۔ چنانچہ اس کے یہ الفاظ ہیں۔

الفهم الفهم ليعلموا يختلج في صدوركم معالم يلفك في الكتاب

والسنن واعراف الامثال والاشياء ثم قس الامور عند ذلك

(یہ روایت دار قطنی میں مذکور ہے۔ دیکھو ازالۃ الخفاء صفحہ ۸۶)

”جو چیز تم کو قرآن وحدیث میں نہ ملے اور تم کو اس کی نسبت شبہ ہو

اس پر غور کرو اور خوب کرو۔ اس کے ہم صورت اور ہم شکل واقعات

کو دریافت کرو پھر ان سے قیاس کرو۔“

اصول فقہ کی کتابوں میں قیاس کی یہ تعریف لکھی ہے۔

تعليقة الحكم من الاصل الى الفرع لعلته مستحقة

اس کے حکم کو فروع تک پہنچانا کسی ایسی علت کی وجہ سے دونوں میں مشترک ہو مثلاً

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قول بجا اور غیو کا نام لے کر فرمایا کہ ان کو براہم یہ دو برابر سے

زیادہ لوگے تو سو ہو جائے گا۔ اس مسئلہ میں قیاس اس طرح جاری ہو گا۔ کہ آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے جو چند خاص اشیاء کے نام لئے۔ لیکن یہ حکم ان تمام اشیاء میں جاری ہو گا جو

مقدار اور نوعیت رکھتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو سیر بھر جو نہ دے اور اس سے اسی قسم کا

چونہ سوا سیر لے یا عمدہ قسم کالے تو سو ہو جائے گا۔

اصول فقہ کے نزدیک قیاس کے لئے مقدم دو شرطیں ہیں۔

① جو مسئلہ قیاس سے ثابت کیا جائے وہ منصوص نہ ہو۔ یعنی اس کے بارے میں کوئی خاص

حکم موجود نہ ہو۔

② مقیس اور مقیس علیہ میں علت مشترک ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحریر میں ان دونوں شرطوں کی طرف اشارہ بلکہ

تصریح موجود ہے۔

پہلی شرط کو ان الفاظ میں بیان کیا۔ معالم يلفك في الكتاب

دوسری شرط ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے۔ واعراف الامثال والاشياء ثم قس الامور

ان مسمات اصول کے سوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استنباط احکام اور تفریع

مسائل کے اور بہت سے قاعدے مقرر کئے جو آج ہمارے علم اصول فقہ کی بنیاد ہیں لیکن ان

کی تفصیل سے پہلے ایک نکتہ سمجھ لینا چاہئے۔

استنباط احکام کے اصول

یہ امر مسلم ہے کہ امام ابو حنیفہ و امام مالک وغیرہ مسائل فقہ میں نہایت مختلف

الرائے ہیں اس اختلاف رائے کی وجہ کہیں کہیں تو یہ ہے کہ بعض مسائل میں ایک صاحب

کو حدیث صحیح ملی اور دوسرے کو نہیں، لیکن عموماً اختلاف کا یہ سبب ہے کہ ان صاحبوں کے

اصول استنباط واجتہاد مختلف تھے۔ چنانچہ اصول فقہ کی کتابوں میں ان مختلف فیہ اصولوں کو

بتفصیل لکھا ہے اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ان ائمہ نے صراحتاً وہ اصول بیان کئے

تھے امام شافعیؒ نے بے شبہ ایک رسالہ لکھا ہے جس میں اپنے چند اصول منضبط کئے ہیں۔

لیکن امام ابو حنیفہ و امام مالک وغیرہ سے ایک قاعدہ بھی صراحتاً منقول نہیں۔ بلکہ ان بزرگوں

نے مسائل کو جس طرح استنباط کیا یا مسائل کے متعلق جو تقریر کی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ

ان کا استنباط خواہ مخواہ ان اصول کے بناء پر ہے۔ مثلاً ایک امام نے قرآن کی اس آیت سے

واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا استدلال کیا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت

فاتحہ نہ کرنا چاہئے کسی نے ان سے کہا کہ یہ آیت تو خطبہ کے بارے میں اتری تھی، انہوں

نے کہا کہ آیت کسی بارے میں اتری ہو لیکن حکم عام ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس اصول

کے قائل تھے العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب یعنی سبب کا خاص ہونا

حکم کی تمیز پر کچھ اثر نہیں کرتا۔

اصول فقہ میں امام ابو حنیفہ وغیرہ کے جو اصول مذکور ہیں وہ اسی قسم کی صورتوں سے

مستنبط کئے گئے ہیں، ورنہ ان بزرگوں سے صراحتاً یہ قاعدے کہیں منقول نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت ہمارا یہ دعویٰ کہ انہوں نے استنباط مسائل

کے اصول قائم کئے اسی بناء پر ہے، اکثر مسائل جو انہوں نے طے کئے صحابہ کے مجمع میں

بحث و مناظرہ کے بعد طے کئے، ان موقعوں پر انہوں نے جو تقریریں کیں، ان کے استحضار

سے بہت سے اصول قائم ہوتے ہیں اکثر مسائل میں متناقض روایتیں یا ماخذ استدلال موجود ہوتے تھے اس لئے ان کو فیصلہ کرنا پڑتا تھا۔ کہ دونوں میں سے کس کو ترجیح دی جائے۔ کس کو مانع ٹھہرایا جائے کس کو منسوخ، کس کو عام ٹھہرایا جائے، کس کو خاص، کس کو موقت مانا جائے، کس کو مبدی، اس طرح جنہیں تخصیص، تطبیق وغیرہ کے متعلق بہت سے اصول قائم ہو گئے عام طور پر فتویٰ دینے کے وقت بھی ان کی تقریر سے اکثر اصول کی طرف اشارہ پایا جاتا تھا۔ مثلاً ایک شخص نے ان سے کہا کہ میرے غلام کے ہاتھ کاٹنے کا حکم کیجئے کیونکہ اس نے میری بیوی کا آئینہ چرایا ہے جس کی قیمت ۴۰ درہم تھی۔ فرمایا کہ تمہارا غلام تھا اور تمہاری چیز چرائی۔ اس پر ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا۔ (۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳)

اس سے یہ اصول مستنبط ہوا کہ سرقہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ سارق کو مال مسروقہ کی کسی طرح کا حق نہ ہو۔ ایک اور شخص نے بیت المال سے کچھ چرایا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بھی اسی بناء پر چھوڑ دیا تھا کہ بیت المال میں ہر شخص کا کچھ نہ کچھ حق ہے ایک دفعہ سفر میں ایک تالاب کے قریب اترے، عمویں العاص بھی ساتھ تھے انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں درندے تو پانی نہیں پیتے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو روک دیا کہ ”نہ یثانا“ اس سے دو اصول ثابت ہوئے ایک یہ کہ اصل اشیاء میں اباہت ہے دوسرے یہ ظاہر حالت اگر صحیح ہے تو شخص اور جنت پر ہم مملکت نہیں ہیں۔ ایک دفعہ رمضان میں بدلی کی وجہ سے آفتاب کے چھپ جانے کا وحوشا ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روزہ کھول لیا تھوڑی دیر کے بعد آفتاب نکل آیا۔ لوگ حیرت ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا **الخطب بسم و قد اجتهدنا** یعنی معاملہ چنداں اہم نہیں ہم اپنی طرف سے کوشش کر چکے تھے۔ (۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶)

ایسی اور بہت سی مثالیں ہیں کوئی شخص چاہے تو ان سے اصول فقہ کے بہت سے کلیات منضبط کر سکتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسائل فقہ کی تعداد

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ کے جو مسائل بیان کئے ان میں اکثر ایسے ہیں جن میں اور صحابہ نے بھی ان کے ساتھ اتفاق کیا اور ائمہ مجتہدین نے ان کی تقلید کی۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنے استقراء سے اس قسم کے مسائل کی تعداد کم و بیش ایک ہزار بتاتے ہیں لیکن

بہت سے ایسے مسائل بھی ہیں جن میں دیگر صحابہ نے اختلاف کیا وہی حق پر ہیں مثلاً تیمم، جنابت منع، تنجیح، حج، علقات ٹکٹ وغیرہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجتہاد سے دیگر صحابہ کا اجتہاد زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن اکثر مسائل میں اور خصوصاً ان مسائل میں جو معرکہ الآراء رہے ہیں اور جن کو تمدن اور امور ملکی میں دخل ہے عموماً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجتہاد نہایت نکتہ سنجی اور دقت نظر پر مبنی ہے اور انہی مسائل سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمال اجتہاد کا اندازہ ہوتا ہے۔

ان میں سے بعض مسائل کا ذکر ہم اس موقع پر کرتے ہیں۔

فحس کا مسئلہ

ایک بڑا معرکہ الآراء مسئلہ فحس کا ہے۔ قرآن مجید میں ایک آیت ہے۔

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي

الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ۔

”جو کچھ تم کو جہاد کی لوٹ میں آئے اس کا پانچواں حصہ خدا کے لئے ہے اور غنیمت کے لئے اور رشتہ داروں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور غریبوں کے لئے اور مسافروں کے لئے۔“

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ فحس میں رسول اللہ کے رشتہ داروں کا بھی حصہ ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس کی یہی رائے تھی اور حضرت علی نے اگرچہ مسئلہ بنو ہاشم کو فحس میں سے حصہ نہیں دیا لیکن رائے ان کی بھی یہی تھی کہ بنو ہاشم واقعی حقدار ہیں۔

(کتاب الزمان ص ۱۰۷ روایت یحییٰ بن اسحاق)

یہ صرف حضرت علی و عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے نہ تھی بلکہ تمام اہل بیت کا اس مسئلہ پر اتفاق تھا ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعی اسی مسئلہ کے قائل تھے اور انہوں نے اپنی کتابوں میں بڑے زور شور کے ساتھ اس پر استدلال کیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت لوگوں کا بیان ہے کہ وہ قرابت داران وغیرہ کو مطلقاً فحس کا حقدار نہیں سمجھتے تھے چنانچہ انہوں نے اہل بیت کو کبھی فحس میں سے حصہ نہیں دیا۔ ائمہ مجتہدین میں سے امام ابو حنیفہ بھی ذی القربی کے فحس کے قائل نہ تھے ان کی رائے تھی کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنحضرت کا حصہ جاتا رہا اسی

طرح آنحضرت کے قرابت داروں کا حصہ بھی جاتا رہا۔

اب ہم کو غور کے ساتھ دیکھنا چاہئے کہ قرآن مجید سے کیا حکم نکلا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق عمل کیا تھا۔ قرآن مجید کی عبارت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر پانچ گروہ خسر کے مصروف ہیں۔ لیکن اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ فرداً فرداً ہر گروہ میں تقسیم کرنا فرض ہے۔ قرآن مجید میں جملہ زکوٰۃ کے مصارف بیان کئے ہیں وہاں بھی بیحد اسی قسم کے الفاظ ہیں۔

انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملین علیہا والمؤلفۃ

قلوبہم ولی الرقاب والغارمین ولی سبیل اللہ وابن السبیل۔

اس میں زکوٰۃ کے مصارف آٹھ گروہ قرار دیئے ہیں۔ فقیر، مسکین، زکوٰۃ وصول کرنے والے مؤلفۃ القلوب، قیدی، قرضدار، مجاہدین، مسافر، ان میں سے جس کو زکوٰۃ دی جائے ادا ہو جائے گی۔ یہ ضرور نہیں کہ خواہ مخواہ آٹھ گروہ پیدا کئے جائیں۔ انھوں گروہ موجود بھی ہوں تب بھی یہ لحاظ کیا جائے گا کہ کون فرد اس وقت زیادہ مدد کا محتاج ہے۔ کون کم اور کون بالکل نہیں۔ یہ التزام بالیزم صرف امام شافعی نے اخراج کیا ہے کہ آٹھ برابر حصے کئے جائیں۔ اور انھوں گروہ کو ضرورت بے ضرورت کم بیش تقسیم کیا جائے اسی طرح خسر کے مصارف جو خدا نے بتائے ہیں اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ خسر ان لوگوں کے سوا اور کسی کو نہ دیا جائے۔ یہ نہیں کہ خواہ مخواہ اس کے پانچ برابر حصے کئے جائیں۔ اور پانچوں فرقوں کو برابر دیا جائے۔ اب دیکھو رسول اللہ کا طریق عمل کیا تھا؟ احادیث و روایات کے استقراء سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے۔

① ذوی القربیٰ میں سے آپ صرف بنو ہاشم و بنو مطلب کو حصہ دیتے تھے۔ بنو نوفل و بن عبد شمس حالانکہ ذوی القربیٰ میں داخل تھے لیکن آپ نے ان کو باوجود طلب کرنے کے بھی کچھ نہیں دیا۔ چنانچہ اس واقعہ کو علامہ ابن قیم نے زاد العاد میں کتب حدیث سے بتقصیل نقل کیا ہے۔ (زاد العاد جلد دوم صفحہ ۴۹)

② بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب کو جو حصہ دیتے تھے وہ سب کو مساویانہ نہیں دیتے تھے۔ علامہ ابن قیم نے زاد العاد میں لکھا ہے۔

ولکن لم یکن یقسمونہم علی السوا مین الغنیاء مہم و فقرہم
ولا کان یقسمہ لیسۃ المیراث بل کان یصرفہ لہم بحسب

المصلحتۃ والحاجۃ لنزوح منهم اخریہم و یقضی منہ عن غار
مہم و یعطی منہ فقیرہم کفایتہ۔ (زاد العاد جلد ثانی صفحہ ۴۹)
”لیکن دولت مندوں اور غریبوں کو برابر نہیں تقسیم کرتے تھے نہ میراث کے قاعدے سے تقسیم کرتے تھے بلکہ مصلحت اور ضرورت کے موافق عطا فرماتے تھے۔ یعنی کنواری کی شادی کرتے تھے مقروضوں کا قرض ادا فرماتے تھے، غریبوں کو بقدر حاجت دیتے تھے۔“

ان واقعات سے اولاً یہ ثابت ہوا کہ ذوی القربیٰ کے لفظ میں تقسیم نہیں ہے ورنہ بنو نوفل اور بنو عبدالمطلب کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حصہ دیتے کیونکہ وہ لوگ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار تھے۔ دوسرے یہ کہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے تمام افراد کو مساوی طور سے حصہ نہیں ملتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاں تک صحیح روایات سے ثابت کیا ہے بنو ہاشم اور بنو مطلب کا حق بحال رکھا۔ وہ روایاتوں میں ان سے مختلف تھے ایک یہ کہ وہ مصلحت اور ضرورت کے لحاظ سے کم و بیش تقسیم کرنا خلیفہ وقت کا حق سمجھتے تھے۔ برخلاف اس کے عبد اللہ بن عباس و خیمو کا یہ دعویٰ تھا کہ پانچواں حصہ پورے کا پورا خاص ذوی القربیٰ کا حق ہے اور کسی کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا حق حاصل نہیں۔ قاضی ابویوسف صاحب نے کتاب الخراج میں نسائی نے اپنی صحیح میں عبد اللہ بن عباس کا قول نقل کیا ہے۔

عرض علینا عمر بن الخطاب ان نزوح من العسۃ امنا
ونقضی منہ عن مفر منا فا مینا الا ان یسلمہ لنا و ابی فلک
علینا۔ (کتاب الخراج صفحہ ۴۹)

”عمر بن الخطاب نے یہ بات ہم لوگوں کے سامنے پیش کی تھی کہ ہم لوگ خسر کے مال سے اپنی بیواؤں کے نکاح اور مقروضوں کے اولائے قرض کے مصارف لے لیا کریں لیکن ہم بجز اس کے تسلیم نہیں کرتے تھے کہ سب ہمارے ہاتھ دے دیا جائے عمر نے اس کو مشکور نہ کیا۔“

اور روایتیں بھی اسی کے موافق ہیں صرف کلبی کی ایک روایت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذوی القربیٰ کا حق ساقط کر دیا۔ کبھی نہایت ضعیف الروایۃ ہے۔ اس لئے اس کی روایت کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید کے فتویٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق عمل کو منطبق کر کے دیکھو تو صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ کیا وہ بالکل قرآن وحدیث کے مطابق تھا۔ امام شافعیؒ وغیرہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں پیش کر سکتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ پورا پانچواں حصہ دیتے تھے قرآن مجید سے یہ تعین وتجدید بالکل ثابت نہیں ہو سکتی۔ باقی رہا ذوی القربیٰ کا غیر معین حق تو اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہرگز انکار نہ تھا۔ اب اصول عقلی کے لحاظ سے اس مسئلہ کو دیکھو یعنی جس میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آنحضرت کے قرابت و اربوں کا حصہ قرار پانا کس اصول کی بناء پر تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ احکام اور مہمات رسالت کے انجام دینے کی وجہ سے معاش کی تدبیر میں مشغول نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لئے ضرور تھا کہ ملک کی آمدنی میں سے کوئی حصہ آپ کے لئے مخصوص کر دیا جائے اس وقت مال غنیمت فی انفال بس یہی آمدنیاں تھیں۔ چنانچہ ان سب میں سے خدا نے آپ کا حصہ مقرر کیا تھا۔ جس کا ذکر قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کے ذاتی مصارف کے لئے خالص مقرر کر دیا جاتا ہے۔ ذوی القربیٰ کا حق اس لئے قرار دیا گیا تھا کہ ان لوگوں نے ابتدائے اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا تھا۔ چنانچہ کفار مکہ نے زیادہ مجبور کیا تو تمام نبوہاشم نے جس میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکل کر ایک پہاڑ کے درے میں پناہ گزین ہوئے تو سب نبی ہاشم بھی ساتھ گئے۔

اس بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ذوی القربیٰ کے لئے جو کچھ مقرر تھا، وقتی ضرورت اور مصلحت کے لحاظ سے تھا۔ لیکن یہ قرار دینا کہ قیامت تک آپ کے قرابت و اربوں کے لئے پانچواں حصہ مقرر کر دیا گیا۔ اور گو ان کی نسل میں کسی قدر ترقی ہو اور گو وہ کتنے ہی دولت مند اور غنی جائیں تاہم ان کو یہ رقم ہمیشہ ملتی رہے گی۔ یہ ایسا قاعدہ ہے جو اصول تمدن کے بالکل خلاف ہے کون شخص یقین کر سکتا ہے کہ ایک سچا بانی شریعت یہ قاعدہ بنائے گا کہ اس کی تمام اولاد کے لئے قیامت تک ایک معین رقم ملتی رہے اگر کوئی بانی شریعت ایسا کرے تو اس میں اور خود غرض برہمنوں میں کیا فرق ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وعبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو جس کے مدعی تھے ان کا بھی یہ مقصد ہرگز نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ حق قیامت تک کے لئے ہے بلکہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے باقی رہ گئے تھے انہی کی نسبت ان کو ایسا دعویٰ ہوگا۔

حق کا مسئلہ

ایک اور مہتمم بالشان مسئلہ فنی کا ہے یعنی وہ زمین یا جائیداد جس کو مسلمانوں نے فتح کیا ہو۔ یہ مسئلہ اس قدر معرکہ الآراء ہے کہ صحابہ کے عہد سے آج تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا۔ بارغ مذکور کی عظیم الشان بحث بھی اسی مسئلے کی ایک فرع ہے۔

بڑا خلط بحث اس میں اس وجہ سے ہوا کہ فقہ کے قریب المعنی اور جو الفاظ تھے یعنی نفل، غنیمت، سلب ان میں لوگ تفرق نہ کر سکے۔ ہم اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا کہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا تھا۔ تمام لڑنے والوں کو برابر تقسیم کر دیا جاتا تھا سوار کو البتہ سب سے زیادہ جو تھا تھا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ابتداء میں جس طرح اور بہت سی قدیم رسمیں قائم رہیں، یہ قاعدہ بھی کسی قدر تغیر صورت کے ساتھ قائم رہا۔ چنانچہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا تھا، غازیوں پر تقسیم ہو جاتا تھا۔ چونکہ قدیم سے یہی طریقہ جاری تھا اور جناب رسول اللہ کے عہد میں بھی قائم رہا۔ اس لئے لوگوں کو خیال ہو گیا کہ مال غنیمت غازیوں کا ذاتی حق ہے اور وہ اس کے پانے کا ہر حالت میں دعویٰ کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ اس پر جھگڑا اٹھا جنگ بدر میں جب فتح حاصل ہو چکی ہے۔ تو کچھ لوگ کفار کا تعاقب کرتے ہوئے دور تک چلے گئے کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے تعاقب کرنے والے واپس آئے تو انہوں نے دعویٰ کیا کہ غنیمت ہمارا حق ہے کیونکہ ہم دشمن سے لڑ کر آئے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ تھے۔ اس لئے ہم زیادہ حقدار ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ۔

”تجھ سے لوگ مال غنیمت کی نسبت پوچھتے ہیں تو کہہ دے کہ وہ خدا

اور رسول کی ملک ہے۔“

اس آیت نے اس اصول کو مٹا دیا کہ تمام مال غنیمت لڑنے والوں کا حق ہے اور اگر

کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہیں لیکن اس آیت میں غنیمت کے مصارف نہیں بیان کئے گئے پھر یہ آیت اتری۔

واعلموا انما غنمتم من شئ فان لله خمسہ وللرسول ولذی القربى والیتیمی والمسنکین وابن السبیل۔

”جان لو کہ کوئی چیز جو غنیمت میں ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصہ خدا کے لئے اور خیر کے لئے اور رشتہ داروں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے۔“

اس آیت سے یہ قاعدہ معلوم ہوا کہ مال غنیمت کے پانچ حصے کئے جائیں، چار حصے مجاہدین کو تقسیم کئے جائیں۔ اور پانچویں حصے کے پھر پانچ حصے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ذوی القربیٰ اور مسکین و غیوہ کے مصارف میں آئیں لیکن یہ تمام احکام نقد و اسباب سے متعلق تھے زمین اور جائیداد کے لئے کوئی قاعدہ نہیں قرار پایا تھا۔ غزوہ بنی نضیر میں جو ہر جہری میں واقع ہوا۔ سورہ حشر کی یہ آیت اتری۔

ما اقلہ اللہ علی رسولہ من اهل القرى لللہ وللرسول ولذی القربى والیتیمی والمسنکین وابن السبیل الی قولہ للفقراء المهاجرین الذین اخر جو امن ديار هم الی قولہ والذین جاءوا من بعدہم۔

”یعنی جو زمین یا جائیداد ہاتھ آئے وہ خدا اور خیر اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور فقراء و مجاہدین اور ان سب لوگوں کی ہے جو آئندہ دنیا میں آئیں۔“

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو زمین جو وہ تقسیم نہیں کی جائے گی بلکہ بطور وقف کے محفوظ رہے گی اور اس کے منافع سے تمام موجودہ اور آئندہ مسلمان متحج ہوں گے یہ ہے حقیقت نقل اور غنیمت اور رے کی۔

ان احکام میں لوگوں کو چند مغالطے پیش آئے سب سے پہلے یہ کہ لوگوں نے غنیمت اور رے کو ایک سمجھا، آئمہ مجتہدین میں سے امام شافعیؒ کی بھی یہی رائے ہے اور ان کے مذہب کے موافق زمین مفتوحہ اسی وقت مجاہدین کو تقسیم کر دینی چاہئے شام و عراق جب فتح ہوئے تو لوگوں نے اسی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی کہ ممالک مفتوحہ

ان کو تقسیم کر دیئے جائیں۔ چنانچہ عبدالرحمن بن عوف، زبیر بن العلو، بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سخت اصرار کیا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ مانے اس پر (جیسا کہ ہم صیفہ حاصل میں لکھ آئے ہیں) بہت بڑا مجمع ہوا اور کئی دن تک بحثیں رہیں۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت مذکورہ بالا سے استدلال کیا اور آیت کے یہ الفاظ الذین جاءوا من بعدہم پڑھ کر فرمایا کہ

لکانت هذه عامۃ لمن جاء من بعدہم لقد صاوغنا اللہ فی بنی ہؤاد۔

جمعاً لکف تقسمہ لہؤ لا عوندع من بعقبہم۔

(کتاب الخراج صفحہ ۱۵۱) اس ستر کا پورا حال کتاب الخراج کے صفحہ ۱۵۱ میں مذکور ہے۔

”تو یہ تمام آئندہ آنے والوں کے لئے ہے اور اس بناء پر یہ تمام لوگوں کا حق ٹھہرے پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں موجودہ لوگوں کو تقسیم کر دوں۔ اور لوگوں کو محروم کر دوں جو آئندہ پیدا ہوں گے۔“

امام شافعیؒ اور ان کے ہم خیال کا بڑا استدلال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر کی زمین کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا تھا۔ لیکن وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ خیر کے بعد اور مقامات بھی توجہ ہوئے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال سے پہلے تمام ارب پر قبضہ ہو چکا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس چپے بھر بھی زمین تقسیم کی؟

فدک کا مسئلہ

اسی سلسلے میں بلخ فدک کا معاملہ بھی ہے جو مدت تک معرکتہ الآراء رہا ہے ایک فرقہ کا خیال ہے کہ بلخ خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جائیداد تھی۔ کیونکہ اس پر چڑھائی نہیں ہوئی تھی بلکہ وہاں کے لوگوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سپرد کر دیا تھا اور اس وجہ سے وہ اس آیت کے تحت میں داخل ہے۔

وما اقلہ اللہ علی رسولہ منہم لما اوجہتم علیہ من شئ ولا ر کتاب ولكن اللہ یسلط رسالہ علی من یشاء واللہ علی کل شئ قدير۔

”یعنی جو کچھ خدا نے اپنے خیر کو ان لوگوں سے دلوا لیا تو تم لوگ اس پر

اونٹ یا گھوڑے دوڑا کر نہیں گئے تھے۔ لیکن خدا اپنے پیغمبر کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔“

اور جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مملوکہ خاص ٹھہری تو اس میں وراثت کا عام قاعدہ جو قرآن مجید میں مذکور ہے جاری ہو گا۔ اور آنحضرت کے ورثہ اس کے مستحق ہوں گے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باوجود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طلب و تقاضا کے کل نبی کو اس سے محروم رکھا۔

یہ بحث اگرچہ طرفین کی طبع آزمائیوں میں بہت بڑھ گئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بات نہایت مختصر تھی اور اب جبکہ سیاست مدین کے اصول زیادہ صاف اور عام فہم ہو گئے ہیں یہ مسئلہ اس قائل بھی نہیں رہا کہ بحث کے دائرہ میں لایا جائے۔ اصل یہ ہے کہ نبی یا امام یا بادشاہ کے قبضے میں جو مال یا جائیداد ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مملوکہ خاص جس کے حاصل ہونے میں نبوت اور امامت و بادشاہت کے منصب کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔ مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام زورہ بنا کر معاش حاصل کرتے تھے یا عالجیر قرآن لکھ کر برسر کرتا تھا۔ یہ آمدنی ان کی ذاتی آمدنی تھی۔ اور اس پر ہر طرح کا ان کو اختیار تھا۔ دوسری مملوکہ حکومت مثلاً داؤد علیہ السلام کے مقبوضہ ممالک جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے قبضے میں آئے۔

اس دوسری قسم میں وراثت نہیں جاری ہوتی جو شخص بغیر نبی یا امامت یا بادشاہت کی حیثیت سے جائشیں ہوتا ہے وہی اس کا مالک ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ آجکل کے مذاق کے موافق بالکل ایک بدیہی بات ہے۔ مثلاً سلطان عبدالحمید خان کے بعد ان کے ممالک مقبوضہ یا ان کی جاگیر خالصہ ان کے بیٹے بھائی ماں بہن وغیرہ میں تقسیم نہیں ہوگی بلکہ جو تخت نشین ہو گا اس پر قابض ہو گا۔ مذہبی حیثیت سے بھی مسلمانوں کے ہر فرقہ میں یہ قاعدہ پیش مسلم رہا۔ مثلاً جو لوگ فدک کو درجہ بدرجہ ائمہ اثنا عشر کا حق سمجھتے ہیں وہ بھی اس میں وراثت کا قاعدہ نہیں جاری کرتے۔ مثلاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانے میں اس کے مالک ہوئے تو یہ نہیں ہوا کہ ان کی وفات کے بعد وراثت کا قاعدہ جاری ہوتا اور حسین و عباس و محمد بن حنفیہ و زینب کو جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وارث تھے اس کا کچھ کچھ حصہ اس کے پڑتے سے ملتا۔ بلکہ صرف حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضہ میں آیا کیونکہ امامت کی حیثیت سے وہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جائشیں تھے۔

غرض یہ عام اور مسلم قاعدہ ہے کہ جو جائیداد نبوت یا امامت یا بادشاہت کے منصب

سے حاصل ہوتی ہے وہ مملوکہ خاص نہیں ہوتی۔ اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ کہ باغ فدک کیونکر حاصل ہوا تھا۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب خیبر کی فتح سے پھرے تو عیسٰ بن مسعود انصاری کو فدک والوں کے پاس تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا۔ فدک یہودیوں کے قبضہ میں تھا اور ان کا سردار یوشع بن نون ایک یہودی تھا۔ یہودیوں نے صلح کا پیغام بھیجا اور معاوضہ صلح میں تو صی زمین دینی منظور لگی۔ اس وقت سے یہ باغ اسلام کے قبضہ میں آیا۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی جائیداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مملوکہ خاص کیونکر ہو سکتی ہے۔ فدک کی ملکیت خاص کا دعویٰ اس بناء پر کیا جاتا ہے کہ وہ فوج کے ذریعہ فتح نہیں ہوا۔ بلکہ اس آیت کے مصداق ہے **فَمَا أُوجِفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خِيَلٍ وَلَا رِكَابٍ** لیکن کیا جو ممالک صلح کے ذریعے سے قبضے میں آتے ہیں وہ امام یا بادشاہ کی ملکیت خاص قرار پاتے ہیں؟ عرب کے اور مقامات بھی اس طرح قبضہ میں آئے کہ ان پر چھائی نہیں کرنی پڑی۔ کیا ان کو کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت سمجھا؟ البتہ یہ امر غور طلب ہے کہ جب اور مقامات مفتوحہ کی نسبت کسی نے اس قسم کا خیال نہیں کیا تو فدک میں کیا خصوصیت تھی جس کی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوئی۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ مفتوحہ زمینیں علانیہ وقف عام رہیں، لیکن فدک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مصارف کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ اس سے اس خیال کا موقع ملا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جائیداد خاص ہے۔ اس خیال کی تائید اس سے ہوتی کہ فدک پر لشکر کشی نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے اس پر لوگوں کو کسی قسم کا حق حاصل نہیں تھا۔ لیکن یہ خیال دراصل صحیح نہیں۔ فدک کو بے شبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذاتی مصارف کے لئے خاص کر لیا تھا۔ لیکن کیونکر؟ اس کے متعلق تفصیلی روایتیں موجود ہیں۔

فَكَانَ نَصْفُ فِدْكَ خَالِصًا لِرَسُولِ اللَّهِ وَكَانَ بَصْرُكَ مَالًا تَبِ

مَنْهَا لِيْ اِبْنَاءُ السَّبِيلِ۔ (فتح البلدان، بخاری صفحہ ۲۹)

”یعنی آجوا فدک خاص رسول اللہ کا تھا آنحضرت اس میں سے مسافروں پر صرف کرتے تھے۔“

ایک اور روایت میں ہے۔

اِنَّ فِدْكَ كَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ يَنْفِقُ مِنْهَا

وَأَيُّكُمْ عَلَى قَرَأَتِي هَاشِمٌ وَزَوْجُ ابْنِهِمْ -

(فتح البلدان ص ۳۱)

یعنی فدک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا آپ اس میں سے خرچ کرتے تھے اور فقر آئے بنی ہاشم کو دیتے تھے۔ اور ان کی بیواؤں کی شادی کرتے تھے۔

بخاری وغیرہ میں یہ تصریح مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سال بھر کا اپنا خرچ اس میں سے لیتے تھے۔ باقی عام مسلمان کے مصالح میں دیتے تھے۔ ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ فدک کا مملوکہ نبوت ہوتا ایسا ہی تھا جیسا کہ سلاطین کے لئے کوئی جائیداد خالصہ کر دی جاتی ہے اس بناء پر باوجود مخصوص ہونے کے وقف کی حیثیت اس سے زائل نہیں ہوتی۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان اصولوں سے واقف تھے؟ اور اسی بناء پر انہوں نے فدک میں وراثت نہیں جاری کی یا یہ نکلتا بعد الوقوع ہیں؟ عراق و شام کی فتح کے وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کے مجمع میں تقریر کی تھی اس میں قرآن مجید کی اس آیت سے مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيَّ رَسُولُهُ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ الْخِصْمُ سِوَاكَ صَافٍ کہہ دیا تھا کہ مقامات مستوحہ کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہیں بلکہ عام ہیں چنانچہ صفہ کے ذکر میں یہ بحث گذر چکی ہے البتہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے پہلے جو آیت ہے اس سے فدک وغیرہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص جائیداد ہونا ثابت ہوتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے یہی معنی قرار دیتے تھے آیت یہ ہے۔

وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيَّ رَسُولُهُمْ فَمَا أُوجِفْتُمْ مِنْ خِيَلٍ وَلَا زَكَاةٍ

وَلَكُمْ اللَّهُ سُلْطَانٌ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ -

”اور جو ان لوگوں سے (یعنی یہودی نصیر سے) خدا نے اپنے پیغمبر کو دلویا تو تم لوگ اس پر چڑھ کر نہیں گئے تھے بلکہ خدا اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے۔“

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کو پڑھ کر کہا تھا کہ لَكَاتُ خَالِصَةً لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور یہ واقعہ صحیح بخاری باب الخمس اور باب

المغازی اور باب الميراث میں بتفصیل مذکور ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی بناء پر فدک وغیرہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خالصہ سمجھتے تھے لیکن اس قسم کا خالصہ ذاتی ملکیت نہیں ہوتا جس طرح سلاطین کے مصارف کے لئے کوئی زمین خاص کر دی جاتی ہے کہ اس میں میراث کا عام قاعدہ نہیں جاری ہوتا بلکہ جو شخص جانشین سلطنت ہوتا ہے۔ تہا وہی اس سے مستمتع ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس خیال کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے جب آیت مذکورہ بالا کی بناء پر فدک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خالصہ کہا تو ساتھ ہی یہ الفاظ فرمائے جیسا کہ صحیح بخاری باب الخمس و باب المغازی وغیرہ میں مذکور ہے۔

لَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ يَنْفِقُ عَلَى أَهْلِهِ نَفَقَةً سَتَسْتَعْمِلُونَ مِنْ هَذِهِ الْمَالِ ثُمَّ يَأْخُذُ مَا بَقِيَ فَيَجْعَلُهُ لِكَيْلِ مَا لِلَّهِ فَعَمَلُ رَسُولِ اللَّهِ يَنْفِكُ حَيَاتِهِ ثُمَّ تَوَلَّى اللَّهُ نَبِيَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللَّهِ فَخَبَضَهَا أَبُو بَكْرٍ فَعَمَلُ لَهَا بِمَا عَمَلَ رَسُولُ اللَّهِ ثُمَّ تَوَلَّى اللَّهُ أَبَا بَكْرٍ فَكَانَتْ أَنَا وَلِيُّ أَبِي بَكْرٍ فَخَبَضْتُهَا سَتَتَيْنِ مِنْ أَسَاوَتِي أَعْمَلُ لَهَا بِمَا عَمَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِمَا عَمَلَ لَهَا أَبُو بَكْرٍ -

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے سال بھر کا خرچ لیتے تھے۔ باقی کو خدا کے مال کے طور پر خرچ کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر اسی پر عمل فرمایا پھر وفات پائی تو ابو بکر نے کہا کہ میں ان کا جانشین ہوں۔ پس اس پر قبضہ کیا اور اسی طرح کاروائی کی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے پھر انہوں نے وفات پائی تو میں ابو بکر کا جانشین ہوا پس میں نے اس پر دو برس قبضہ رکھا اور وہی کاروائی کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر کرتے تھے۔“

اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود اس کے کہ فدک وغیرہ کو خالصہ سمجھتے تھے تاہم آنحضرت کی ذاتی جائیداد نہیں سمجھتے تھے (جس میں وراثت جاری ہو) اور اس وجہ سے اس کے قبضہ کا مستحق صرف اس کو قرار دیتے تھے جو رسول اللہ کا

جانشین ہو۔ چنانچہ حضرت ابوبکر اور خود اپنے قبضہ کی یہی وجہ تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تقریر اس وقت فرمائی تھی جب حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کے پاس فدک کے وعیدار ہو کر آئے تھے اور انہوں نے کہہ دیا تھا کہ اس میں وراثت کا قاعدہ نہیں جاری ہو سکتا۔

حاصل یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک فدک وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خالصہ بھی تھے اور وقف بھی تھے۔ چنانچہ عراق کی فتح کے وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی آیت کو جس سے آنحضرت کا خالصہ ہونا پایا جاتا ہے پڑھ کر یہ الفاظ کہے: **فَهِذِهِ مَاعَافِي الْقُرْبَىٰ كَلَّهَا** یعنی جو حکم اس آیت میں ہے وہ انہی مواضع (فدک وغیرہ) پر محدود نہیں بلکہ تمام آبادیوں کو شامل ہے۔

اصل یہ ہے کہ فدک کا فوجیتیں ہونا ہی تمام فلول فنی کا منشا تھا چنانچہ حاذفہ بن القیم نے زاد المعاد میں نہایت لطیف پیرایہ میں اس بات کو ادا کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

فَهُوَ مِلْكٌ يَخَالِفُ حُكْمَ غَيْرِهِ مِنَ الْمَالِكِينَ وَهَذَا النَّوعُ مِنَ الْأَمْوَالِ

هُوَ الْقِسْمُ الَّذِي وَقَعَ بَعْدَهُ فِيمَنْ مِنَ النَّزَاعِ مَا وَقَعَ إِلَى الْيَوْمِ

وَلَوْلَا إِشْكَالُ أَمْرِهِ عَلَيْهِمْ لَمَاطْلَبُ فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِوَا نَهَائِهِمْ تَرَكَتْهُ وَظَنَّتْ أَنَّ بَيْتَهُ عِنْدَ مَا كَانَ

بِالْمَالِكَةِ كَسَائِرِ الْمَالِكِينَ وَخَفِيَ عَلَيْهَا رَضَى اللَّهُ عَنْهَا حَقِيقَةُ

الْمَلِكَةِ لَيْسَ بِمَا بَوْرَتْ عَنْهُ (زاد المعاد ص ۳۳ جلد دوم)

ان واقعات سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ ان مسائل کو جو ابتداء سے آج تک معرکہ آراء رہے ہیں۔ اور جن میں بڑے بڑے اکابر صحابہ کو اذیت پہنچا رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس خوبی سے طے کیا کہ ایک طرف قرآن وحدیث کا صحیح عمل دینی ہو سکتا ہے اور دوسری طرف اصول سلطنت ونظام تمدن سے بالکل مطابقت رکھتا ہے۔

ذاتی حالات اور اخلاق وعادات

عرب میں روحانی تربیت کا آغاز اگرچہ اسلام سے ہوا لیکن اسلام سے پہلے بھی اہل عرب میں بہت سے ایسے اوصاف پائے جاتے تھے جو تمغائے شرافت تھے اور جن پر ہر قوم ہر زمانہ میں ناز کر سکتی ہے۔ یہ اوصاف اگرچہ کم و بیش تمام قوم میں پائے جاتے تھے لیکن بعض اشخاص زیادہ ممتاز ہوتے تھے۔ اور یہی لوگ قوم سے ریاست و حکومت کا منصب حاصل کرتے تھے، ان اوصاف میں فصاحت و بلاغت، تقریر، شاعری، نسائی، سپہ گری، بہادری، آزادی، مقدم جہیز، تھیں اور ریاست و انفری میں ان ہی اوصاف کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قدرت نے ان سب میں سے کافی حصہ دیا تھا۔

تقریر کا ملکہ خدا داد تھا اور عکاظ کے معرکوں نے اس کو اور زیادہ جلا دے دی تھی۔ یہی قابلیت تھی جس کی وجہ سے قریش نے ان کو سفارت کا منصب دیا تھا جو ان لوگوں کے لئے مخصوص تھا جو سب سے زیادہ زبان آور ہوتے تھے ان کے معمولی جملوں میں آرٹیری کا اثر اور برہنہ فقرے جو ان کے منہ سے نکل جاتے تھے ان میں بلاغت کی روح چائی جاتی تھی۔ محمد بن سعدی کرب کو جب پہلے پل دیکھا تو چونکہ وہ غیر معمولی تن و قوت کے آدمی تھے اس لئے متحیر ہو کر کہا "اللہ اس کا اور ہمارا خالق ایک ہی ہے۔" مطلب یہ کہ ہمارے جسم میں اور اس میں اس قدر تفاوت ہے کہ دونوں ایک کارگر کے کام نہیں معلوم ہوتے۔

وباء کے واقعہ میں ابو عبیدہ نے ان پر اعتراض کیا آپ قضائے الہی سے بھاگتے ہیں تو کس قدر بلیغ لفظوں میں جواب دیا کہ "ہاں قضائے الہی کی طرف بھاگتا ہوں۔"

قوت تقریر

مختلف وقتوں میں جو خطبے انہوں نے دیئے وہ آج بھی موجود ہیں ان سے ان کے زور تقریر پر جسکی کلام کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

خطبے

مسند خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ جو خطبہ دیا اس کے ابتدائی فقرے یہ تھے۔

اللهم انی غلیظ قلبی اللهم انی ضعیف لقونی الا وان العرب
جمل انف وقد اعطیت خطابا والا وانی حاسد علی المعجزة
”اے خدا! میں سخت ہوں مجھ کو نرم کر۔ میں کمزور ہوں مجھ کو قوت
دے (قوم سے خطاب کر کے) ہاں! عرب والے سرکش اونٹ ہیں
جن کی مہار میرے ہاتھ میں دی گئی ہے لیکن میں ان کو راستہ پر چلا کر
چھوڑ دوں گا۔“

خلافت کے دوسرے سرے دن جب انہوں نے عراق پر لشکر کشی کرنے کے لئے لوگوں کو
جمع کیا تو لوگ ایران کے نام سے جی چراتے تھے خصوصاً اس وجہ سے کہ حضرت خالد رضی اللہ
تعالیٰ عنہ وہاں سے بلا لئے گئے تھے اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زورِ تقریر کا یہ
اثر تھا کہ شئی شیبانی ایک مشہور ہمارے بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔ اور پھر تمام مجمع میں آگ لگ
گئی۔ دمشق کے سفر میں جابیہ میں ہر قوم اور ہر ملت کے آدمی جمع تھے جیسا کہ کالارڈ ہشپ
تک شریک تھا۔ اس کے ساتھ مختلف مذاہب اور مختلف قوم کے آدمی شریک تھے اور مختلف
مضامین اور مختلف مطالب کا ادا کرنا مسلمانوں کو اخلاق کی تعلیم دینی تھی۔ غیر قوموں کو اسلام
کی حقیقت اور اسلام کی جنگ و صلح کے اغراض بتانے تھے فوج کے سامنے خالد رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی معنوی کاہنہ کرنا تھا۔ ان تمام مطالب کو اس خوبی سے ادا کیا کہ مدت تک ان کی
تقریر کے جت جت فقرے لوگوں کی زبان پر رہے فقہاء نے اس سے فقہی مسائل استنباط
کئے اہل ادب نے قواعد فصاحت و بلاغت کی مثالیں پیدا کیں۔ تصوف و اخلاق کے مضامین
لکھنے والوں نے اپنا کام کیا۔

۳۳ ہجری میں جب حج کیا اور یہ ان کا اخیر حج تھا تو ایک شخص نے کسی سے تذکرہ کیا کہ
عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرجائیں گے تو میں طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقام منام میں تشریف رکھتے تھے اور وہیں یہ واقعہ پیش آیا۔ اس
واقعہ کی خبر ہوئی تو براہِ فروخت ہو کر فرمایا کہ آج رات میں اسی مضمون پر خطبہ دوں گا۔
حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ امیر المومنین حج کے
مجمع میں ہر قسم کے برے بھلے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اگر آپ نے یہ تقریر کی تو اکثر لوگ صحیح
چراغ نہ سمجھیں گے۔ اور نہ ادا کر سکیں گے۔ مدینہ چل کر خواص کے مجمع میں تقریر کیجئے گا۔ وہ
لوگ ہر بات کا پہلو سمجھتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ رائے تسلیم کی آخر وہ لہجہ

میں مدینہ آئے۔ جمعہ کے دن لوگ بڑے شوق و انتظار سے مسجد میں پہلے سے آ کر جمع ہوئے۔
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ زیادہ مشتاق تھے اس لئے منبر کے قریب جا کر
بیٹھے اور سعید بن زید سے مخاطب ہو کر کہا کہ آج عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسی تقریر کریں گے کہ
کبھی نہیں کی تھی۔ سعید نے تعجب سے کہا کہ ایسی نئی بات کیا ہو سکتی ہے جو انہوں نے پہلے
نہیں کی؟ غرض اذان ہو چکی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ دیا۔ یہ پورا واقعہ اور
پورا خطبہ صحیح بخاری میں بلند کور ہے۔ اس میں سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ انصار کے خیالات
حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب بیعت کی کیفیت، خلافت کی حقیقت کو اس خوبی
اور عمدگی سے ادا کیا کہ اس سے پہلے کرنا ممکن نہ تھا۔ اس تقریر کو پڑھ کر بالکل ذہن نشین ہو
جاتا ہے کہ اس وقت جو کچھ ہوا وہی ہونا چاہئے تھا اور وہی ہو سکتا تھا۔

جن جمعوں میں غیر قومیں بھی شریک ہوتی تھیں ان میں ان کے خطبے کا ترجمہ بھی
ساتھ ساتھ ہوتا جاتا تھا چنانچہ دمشق میں بمقام جابیہ جو خطبہ دیا مترجم ساتھ کے ساتھ اس کا
ترجمہ بھی کرتا جاتا تھا۔

اگرچہ اکثر بر محل اور بر جتہ خطبہ دیتے تھے لیکن معمر کے کے جو خطبے ہوتے تھے ان
میں تیار ہو کر جاتے تھے سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ میں خود ان کا بیان ہے کہ میں خوب تیار ہو
کر گیا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب خلیفہ ہوئے اور خطبہ دینے کے لئے منبر پر
چڑھے تو دفعتاً رک گئے اور زبان نے یاری نہ دی اس وقت یہ غور کیا گیا کہ ”ابو بکر و عمر رضی
اللہ تعالیٰ عنہم خطبہ کے لئے تیار ہو کر آتے تھے اور آئندہ سے میں بھی ایسا ہی کروں گا۔“

نکاح کا خطبہ اچھا نہیں دے سکتے تھے

وہ اگرچہ ہر قسم کے مضامین پر خطبہ دے سکتے تھے لیکن ان کا خوب بیان ہے کہ ”نکاح
کا خطبہ مجھ سے بن نہیں آتا۔“ عبداللہ بن المقفع جو دولت عباسیہ کا مشہور ادیب اور فاضل
تھا اس سے لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس معذوری کی وجہ پوچھی اس نے کہا
کہ نکاح کا خطبہ میں حاضرین میں سے ہر شخص پر ایسی کا ورجہ رکھتا ہے خطیب کی کوئی ممتاز
حالت نہیں ہوتی بخلاف اس کے عام خطبوں میں خطیب جب منبر پر چڑھتا ہے تو عام آدمی اس
کو محکوم معلوم ہوتے ہیں اور اس وجہ سے خود خود اس کی تقریر میں ہلندی اور زور آجاتا ہے۔

لیکن ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح میں موضوع غن تک اور محدود ہوتا ہے اور ہر بار وہی معمولی باتیں کہنی پڑتی ہیں۔

پولٹیکل خطبے

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے جن مضامین پر لوگ خطبے دیتے تھے وہ پند و موعظت، فخر و ادعاء، قدرتی واقعات کا بیان، من و نج و خوشی کا اظہار ہوتا تھا۔ ملکی پر چچ معاملات خطبے میں ادا نہیں ہو سکتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے پولٹیکل خطبے دیئے اس کے ساتھ وہ خطبوں میں اس طریقے سے گفتگو کر سکتے تھے کہ ظاہر میں معمولی باتیں ہوتی تھیں لیکن اس سے بہت سے پہلو نکلتے تھے۔

خطبے کے لئے جو باتیں درکار ہیں

خطبہ کے لئے ملکہ تقریر کے علاوہ اور عارضی باتیں جو درکار ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سب موجود تھیں آواز بلند اور پر رعب تھی، قد اتنا بلند تھا کہ زمین پر کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ منبر پر کھڑے ہیں۔ اس موقع پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان کے بعض خطبے نقل کر دیئے جائیں۔ ایک موقع پر عمال کو مخاطب کر کے جو خطبہ دیا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

انی لا اجد هذا المال يصلح الا لخلال ثلث ان يوخذ بالحق ويعطى بالحق ويمنع من الباطل ولست ادع احدا يظلم احدا حتى اضح خده على الارض واضع قدمي على خده الاخر حتى يذعن للحق يا ايها الناس ان الله عظيم حقه فوق حق خلقه فقال فيما عظيم من حقه ولا يا مكرم ان تتغفوا الملائكة والنبين اربابا الا واني لم ابعثكم امراء ولا جبارين ولكن بعثكم ائمة الهدى يهتدى بكم ولا تغفلوا الابواب دونهم فيا كل قلوبهم ضمهمهم (آداب الخراج مسعودی)

ایک اور خطبے کے چند پہلے یہ ہیں۔

فانتم مستغفلون في الارض قاهرون لا هلهاب قد نصر الله دينكم فلا تصيح امته مخالفة لدينكم الا امتان - امته مستبعدة للاسلام واهله يتجرؤن لكم عليهم المؤنة ولكم المنفعة وامة يتظلمون وقاتع الله وسطواته في كل يوم وليتقدس الله قلوبهم

وعبأ - قد دمتهم جنود الله ونزلت بساحتهم مع رفاهة العيش واستفاضة المال وتتابع البحوث وسد الثغور - الخ (ازالہ افتاء امامہ ازہری)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاتمہ بیش ان فقروں پر ہوتا تھا۔

اللهم لا تدعني في عمرة ولا تاخذني على غرة ولا تجعلني مع الغفلين -

(مقدّمہ تقریر خطبات مرقیہ)

قوت تحریر

قوت تقریر کے ساتھ تحریر میں بھی ان کو کمال تھا۔ ان کے فرامین خطوط دستور العمل، قواعد، ہر قسم کی تحریریں آج موجود ہیں جو جس مضمون پر ہے اس باب میں بے نظیر ہے۔ چنانچہ ہم بعض تحریریں نقل کرتے ہیں۔

ابو موسیٰ اشعری کے نام

اما بعد فان للناس نفرة عن سلطانهم فاعوذ بالله ان تدركني واياك عمياء مجبولة وضائف مجبولة واهواء متبعة كن من مال الله على حذر وخوف الفساق واجعلهم ينادي ورجلا رجلا وانا كانت بين القوم نائرة يا فلان فانما تلك نجوى الشيطان فاضربهم بالسيف حتى يفيؤ الي اسر الله ويكون دعوتهم الي الاسلام

ایک اور تحریر ابو موسیٰ کے نام

اما بعد فان القوة في العمل ان لا تؤخروا عمل اليوم لغد فانكم اذا فعلتم ذلك تداركت عليكم الاعمال فلم تدروا ايها تلتخذون لضعفتم

عمو بن العاص کو جب مصر کا گورنر مقرر کر کے بھیجا تو انہوں نے خراج کے بھیجنے میں دیر کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تاکید لکھی، عمو بن العاص نے بھی نہایت آزادی اور دلیری سے جواب دیا۔ یہ تحریریں مقرر نے تاریخ مصر میں بعثت نقل کی ہیں، ان کے لکھنے سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زور قلم کا اندازہ ہوتا ہے۔ بعض فقرے ایسے ہیں۔

وقد علمت انه لم يمنعك من ذلك الا ان عما لك عمال السوء اتخذوك كهفا وعندي باذن الله دواء فيه شفاء اني عجب من كثرة كسبي اليك في ابطانك بالخراج وكتا بك التي بنيت الطرق عما اسلك فيه - فلا تجزع ابا عبد الله ان يوخذ منك الحق وتعطاه فان النهر يخرج الدر -

مذاق شاعری

شعرو شاعری کی نسبت اگرچہ ان کی شہرت عام طور پر کم ہے اس میں شبہ نہیں کہ شعر بہت کم کہتے تھے لیکن شعر شاعری کا مذاق ایسا عمدہ رکھتے تھے کہ ان کی تاریخ زندگی میں یہ واقعہ متروک نہیں ہو سکتا، عرب کے اکثر مشہور شعراء کا کلام کثرت سے یاد تھا اور تمام شعراء کے کلام پر ان کی خاص خاص رائیں تھیں۔ اہل ادب کو عموماً تسلیم ہے کہ ان کے زمانے میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص شعر کا پرکھنے والا نہ تھا۔ علامہ ابن رشیق القیروانی کتاب العممہ میں جس کا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے لکھتے ہیں۔

وكان من انقذاهل زمانه للشعر واتقاهم لم يعرفه۔

یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے شناسا تھے۔

جانب نے کتاب البیان والیسین میں لکھا ہے

كان عمر بن الخطاب اعلم الناس بالشعر۔ (کتاب البیان والیسین مطبوعہ مصر)

یعنی عمر بن خطاب اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے شناسا تھے۔

نجاشی ایک شاعر تھا جس نے حمیم بن مہیل کے خاندان کی بیوہ کی تھی۔ ان لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی شکایت کی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حسان بن ثابت کو جو مشہور شاعر تھے حکم فرما دیا اور جو فیصلہ انہوں نے کیا اسی کو نافذ کیا۔ اس واقعہ سے چونکہ اس غلط فہمی کا احتمال تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود شعر فہم نہ تھے اس لئے اہل ادب نے جہاں اس واقعہ کو لکھا ہے تو ساتھ یہ بھی لکھا کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکمت عملی تھی وہ بد زبان شعراء کے بیچ میں نہیں پڑنا چاہتے تھے ورنہ شعر کے دقائق ان سے کون بڑھ کر سمجھ سکتا تھا۔

(دیکھو کتاب البیان والیسین جلد ۱ صفحہ ۹۰۔ کتاب العممہ باب تعرض الشعراء)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زہیر کو اشعار الشعراء کہتے تھے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اگرچہ تمام مشہور شعراء کے کلام پر عبور تھا۔ لیکن تین شاعروں کو انہوں نے سب میں انتخاب کیا تھا۔ امراء القیس، زہیر، ہاشم بن عبد مناف۔ ان سب میں وہ زہیر کا کلام سب سے زیادہ پسند کرتے تھے اور اس کو اشعار الشعراء کہتے تھے اہل عرب اور

علماء ادب کے نزدیک اب تک یہ مسئلہ طے نہیں ہوا کہ عرب کا سب سے بڑا شاعر کون تھا؟ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ انفعلیت انہی تینوں میں محدود ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک زہیر کو سب پر ترجیح تھی۔ جریر بھی اسی کا قائل تھا۔ ایک دفعہ ایک غزوہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبداللہ بن عباس سے کہا کہ اشعار الشعراء کے اشعار پر دھو۔ عبداللہ بن عباس نے کہا وہ کون؟ فرمایا! زہیر انہوں نے ترجیح کی وجہ پوچھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے جواب میں جو الفاظ فرمائے وہ یہ تھے۔

زہیر کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ربما رک۔

لانه لا يتبع حشوى الكلام ولا يعاقل من المنطق ولا يقول

الامام يعرف ولا يستدح الرجل الا بما يكون فيه۔

”وہ (زہیر) نامانوس الفاظ کی تلاش میں نہیں رہتا اس کے کلام میں

وجہیدگی نہیں ہوتی اور اسی مضمون کو باندھتا ہے جس سے واقف ہے

جب کسی کی مدح کرتا ہے تو انہی اوصاف کا ذکر کرتا ہے جو واقعی اس

میں ہوتے ہیں۔“

پھر سند کے طور پر یہ اشعار پڑھے

اذا ابتلوت قيس بن هيلان غايه

من المعجذ من سبق اليها بسود

ولو كان حمد يخلد الناس لم تمت

ولكن حمد الناس ليس بمخلد

ناقدین فن نے زہیر کا تمام کلام پڑھ کر جو خصوصیتیں اس میں بتائی ہیں وہ یہ ہیں کہ اس کا کلام صاف ہوتا ہے اور ہاں جو اس کے گوہ جاہلیت کا شاعر ہے اس کی زبان ایسی شستہ ہے کہ اسلامی شاعر معلوم ہوتا ہے اور اس کے ساتھ وہ بجا مبالغہ نہیں کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام خصوصیتوں کو نہایت مختصر لفظوں میں ادا کر دیا۔

زہیر کا معجذ، ہرم بن سنان عرب کا ایک رئیس تھا۔ اتفاق یہ کہ زہیر اور ہرم دونوں کی اولاد نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ پایا۔ اور ان کے دربار میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہرم کے فرزند سے کہا کہ اپنے مدح میں زہیر کا کچھ کلام پڑھو، اس نے

ارشاد کی تعمیل کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تمہارے خاندان کی شان میں زہیر خوب کہتا تھا "اس نے کہا کہ ہم صلہ بھی خوب دیتے تھے" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لیکن تم نے جو دیا وہ فنا ہو گیا۔ اور اس کا دیا ہوا آج بھی باقی ہے۔ زہیر کے بیٹے سے کہا کہ ہرم نے تمہارے باپ کو جو خلعت دیئے تھے کیا ہوئے اس نے کہا بوسیدہ ہو گئے۔ فرمایا لیکن تمہارے باپ نے ہرم کو جو خلعت عطا کئے تھے زمانہ اس کو بوسیدہ نہ کر سکا۔

تابعہ کی تعریف

زہیر کے بعد تابعہ کے معترف تھے اور اس کے اکثر اشعار ان کو یاد تھے۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ سب سے بڑھ کر شاعر کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ آپ سے زیادہ کون جانتا ہے؟ فرمایا کہ یہ شعر کس کا ہے؟

الاسلمحان اذا قال الالعلمه
لعم فی البریۃ فاحذرھا عن الفتد
لوگوں نے کہا کہ تابعہ کا! پھر پوچھایہ شعر کس کا ہے؟

انتھک عار یا خلفا ثانی
علی خوف تظن فی الطنونا
لوگوں نے کہا تاہم کا۔ پھر پوچھایہ شعر کس کا ہے؟

حلفت لکم انک لیسکریۃ
ولیس وراء اللہ للمرء مذهب
لوگوں نے کہا تاہم کے فرمایا کہ یہ شخص اشعر العرب ہے۔ (آٹھویں جلد ۵)

امراء القیس کی نسبت ان کی رائے

بائیں ہند وہ امراء القیس کی استادی اور انجاء مضامین کے منکر نہ تھے ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شعراء کی نسبت ان کی رائے پوچھی تو امراء القیس کی نسبت یہ الفاظ فرمائے۔

ساقیہم خسف لہم عن الشعر والفر عن معان عوز اصح
بصر۔

"وہ سب سے آگے ہے اسی نے شعر کے چشمے سے پانی نکالا۔ اسی نے اندھے مضامین کو بینا کر دیا۔"

آخر فقرہ اس لحاظ سے ہے کہ امراء القیس یعنی قحط اور اہل یمن فصاحت و بلاغت میں

کم درجہ پر مانے جاتے تھے چنانچہ علامہ ابن رشیق نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ (کتاب اللہ باب المشاہیر من الشعراء)

شعر کا ذوق

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذوق سخن کا یہ حال تھا کہ اچھا شعر سنتے تھے بار بار مزے لے لے کر پڑھتے تھے۔ ایک دفعہ زہیر کے اشعار سن رہے تھے۔ یہ شعر آیا۔

وان الحق مقطعة ثلاث
بمن او تغار او جلاء

تو حسن تقسیم پر بہت محفوظ ہوئے اور دیر تک بار بار اس شعر کو پڑھا کئے۔ ایک اور دفعہ عبیدہ ابن الہیث کلامیہ کا قصیدہ سن رہے تھے اس شعر کو سن کر پھر ک اشعر اور دوسرا۔

والمرء ساع لا مرئیس ہدو کہ
والعیش شخ واشفاق وتامیل

مصرع بار بار پڑھتے رہے اسی طرح ابو قیس بن الاصلت کا قصیدہ سنا تو بعض اشعار کو دیر تک دہرا کئے۔ (یہ تمام روایتیں جامع کتاب البیان والیسین صفحہ ۹۹ میں نقل کی ہیں)

حفظ اشعار

اگرچہ ان کو مہمات خلافت کی وجہ سے ان اشغال میں مصروف ہونے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ تاہم چونکہ طبعی ذوق رکھتے تھے۔ سینکڑوں ہزاروں شعریات تھے۔ علامہ ابوب کا بیان ہے کہ ان کے حفظ کا یہ حال تھا کہ جب کوئی معاملہ فیصل کرتے تو ضرور کوئی شعر پڑھتے تھے۔

جس قسم کے وہ اشعار پسند کرتے تھے وہ صرف وہ تھے جن میں خود داری، آزادی، شرافت، نفس، حیثیت، عبرت کے مضامین ہوتے تھے اسی بناء پر امراء القیس اور عمال اضلاع کو حکم بھیج دیا تھا کہ لوگوں کو اشعار یاد کرنے کی تاکید کی جائے۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعری کو یہ فرمان بھیجا۔

مر من قبلک بتعلم الشعر فانہ بدل علی معالی الاخلاق

وصواب الراۃ ومعرفۃ الانساب

"لوگوں کو اشعار یاد کرنے کا حکم دو کیونکہ وہ اخلاق کی بلند باتیں اور

صحیح رائے اور انساب کی طرف راستہ دکھاتے ہیں۔"

تمام اضلاع میں جو حکم بھیجا تھا اس کے یہ الفاظ تھے۔

علموا اولادکم العموم والفروسہ ورووہم ماسار من المثل
وحسن من الشعر (ازالہ الغبار صفحہ ۳۷۸)

”اپنی اولاد کو تیرنا اور شہسواروں کی سکھاؤ اور ضرب المثلیں اور اچھے اشعار یاد کرو“۔

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شاعری کے بست سے ثیوب مٹا دیے۔ اس وقت تمام عرب میں یہ طریقہ جاری تھا کہ شعراء شریف عورتوں کا نام عذابیہ اشعار میں لاتے تھے اور ان سے اپنا عشق جتاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رسم کو مٹا دیا اور اس کی سخت سزا مقرر کی اسی طرح جو کوئی کو ایک جرم قرار دیا اور جیل کو جو مشہور ہو گیا تھا اس جرم میں قید کیا۔

لطیفہ

بنو العجمان ایک نہایت معزز قبیلہ تھا ایک شاعر نے ان کی بھی لکھی انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اگر شکایت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ وہ اشعار کیا ہیں؟ انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

اذا اللہ عادی اهل لوم ورقہ لعادی بنی العجلان رطین مقل
”خدا اگر کہیں آدمیوں کو دشمن رکھتا ہے تو قبیلہ عجمان کو بھی دشمن رکھے“۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ تو جو نہیں بلکہ بدعا ہے کہ خدا اس کو قبول نہ کرے انہوں نے دوسرا شعر پڑھا۔

قبیلہم لا یغفرون بذمۃ ولا یظلمون الناس حبتہ خردل
”یہ قبیلہ کسی سے بد عہدی نہیں کرتا اور نہ کسی پر رائی برابر ظلم کرتا ہے“۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کاش میرا تمام خاندان ایسا ہی ہوتا۔ حالانکہ شاعر نے اس لحاظ سے کہا تھا کہ عرب میں یہ باتیں کمزوری کی علامت سمجھی جاتی تھیں۔

ولا یردون الماء الاعشیۃ اذا صدر للوراد عن کل منہل
”یہ لوگ چشمے یا کنوئیں پر صرف رات کے وقت جاتے ہیں۔ جب اور لوگ واپس آچکے ہیں“۔

یہ بات بھی شاعر نے اس لحاظ سے کہی تھی کہ اہل عرب کے نزدیک بے کس اور کمزور لوگ ایسا کرتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر کہا کہ بھیڑ سے بچنا تو اچھی بات ہے انہوں نے آخر یہ شعر پڑھا۔

وما سمی العجلان الا لقولہم خذا القصب احلب ابنا العبد و اعجل
”اس کا نام عجلان اس لئے پڑا کہ لوگ اس سے کہتے تھے کہ اسے باندھ لے اور جلدی سے دھال“۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ سید القوم خادمہم۔

علم الانساب

علم الانساب یعنی قبائل کا نام و نسب یاد رکھنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خانہ زاد علم تھا۔ یعنی کئی پشتوں سے چلا آتا تھا ان کے باپ خطاب مشہور نساب تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس فن کی معلومات کے متعلق اکثر ان کا حوالہ دیا کرتے تھے خطاب کے باپ فضیل بھی اس فن میں شہرت رکھتے تھے چنانچہ واقعات کو ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابتدائی حالات میں لکھ آئے ہیں۔

لکھنا پڑھنا بھی جیسا کہ ہم آغاز کتاب میں لکھ آئے ہیں اسلام سے پہلے سیکھ لیا تھا۔

عبرانی زبان سے واقفیت

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر انہوں نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی۔ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک توریت کا ترجمہ عربی زبان میں نہیں ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب توریت کا کچھ کام پڑتا تھا تو عبرانی نسخہ ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ اور چونکہ مسلمان عبرانی نہیں جانتے تھے اس لئے یہودی پڑھ کر سناتے اور عربی میں ترجمہ کرتے جاتے صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ۔

کان اهل الکتاب یقرءون التوراة بالعبرانیۃ ویفسرونها
بالعربیۃ لا اهل الاسلام۔

”یعنی اہل کتاب توریت کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں

کے لئے عربی میں اس کا ترجمہ کرتے جاتے تھے۔

مسند واری میں روایت ہے کہ "ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تورات کا ایک نسخہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور اس کو پڑھنا شروع کیا۔ وہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خیر ہوتا جاتا تھا (مسند واری مطبوعہ کانپور صفحہ ۳۱۱) اس سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبرانی زبان اس قدر سیکھ گئے تھے کہ تورات کو خود پڑھ سکتے تھے۔

یہ امر بھی صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ یہودیوں کے ہاں جس دن تورات کا درس ہوا کرتا تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر شریک ہوتے تھے ان کا خود بیان ہے کہ میں یہودیوں کے درس کے دن ان کے ہاں جایا کرتا تھا۔ چنانچہ یہودی کہا کرتے تھے کہ تمہارے ہم مذہبوں میں سے ہم تم کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ کیونکہ تم ہمارے پاس آتے جاتے ہو۔

(کنز العمال بروایت بیہقی وغیرہ جلد اول صفحہ ۱۲۳۳)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لغوی اور نکتہ سنجی نے یہاں بھی کام دیا۔ یعنی جس قدر وہ یہودیوں کی کتابوں سے واقف ہوتے گئے اسی قدر ان کے یہودی افسانوں اور قصوں سے نفرت ہوتی گئی۔ نہایت کثرت سے روایتیں موجود ہیں کہ شام و عراق وغیرہ میں مسلمانوں کو یہودیوں کی تصنیفات ہاتھ آئیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو نہایت سختی سے ان کو پڑھنے سے روکا۔

ذہانت و طباطبائی

ان کی ذہانت و طباطبائی کا صحیح اندازہ اگرچہ ان کے فقہی اجتہادات سے ہو سکتا ہے جس کا ذکر علمی کمالات میں اوپر گذر چکا ہے۔ لیکن ان کی معمولی بات بھی ذہانت و طباطبائی سے خالی نہیں۔ چنانچہ ہم دو تین مثالیں نمونہ کے طور پر لکھتے ہیں۔

عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب انہوں نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا تو برس دن بھی نہیں گزرے تھے کہ لوگوں نے دوبار خلافت میں شکایت پیش کی کہ وہ رعب و داب اور سیاست کے آدمی نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو واپس بلا لیا اور کہا کہ میں خود بھی اس بات کو جانتا تھا۔ لیکن میں نے خیال کیا کہ شاید اللہ تعالیٰ آپ کو اس آیت کا مصداق

بنائے۔ (تاریخ طبری واقعہ منزل عمار بن یاسر)

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَ عَلَىٰ النَّفْسِ اسْتِغْفِرُوا لِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ۔

"ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر جو کمزور ہیں احسان کریں اور ان کو امام اور زمین کا وارث بنائیں۔"

ایک دفعہ ایک شخص کو دعائے نکتہ سنا کہ "خدا یا! مجھ کو قتلوں سے بچانا۔" فرمایا کہ تم یہ چاہتے ہو کہ خدا تم کو کل اولاد دے (ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۰۵) (قرآن مجید میں خدا نے کل اولاد کو قتل نہ کیا ہے)

انما اموالکم واولادکم فتنۃ۔

ایک دفعہ ایک شخص نے پوچھا کہ دریا کے سفر میں قعر ہے یا نہیں؟ اس کی غرض یہ تھی کہ دریا کا سفر شرمنا سفر ہے یا نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیوں نہیں؟ خدا خود فرماتا ہے۔

هو الذی یسیرکم فی البر والبحر

"وہ (خدا) وہ ہے جو تم کو خشکی اور تری کی سیر کراتا ہے۔"

حکیمانہ مقولے

اتنے حکیمانہ مقولے اکثر ادب کی کتابوں میں اور خصوصاً مجمع الامثال میدانی کے خاتمہ میں کثرت سے نقل کئے ہیں نمونے کے طور پر بعض مقولے یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

من کتم سرہ کان الخیار فی یدہ۔

"جو شخص راز چھپاتا ہے وہ اپنا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔"

اتقوا من تبغض قلوبکم اعقل الناس اعذوہم للناس۔

"جس سے تم کو نفرت ہو اس ڈرتے رہو سب سے زیادہ عاقل وہ شخص ہے جو اپنے افعال کی اچھی تاویل کر سکا ہو۔"

لا تؤخر عمل یومک الی غدک۔

"آج کا کام کل پر اٹھانہ رکھو۔"

ابتدوا من الایمان یخرج اعناقہا۔

”روپے سرو نچا کئے بغیر نہیں رہتے۔“

مادہ برشی فاقبل۔ ”جو چیز پیچھے ہٹی پھر آگے نہیں بڑھتی۔“

من لم يعرف الشریعۃ لم ی-

”جو شخص شرعی باتوں سے باخبر نہ ہو اس کی ہمت میں جھٹکا ہو گا۔“

ماسألنی رجل الاتین لی فی عقلت-

جب کوئی شخص مجھ سے سوال کرتا ہے تو مجھ کو اس کی عقل کا اندازہ معلوم ہو جاتا ہے۔“

واعظ سے خطاب کر کے

لا یلھک الناس عن نفسك اقلل من الدنيا تعش حراتک الخطلۃ اسهل من معالجتہ التوبۃ-

”لوگوں کی فکر میں تم اپنے تئیں بھول نہ جاؤ دنیا قموڑی سی لو تو آزادانہ بسر کرو گے توبہ کی تکلیف سے گناہ کا چھوڑ دینا زیادہ آسان ہے۔“

لی علی کل خانین اسبان الماء والطين

”ہر دریائے پر میرے دو داروئے متعین ہیں آب و گل۔“

لو ان الصبر والشکر بعیران ما ہالت علی ابھما رکبت-

”اگر صبر و شکر دو سواریاں ہوتیں تو میں اس کی نہ پرواہ کرتا کہ دونوں میں سے کس پر سوار ہوں۔“

رحم اللہ امیر اہلنی الی عوی-

”خدا اس شخص کا بھلا کرے جو میرے عیب میرے پاس تجھے میں بھیجتا ہے (یعنی مجھ پر میرے عیب ظاہر کرتا ہے)۔“

صائب الرائے ہونا

رائے نہایت صائب ہوتی تھی۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ عمر کسی معاملہ میں کہتے تھے کہ میرا اس کی نسبت یہ خیال ہے تو یہ پیش کیا کرتا تھا۔ جو ان کا گمان ہوتا تھا۔ (صحیح بخاری باب الامار)

اس سے زیادہ اصابت رائے کی کیا دلیل ہوگی۔ کہ ان کی ہمت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں۔ اور آج تک قائم ہیں۔

اذان کا طریقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے قائم ہوا

نماز کے اعلان کے لئے جب ایک معین طریقہ کی تجویز پیش ہوئی تو لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔ کسی نے ناقوس کا نام لیا۔ کسی نے تری کی رائے دی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ایک آدمی کیوں نہ مقرر کیا جائے۔ جو نماز کی منادی کیا کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت بلال کو حکم دیا کہ اذان دیں۔ چنانچہ یہ پہلا دن تھا کہ اذان کا طریقہ قائم ہوا اور درحقیقت ایک مذہبی فرض کے لئے اس سے زیادہ کوئی طریقہ مؤثر اور موزون نہیں ہو سکتا تھا۔

امیران بدر

امیران بدر کے معاملے میں جب اختلاف ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو رائے دی وہی اسی کے موافق آئی۔

ازواج مطہرات کا پردہ

آنحضرت کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن پہلے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر بارہا خیال ہوا۔ اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی کا انتظار فرماتے تھے چنانچہ خاص پردہ کی آیت نازل ہوئی جس کو آیت حجاب کہتے ہیں۔

منافقوں پر نماز جنازہ

عبداللہ بن ابی جو منافقوں کا سردار تھا۔ جب مرا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلق نبوی کی بناء پر کعبہ کی نماز پڑھنی چاہی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شدت سے منع کیا کہ آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں! اس پر یہ آیت اتری ولا تصل علی احد منہم یہ تمام واقعات صحیح بخاری وغیرہ میں مذکور ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے صائب کا نتیجہ تھا کہ قرآن مجید مدون مرتب ہوا۔ ورنہ حضرت ابو بکر اور زید بن ثابت (کاتب وحی) دونوں صاحبوں نے پہلے اس تجویز سے

مخالفت کی تھی۔

تمام مذہبی اور ملکی اہم مسائل میں جہاں جہاں صحابہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اختلاف ہوا یا اشتباہ بعض موقعوں کی عموماً عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائیں صائب نکلیں، ممالک مفتوحہ کے متعلق اکثر صحابہ متفق نہ لائے تھے کہ فوج کو تقسیم کر دیئے جائیں۔ ایک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس رائے کے خلاف تھے اور اگر لوگوں نے ان کی رائے کو نہ مانا ہوتا تو اسلامی مملکت آج کاشنگاری سے بدتر ہو گئی ہوتی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں فتوحات کی آمدنی میں ہر شخص کا برابر حصہ لگاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حقوق اور کارگزاری کے فرق مراتب کے لحاظ سے مختلف شرحیں قرار دیں، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت دونوں صاحبوں نے اموات اولاد کی خرید و فروخت کو جائز رکھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مخالفت کی۔ ان تمام واقعات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کو جو ترجیح ہے وہ محتاج دلیل نہیں۔

قابلیت خلافت کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے

خلافت کے متعلق جب بحث پیدا ہوئی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد کون اس بارگراں کو اٹھا سکتا ہے؟ تو چھ صاحبوں کے نام لئے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر ایک سے متعلق خاص خاص رائیں دیں اور وہ سب صحیح نکلیں۔

نکتہ سنجی اور غوری

وہ ہر کام میں غور و فکر کو عمل میں لاتے تھے اور ظاہری باتوں پر محروس نہیں کرتے تھے۔ ان کا قول تھا کہ۔

لا يعجبكم من الرجال ملطنة

”یعنی کسی کی شہرت کا آواز نہ سن کر دھوکے میں نہ آؤ۔“

اکثر کہا کرتے تھے۔

لا تنظروا التي صلوة امرؤ الا صابم ولكن انظروا التي عقله وصدق

”یعنی آدمی کی نماز روزہ پر نہ جاؤ بلکہ اس کی سچائی اور عقل کو دیکھو۔“

ایک دفعہ ایک شخص نے ان کے سامنے کسی کی تعریف کی، فرمایا کہ تم سے بھی معاملہ پڑا ہے؟ اس نے کہا نہیں، پوچھا کہ کبھی سفر میں ساتھ ہوا ہے۔ اس نے کہا نہیں، فرمایا کہ تو تمہارا کہتے ہو جو جانتے نہ نہیں۔ احادیث کے باب میں بڑی غلطی جو لوگوں سے ہوئی یہی تھی کہ اکثر محدثین جس کو زاہد و پارسا دیکھتے تھے اللہ سمجھ کر اس سے روایت شروع کر دیتے تھے۔ عبدالکریم بن ابی الحنفیہ جو ایک ضعیف الروایہ شخص تھا اس سے امام مالک نے روایت کی۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ایسے شخص سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا۔

عرونی بکثرة جلوسه في المسجد - (بخاری ص ۳۸)

”یعنی اس بات نے مجھ کو دھوکہ دیا کہ وہ کثرت سے مسجد میں بیٹھا کرتا تھا۔“

مذہبی زندگی

دن کو مهمات خلافت کی وجہ سے کم فرصت ملتی تھی۔ اس لئے عبادت کا وقت رات کو مقرر تھا۔ معمول تھا کہ رات کو نکلیں پڑھتے تھے جب صبح ہونے کو آتی تو گھر والوں کو بگاتے اور یہ آیت پڑھتے **وامر اهلك بالصلاة** (مؤطا امام مالک) فجر کی نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے۔ لیکن زیادہ سے زیادہ ۴۰ سورتیں پڑھتے تھے عبداللہ بن عامر کلیان ہے کہ میں نے ایک دفعہ ان کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی تو انہوں نے سورۃ یوسف اور حج پڑھی تھی۔ یونس، کف، ہود کا پڑھنا بھی ان سے موسیٰ ہے۔

نماز

نماز جماعت کے ساتھ پسند کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میں اس کو تمام رات عبادت پر ترجیح دیتا ہوں۔ کوئی ضروری کام آرتا اور وقت کا خیر کا خوف نہ ہوتا تو پہلے اس کو انجام دیتے ایک دفعہ اقامت ہو چکی تھی اور صفیں درست ہو چکی تھیں ایک شخص صف سے نکل کر ان کی طرف بڑھا۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور دیر تک اس سے باتیں کرتے رہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ کھانے سے فاسخ ہو تو تب نماز پڑھو۔ بعض اوقات جہاد وغیرہ کے اہتمام میں اس قدر مصروف رہتے تھے کہ نماز میں بھی وہی خیال بندھا رہتا تھا۔ خود ان کا قول ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں اور فوجیں تیار کرتا ہوں۔

۱۔ یہ قول ازاد افغانی حدیث دوم صفحہ ۲۸ میں نقل کیا ہے۔
۲۔ ازالہ الغمما بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۶۰۔

ایک اور روایت میں ہے کہ میں نے نماز میں بحرین کے جزیرہ کا حساب کیا۔ ایک دفعہ نماز پڑھ رہے تھے کہ آیت **فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ** آئی تو کعبہ کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ کیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ نماز میں اس قدر اشارہ کرنا جائز ہے۔ بعض اوقات جمعہ کا خطبہ پڑھتے پڑھتے کسی سے مخاطب ہو جاتے۔ موطا امام مالک میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جمعہ میں دیر ہو گئی اور مسجد میں اس وقت پہنچے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ شروع کر دیا تھا۔ عین خطبہ کی حالت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دیکھا اور کہا یہ کیا وقت ہے؟ انہوں نے کہا میں بازار سے آ رہا تھا کہ اذان سنی فوراً وضو کر کے حاضر ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا وضو پر کیوں اکتفا کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیا کرتے تھے۔

روزہ

ابوبکر بن شیبہ نے روایت کی ہے کہ مرنے سے دو برس پہلے متصل روزے رکھنے شروع کئے تھے۔ لیکن انہی کی یہ روایت بھی ہے کہ ایک شخص کی نسبت سنا کہ صائم اللہ ہر ہے تو اس کے مارنے کے لئے وہ اٹھایا۔ (ازالہ الخفاء صفحہ ۱۲۲) حج ہر سال کرتے تھے اور خود میر قافلہ ہوتے تھے۔

قیامت کے مواخذہ سے بہت ڈرتے تھے اور ہر وقت اس کا خیال رہتا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعریؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیوں ابو موسیٰ! تم اس پر راضی ہو کہ ہم لوگ جو اسلام لائے اور ہجرت کی اور رسول اللہ کی خدمت میں ہرگز موجود رہے۔ ان تمام باتوں کا صلہ ہم کو یہ ملے کہ برابر برابر پر چھوٹ جائیں، نہ ہم کو ثواب ملے نہ عذاب۔ ابو موسیٰؓ نے کہا نہیں یہ تو اس پر ہرگز راضی نہیں ہم نے بہت سی نیکیاں کی ہیں اور ہم کو بہت کچھ امید ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے کہ میں تو صرف اسی قدر چاہتا ہوں کہ ہم بے مواخذہ چھوٹ جائیں۔“ مرنے کے وقت یہ شعر پڑھتے تھے۔

ظلم لنفسی غیرانی مسلم اصلی الصلوۃ کلبھا واصوم

بے تعصبی

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غریب کی مجسم تصویر تھے لیکن زاہد منتشت نہ تھے

۱۔ ازالہ الخفاء بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ

ہمارے علماء عیسائیوں کا برتن وغیرہ استعمال کرنا تقدس کے خلاف سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت امام بخاریؒ اور امام شافعیؒ نے روایت کی ہے۔ **تَوْضُأً مِنْ مِلْحٍ جَعَلَ بِهِ عِنْدَ نَصْرَانِيَّةٍ**۔ (ازالہ الخفاء صفحہ ۸۸ جلد دوم)۔ بغوی کی روایت اس سے زیادہ صاف ہے۔ **تَوْضُأً عَمْرٍو مِنْ مِلْحٍ جَعَلَ عِنْدَ نَصْرَانِيَّةٍ**۔ (ازالہ الخفاء صفحہ ۳۸)۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک عیسائی عورت کے گھر کے پانی سے وضو کیا۔ بغوی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ عیسائی جو غیر بتاتے ہیں اس کو کھانا (ازالہ الخفاء صفحہ ۳۸)۔ عیسائیوں وغیرہ کا کھانا آج مکروہ اور ممنوع بتایا جاتا ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معاہدات میں یہ قاعدہ داخل کر دیا تھا کہ جب کسی مسلمان کا گذر ہو تو عیسائی اس کو تین دن مہمان رکھیں، آج غیر قوموں سے عداوت اور ضد رکھنے کی تعلیم دی جاتی ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ مرتے مرتے بھی عیسائی اور یہودی رعایا کو نہ بھولے چنانچہ ان کی نسبت رحم اور ہمدردی کی دو وصیت کی وہ صحیح بخاری و کتاب الخراج وغیرہ میں مذکور ہے شاہ ولی اللہ صاحب نے اس امر کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محاسن و فضائل میں شمار کیا ہے کہ وہ اہل ذمہ (عیسائی اور یہودی جو مسلمانوں کے ملک میں رہتے تھے) کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید کرتے تھے چنانچہ شاہ صاحب کے خالص الفاظ یہ ہیں ”وازاں جملہ آنکہ باحسان اہل ذمہ تاکید فرمود“۔ (ازالہ الخفاء صفحہ ۱۰۰ جلد دوم)

محب طبری وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے افسروں کو عیسائیوں کے ملازم رکھنے سے بھی منع کرتے تھے افسوس ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ان روایتوں کو قبول کیا ہے۔ لیکن جس شخص نے محب طبری کتاب (ریاض النضرۃ) دیکھی ہے وہ پہلی نظر میں سمجھ سکتا ہے کہ ان روایتوں کا کیا پایہ ہے ان بزرگوں کو بھی یہ خبر نہیں کہ عراق، مصر، شام کا دفتر مال گذاری جس قدر تھا سریانی و قبطی وغیرہ میں تھا۔ اور اس وجہ سے دفتر مال گذاری کے تمام عمال بجوسی یا عیسائی تھے ملازمت اور خدمت ایک طرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو فتن فراغ کی ترتیب اور درستی کے لئے ایک رومی عیسائی کو مدینہ منورہ میں طلب کیا تھا چنانچہ علامہ بلاذری نے اس واقعہ کو کتاب الاشراف میں بتدریج لکھا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

ابحث المناہرو می یقیم لنا حساب لرا انضنا

”ہمارے پاس ایک رومی کو بھیج دو جو فراغ کی حساب کو درست کر دے۔“

آج غیر مذہب کا کوئی شخص مکہ معظمہ نہیں جاسکتا اور یہ ایک شرعی مسئلہ خیال کیجئے
ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں غیر مذہب والے بے تکلف مکہ معظمہ
جاتے تھے۔ اور جب تک چاہتے تھے مقیم رہتے تھے چنانچہ قاضی ابویوسف نے کتاب
الخروج میں متعدد واقعات نقل کئے ہیں (کتاب الخراج صفحہ ۷۷-۷۸) آج کل یورپ والے
جو اسلام پر تنقید دلی اور وہم پرستی کا الزام لگاتے ہیں۔ اسلام کی تصویر خلفائے راشدین کے
حالات کے آئینہ میں نظر آسکتی ہے۔

علمی صحبتیں

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں اکثر علمی مسائل پر گفتگو ہوا کرتی ایک دن
صحابہ بدر (دو صحابہ جو جنگ بدر میں رسول اللہ کے شریک تھے) مجلس میں جمع تھے حضرت
عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجمع صحابہ کی طرف خطاب کر کے کہا اذاجاء نصر اللہ والفتح
سے کیا مراد ہے؟ بعضوں نے کہا کہ خدا نے حکم دیا ہے کہ جب فتح حاصل ہو تو ہم خدا کا شکر
بجلائیں۔ بعض بالکل چپ رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف
دیکھا انہوں نے کہا "اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی طرف اشارہ ہے" یعنی
اے محمد! جب فتح و نصرت آپ کی تو یہ تیرے دنیا سے اٹھنے کی علامت ہے اس لئے تو خدا کی حمد کر
اور گناہ کی معافی مانگ" بے شک خدا بڑا قبول کرنے والا ہے۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا
جو تم نے کہا یہی میرا خیال ہے (صحیح بخاری جلد ۱۰ صفحہ ۷۷)

ایک اور دن صحابہ کا مجمع تھا۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک تھے
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کے معنی پوچھے ابو واحد کم ان تکون لہ
جندہ لوگوں نے کہا کہ خدا زیادہ جانتا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لا حاصل
جواب پر غصہ آیا۔ اور کہا کہ نہیں معلوم ہے تو صاف کہتا چاہئے کہ نہیں معلوم ہے عبد اللہ
بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیت کے صحیح معنی جانتے تھے لیکن کم عمری کی وجہ سے
جھجھکتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دیکھا اور کہا کہ صاحبزادے!
اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھو جو تمہارے خیال میں ہو بیان کرو۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے کہا کہ خدا نے ایک کام کرنے والے شخص کی تمثیل دی ہے چونکہ جواب نامتام

تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر قناعت نہ کی لیکن عبد اللہ بن عباس اس سے
زیادہ نہ بتا سکتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ اس آدمی کی تمثیل ہے جس کو
خدا نے دولت و نعمت دی کہ خدا کی بندگی بجلائے اس نے نافرمانی کی تو اس کے اچھے اعمال
بھی برباد کر دیئے۔

ایک دفعہ مہاجرین صحابہ میں سے ایک صاحب نے شراب پی اور اس جرم میں ماضی
ہو کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے آئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سزا دینی
چاہی۔ انہوں نے کہا کہ قرآن کی اس آیت سے ثابت ہے کہ ہم لوگ اس گناہ کے سزا کے
مستوجب نہیں ہو سکتے پھر یہ آیت لیس علی الذین آمنوا و عملوا الصالحات جنات فیما
طعموا "یعنی جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کئے انہوں نے جو کچھ کھایا یا ان پر
الزام نہیں" اسناد لال میں پیش کر کے کہا کہ "میں بدر خندق حدیبیہ اور دیگر غزوات میں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں اس لئے میں ان لوگوں میں داخل ہوں جنہوں
نے اچھے کام کئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کی طرف دیکھا۔ عبد اللہ بن عباس
رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے کہ یہ معافی پچھلے زمانہ کے متعلق ہے یعنی جن لوگوں نے شراب کی
حرمت نازل ہونے سے پہلے شراب پی ان کے اور اعمال اگر صالح ہیں تو ان پر کچھ الزام نہیں
اس کے بعد یہ آیت پڑھی۔ جس میں شراب کی ممانعت کا صریح حکم ہے۔

(ازالہ افتاء، رجال روایت حاکم صفحہ ۲۴)

لایہا الذین آمنوا و اما العمر و المسر والانصاب والالزام وجش من عمل
الشیطن فاجتنبوا۔

ارباب صحبت

جن لوگوں سے صحبت رکھتے تھے وہ عموماً اہل علم و فضل ہوتے تھے اور اس میں وہ
نوعر اور معمول کی تمیز نہیں کرتے تھے صحیح بخاری میں ہے (صحیح بخاری جلد ۱۰ صفحہ ۷۷) نبوی نے
زہری سے روایت کی ہے کہ کان مجلس عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ازالہ افتاء، صفحہ ۷۷)

وکان القراء اصحاب مجالس عمر و مشاورتہ کھولاً کانوا و شیاناً۔

"یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہل مجلس اور اہل مشورت علماء تھے خواہ بوڑھے ہوں
یا جوان۔"

فقد کا بہت بڑا حصہ جو منفق ہوا اور فقہ عمری کہلاتا ہے۔ انہی مجلسوں کی بدولت ہوا۔ اس مجلس کے بڑے بڑے ارکان ابی ابن کعب، زید بن ثابت، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبدالرحمن بن عوف، حبر بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تمام لوگوں کو علمی فضیلت کی وجہ سے نہایت عزیز رکھتے تھے۔ معمول تھا کہ جب مجلس میں بیٹھتے تو امتیاز مراتب کے لحاظ سے لوگوں کو باہر یا بائیں کی اجازت دیتے یعنی پہلے قدمائے صحابہ آتے پھر ان سے قریب والے۔ **وعلى هذا** لیکن کبھی کبھی یہ ترتیب توڑی دی جاتی اور یہ امر خاص ان لوگوں کے لئے ہوتا جو علم کی فضیلت میں ممتاز ہوتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قدمائے صحابہ کے ساتھ شامل کر دیا تھا۔ تاہم یہ حکم دیا کہ سوال و جواب میں اور بزرگوں کی ہمسری نہ کریں۔ یعنی جو کچھ کہنا ہو سب کے بعد کہیں اکثر ایسا ہوتا کہ جو لوگ عمر میں کم تھے مسائل کے متعلق رائے دینے میں جھجکتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو بہت دلاتے اور فرماتے کہ علم سن کی کمی اور زیادتی پر نہیں ہو۔ ہے عبداللہ بن عباس اس وقت بالکل نوجوان تھے ان کی شرکت پر بعض اکابر صحابہ نے شکایت کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی خصوصیت کی وجہ بتائی۔ اور ایک علمی مسئلہ پیش کیا جس کا جواب بجز عبداللہ بن عباس کے اور کسی شخص نے صحیح نہیں دیا۔ عبداللہ بن مسعود کی بھی قدر کرتے تھے۔ ہجر ہجری میں جب ان کو کوفہ کا مفتی اور افسر خزانہ مقرر کر کے بھیجا تو اہل کوفہ کو لکھا کہ "میں ان کو معلم اور وزیر مقرر کر کے بھیجتا ہوں اور میں نے تم لوگوں کو اپنے آپ پر ترجیح دی ہے کہ ان کو اپنے پاس سے جدا کرنا ہوں" یاد رہا ایسا ہوا کہ جب کسی مسئلہ کو عبداللہ بن مسعود نے حل کیا تو ان کی شان میں فرمایا۔

كلفت ملئ علماً

"یعنی ایک ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے۔"

اگرچہ فضل و کمال کے لحاظ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کوئی ان کا ہمسرہ نہ تھا۔ تاہم وہ اہل کمال کے ساتھ اس طرح پیش آتے تھے جس طرح خود بزرگ کے ساتھ پیش آتے تھے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابی ابن کعب کی نہایت تعظیم کرتے تھے اور ان سے ڈرتے تھے۔ ابی نے جب انتقال کیا تو فرمایا کہ آج مسلمانوں کا سرور اٹھ گیا۔ زید بن ثابت کو اکثر اپنی غیر حاضری میں اپنا جانشین مقرر کرتے تھے اور جب واپس آتے تھے تو کچھ نہ کچھ جاگیر کے طور ان کو عطا کرتے تھے۔ (میر العزیز

ابو بکر صدیق کے زمانے میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلطی سے قتل کر دیا تھا۔ اس واقعہ نے اس کو اس قدر صدمہ پہنچایا تھا کہ ہمیشہ رویا کرتا اور مرثیے کہا کرتا جس طرف نکل جاتا، زن و مولا اس کے گرد جمع ہو جاتے اور اس سے مرثیے پڑھوا کر سنتے مرثیے پڑھنے کے ساتھ خود رونا جاتا تھا اور سب کو رونا جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مرثیہ پڑھنے کی فرمائش کی۔ اس نے چند اشعار پڑھے اخیر کے شعر یہ تھے۔

و کنا کند مانی جذمة حبة

من الدھر حتی قبل لن تصدعا

لما تفرقا کانی وما لکما

لعلول اجتماع لم نبت لیلۃ معا

”ایک مدت تک ہم دونوں جذیرہ (ایک بادشاہ کا نام ہے) کے غم میں

کے مثل رہے یہاں تک کہ لوگوں نے کہا اب یہ جدا نہ ہوں گے“

پھر جب ہم دونوں جدا ہو گئے تو گویا ایک رات بھی ہم دونوں نے

ساتھ بسر نہیں کی تھی۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متمم سے خطاب کر کے کہا کہ اگر مجھ کو ایسا مرثیہ کہنا آتا تو میں اپنے بھائی زید کا مرثیہ کہتا۔ اس نے کہا امیر المومنین! اگر میرا بھائی آپ کے بھائی کی طرح (یعنی شہید ہو کر) مارا جاتا تو میں ہرگز اس کا ماتم نہ کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ ”متمم نے جیسی میری تعزیت کی کسی نے نہیں کی۔“

اسی زمانے میں ایک اور بڑی مرثیہ گو شاعر و خضاعی اس کا دیوان آج بھی موجود ہے جس میں مرثیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ علمائے ادب کا اتفاق ہے کہ مرثیہ کے فن میں آن تک خضاع کا مثل نہیں پیدا ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو کعبہ میں روئے اور چیتے و کھلے پاس جا کر تعزیت کی۔ اور جب اس کے چار بیٹے جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے تو چادروں کی تختیاں اس کے نام جاری کر دیں۔

پسلوانی اور ہمدانی میں دو شخص علی بن خالد اور عمرو معدی کرب تمام عرب میں ممتاز تھے اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں کو اپنے دربار میں بار دیا۔ اور قادسیہ کے معرکے میں جب ان کو بھیجا تو سعد بن وقاصؓ کو لکھا کہ میں دو ہزار سوار تمہاری مدد کو بھیجتا ہوں۔ عمرو معدی کرب پسلوانی کے ساتھ خطیب اور شاعر

بھی تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے فنون حرب کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے چنانچہ ایک جلسہ میں قبائل عرب اور اسلحہ جنگ کی نسبت جو سوالات کئے اور عمرو معدی کرب نے ایک ایک کی نسبت جن مختصر اور بلیغ فقروں میں جواب دیئے اس کو اہل عرب نے عموماً اور مسعودی نے موج الزہب میں بتفصیل لکھا ہے۔ چنانچہ نیزہ کی نسبت پوچھا تو کہا۔

اخوک ورمما خانک

”یعنی تیرا بھائی ہے لیکن کبھی کبھی ومارے جاتا ہے۔“

پھر تیروں کی نسبت پوچھا تو کہا۔

بردا المنا یا تخطی وتصیب

”یعنی موت کے قاصد ہیں کبھی منزل تک پہنچتے ہیں اور کبھی ہٹک جاتے ہیں۔“

ذوال کی نسبت کہا۔

علیہ تدور الدوائر

اسی طرح ایک ایک ہتھیار کی نسبت عجب عجب بلیغ فقرے استعمال کئے جس کی

تفصیل کا یہ محل نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طریق عمل نے عرب کے تمام قائل آدمیوں کو

دوبار خلافت میں جمع کر دیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی قابلیوں سے بڑے

بڑے کام لئے۔

متعلقین جناب رسول اللہ کا پاس و لحاظ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کا نہایت پاس کرتے تھے جب صحابہ وغیرہ کے روزینے مقرر کرنے چاہے تو عبدالرحمن بن عوف و قیوہ کی رائے تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقدم رکھے جائیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کیا اور کہا کہ ترتیب مدارج میں سب سے مقدم آنحضرت کے تعلقات کے قرب و بعد کا لحاظ ہے چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ بنو ہاشم سے شروع کیا۔ اور اس میں بھی حضرت عباس و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عنہم کے ناموں سے ابتداء کی۔ بنو ہاشم کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت میں قریب بنو امیہ تھے پھر بنو عبدالمطلب بنو نوفل پھر عبدالعزیٰ میاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبیلہ بنو عدی پانچویں درجے میں پڑتا ہے۔ چنانچہ اسی ترتیب سے سب

کے نام لکھے گئے تھو اہوں کی مقدار میں بھی اسی کا لحاظ رکھا۔ سب سے زیادہ تنخواہیں جن لوگوں کی تھیں وہ اصحاب بدر تھے۔ حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ غنیم اگرچہ اس گروہ میں نہ تھے۔ لیکن ان کی تنخواہیں اسی حساب سے مقرر کیں، رسول اللہ کی انزواج مطہرات کی تنخواہیں بارہ بارہ ہزار مقرر کیں۔ اور سب سے بڑی مقدار تھی اسامہ بن زید کی تنخواہ جب اپنے فرزند عبد اللہ سے زیادہ مقرر کی تو عبد اللہ نے عذر کیا۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ کو تجھ سے اور اسامہ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

(یہ تمام تفصیل کتاب الخراج صفحہ ۲۳-۲۵ میں ہے)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت ابوبکر کی ابتدائے خلافت میں (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں) کسی قدر شکر رنجی رہی جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھ مہینے تک حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر بیعت نہیں کی۔ چنانچہ صحیح بخاری باب غزوہ خیبر میں ہے کہ چھ مہینے کے بعد یعنی جب فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہو چکا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مصالحت اور بیعت کی غرض سے بلانا چاہا۔ لیکن یہ کہلا بھیجا کہ آپ تھا آئیں۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی پسند نہیں کرتے تھے۔

(بخاری کے اصلی الفاظ یہ ہیں کہ گھراہیہ تلمحضر عمر)

لیکن رفتہ رفتہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت کا ملال جاتا رہا تو بالکل صفائی ہو گئی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑی بڑی مہمات میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورہ کے بغیر کام نہیں کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورے دیتے تھے۔ نہایت کے معرکے میں ان کو سپہ سالار بھی بنانا چاہا لیکن انہوں نے منکور نہیں کیا۔ بیت المقدس گئے تو کاروبار خلافت انہی کے ہاتھ میں دے کر گئے۔ اتحاد یگانگت کا اخیر مرتبہ یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جو فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بطن سے تھیں ان کے عقد میں دے دیا۔ چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اخلاق، عادات، تواضع و سادگی

ان کے اخلاق و عادات کے بیان میں مؤرخین نے تواضع اور سادگی کا مستقل عنوان

قائم کیا ہے اور درحقیقت ان کی عظمت و شان کے تاج پر سادگی کا طرہ نہایت خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ ان کی زندگی کی تصویر کا ایک رخ یہ ہے کہ روم و شام پر فوجیں بھیج رہے ہیں۔ قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے معاملہ پیش ہے۔ خالد و امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے باز پرس ہے، سعد بن ابی وقاص، ابو موسیٰ اشعری، عمرو بن العاص کے نام احکام لکھے جا رہے ہیں۔ دوسرا رخ یہ ہے کہ بدن پر بارہ پیوند کا کرتہ ہے۔ سر پر پٹنا ساعمامہ ہے۔ پاؤں میں پٹھو جوتیاں ہیں پھر اس حالت میں یا تو کانڈھے پر منک لٹے جا رہے کہ بیوہ عورتوں کے گھر پانی نہیں ہے یا مسجد کے گوشے میں فرش خاک پر لیٹے ہیں اس لئے کام کرتے کرتے تھک گئے ہیں اور نیند کی جھپکی سی آگئی ہے۔ (آب مذکور صفحہ ۳۸ باب اربعہ)

بارہا مکہ سے مدینہ تک سفر کیا، لیکن خیمہ یا شامیانہ کبھی ساتھ نہیں رہا جہاں ٹھہرتے کسی درخت پر چادر ڈال دی اور اسی کے سائے میں پڑ رہے ابن سعد کی روایت ہے کہ ان کا روزانہ خانگی خرچ دو درہم تھا جس کے کم بیش مہر آنے ہوتے ہیں ایک دفعہ اصنف بن قیس رؤسائے عرب کے ساتھ ان سے ملنے کو گئے دیکھا تو دامن چڑھائے اور اوپر دوڑتے پھرتے ہیں۔ اصنف کو دیکھ کر کہا "تو تم بھی میرا ساتھ دو۔ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے تم جانتے ہو ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق شامل ہے" ایک شخص نے کہا کہ امیر المؤمنین آپ کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں کسی غلام کو حکم دیجئے وہ ڈھونڈ لائے گا۔ فرمایا ائنی عبدی عبد مستی "یعنی مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے۔"

مؤطا امام محمد میں روایت ہے کہ جب شام کا سفر کیا تو شہر کے قریب پہنچ کر قضاے حاجت کے لئے سواری سے اترے، اسلم ان کا غلام بھی ساتھ تھا۔ فارغ ہو کر آئے تو (بھول کر یا کسی مصلحت سے) اسلم کے اونٹ پر سوار ہو گئے اور اہل شام بھی استقبال کو آ رہے تھے۔ جو آتا تھا پہلے اسلم کی طرف متوجہ ہوتا تھا۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ لوگوں کو تعجب ہوتا تھا اور آپس میں حیرت سے سرگوشیاں کرتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ان کی نگاہیں عجیبی شان و شوکت و صومند رہی ہیں (وہ یہاں کہاں)۔

ایک خطبہ میں کہا کہ "مسا جوا! ایک نملے میں میں اس قدر ٹلاؤں تھا کہ لوگوں کو پانی بھر کر لاؤا کرتا تھا۔ اس کے صلے میں وہ مجھ کو چھوہا رہے، دیتے تھے وہی کھا کر بسر کرتا تھا۔" یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ منبر پر کسے کی کیا بات تھی۔ فرمایا کہ میری

طبیعت میں ذرا غور آیا تھا یہ اس کی دوا تھی۔

۳۳ ہجری میں سرج کیا اور وہ زمانہ تھا کہ ان کی سلطوت و جہوت کا آفتاب نصف النہار پر آیا تھا۔ سعید بن المسیب جو ایک مشہور تابعی گذرے ہیں وہ بھی اس سفر میں شریک تھے ان کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ابلج میں پہنچے تو مگر بڑے سمیٹ کر اس پر کپڑا ڈال دیا اور اسی کو ٹکلیہ بنا کر فرش خاک پر لیٹ گئے پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور کہا اے خدا! میری عمر اب زیادہ ہو گئی ہے اب قویٰ کمزور ہو گئے اب مجھ کو دنیا سے اٹھا لے (ابن ماجہ ۲۴۰۰ صحیح مسلم ۲۴۰۰)

زندہ دلی

اگرچہ خلافت کے افکار نے ان کو خشک مزاج بنا دیا تھا۔ لیکن یہ ان کی طبیعتی حالت نہ تھی کبھی کبھی موقع ملتا تو زندہ دلی کے اشغال سے جی ہلاتے تھے ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس سے رات بھر اشعار پڑھوایا کئے ”جب صبح ہونے لگی تو کہا کہ اب قرآن پڑھو۔“ محدث ابن الجوزی نے سیرۃ العرین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ رات کو گفت کر رہے تھے ایک طرف سے گانے کی توازی آئی۔ اور متوجہ ہوئے اور دیر تک کھڑے بیٹھے رہے۔ ایک دفعہ سفر حج میں حضرت عثمان، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ ساتھ تھے۔ عبداللہ بن زبیر اپنے ہم سنوں کے ساتھ چل کر تے تھے۔ اور حنظل کے دانے اچھالتے چلتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف اس قدر فرماتے تھے کہ دیکھو اونٹ بھڑکنے نہ پائیں۔ لوگوں نے دیہاج سے حدی گانے کی فرمائش کی۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیال سے رکے۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ ناراضی نہ ظاہر کی تو دیہاج نے گانا شروع کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بیٹھے رہے۔ جب صبح ہو چلی تو فرمایا کہ ”ہنس اب خدا کے ذکر کا وقت ہے۔ ایک دفعہ سرج میں ایک سوار کا آجا رہا تھا۔ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ اس کو منع نہیں کرتے فرمایا کہ گانا شتر سواروں کا زادو دار ہے۔ خوات بن جبر کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سفر میں میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھا۔ ابو عبیدہ اور عبدالرحمن بن عوف بھی ہمراہ تھے۔ لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ ضرار کے اشعار گائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بستر یہ ہے کہ اپنے اشعار گائیں چنانچہ میں نے گانا شروع کیا اور ساری رات گاتا رہا۔ (ازانہ النہار صفحہ ۸۸)

مزاج کی سختی

مزاج قدرتی طور پر نہایت تند، تیز اور زود مشتعل واقع ہوا تھا۔ جاہلیت کے زمانے میں تو وہ قہر مجسم تھے۔ لیکن اسلام کے بعد بھی مدتوں تک اس کا اثر نہیں گیا۔ غزوہ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو معصوم ہے کافروں نے بنو ہاشم کو مجبور کر کے اپنے ساتھ لیا ورنہ وہ خود کبھی نہ آتے۔ اس لئے اگر ابوا بھخری یا عباس وغیرہ کہیں نظر آئیں تو ان کو قتل نہ کرنا۔ ابو حذیفہ بول اٹھے کہ ہم اپنے باپ، بیٹے، بھائی سے درگزر نہیں کرتے تو بنو ہاشم میں کیا خصوصیت ہے۔ واللہ اگر عباس مجھ کو ہاتھ آئیں گے تو میں ان کو تلوار کا مزو پکھاؤں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل یہ گستاخی ناگوار گزری۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب ہو کر فرمایا ابو حفص (حضرت عمر کی کنیت تھی) دیکھتے ہو۔ علم رسول کا چہرہ تلوار کے قابل ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے آپ سے باہر ہو گئے۔ اور کہا کہ ”اجازت دیجئے کہ میں اس کا سرا ڈاؤں۔“ حذیفہ بڑے رتبہ کے صحابی تھے اور یہ جملہ اتفاقیہ ان کی زبان سے نکل گیا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کچھ مواخذہ نہیں کیا۔

حاطب بن ابی بلتعہ ایک معزز صحابی تھے۔ اور غزوہ بدر میں شریک رہے تھے انہوں نے ایک دفعہ ایک ضرورت سے کفار مکہ سے خفیہ خط و کتابت کی۔ یہ راز کھل گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ برا فروخت ہو کر آنحضرت کے پاس پہنچے کہ یہ کافر ہو گیا ہے مجھ کو اجازت دیجئے کہ اس کو قتل کروں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن ابی حاطب تجھ کو کیا معلوم ہے خدا نے شاید اہل بدر سے کہہ دیا ہو کہ تم جو چاہو کرو۔ میں سب معاف کروں گا۔ ذوالحجہ بصرہ ایک حفص نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گستاخانہ کہا ”عدل اختیار کر“ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصے سے جہاب ہو گئے اور چاہا کہ اس کو قتل کر دیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا۔

ان واقعات سے تم کو اندازہ ہو گا کہ کس طرح ہر موقع پر ان کی تلوار نیام سے نکلی پڑتی تھی اور کافر تو کافر خود مسلمان کے ساتھ ان کا کیا سلوک تھا۔ لیکن اسلام کی برکت اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انحطاط اور خلافت کی مہمات نے ان کو رفتہ رفتہ نرم اور حلیم بنا دیا۔ یہاں تک کہ خلافت کے زمانے میں وہ کافروں کے ساتھ جس رحمدلی اور لطف سے برتاؤ کرتے

تھے آج مسلمانوں سے مسلمان نہیں کرتے۔

آل و اولاد کے ساتھ محبت

ان کی خانگی زندگی کے حالات کم معلوم ہیں قرآن سے اس قدر ثابت ہے کہ وہ انوار و اولاد کے بہت دلدادہ نہ تھے اور خصوصاً انوار کے ساتھ ان کو بالکل شغف نہ تھا جس کی وجہ زیادہ یہ تھی کہ وہ عورتوں کی جس قدر عزت کرنی چاہتے تھے نہیں کرتے تھے صحیح بخاری باب اللباس میں خود ان کا قول مذکور ہے کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو بالکل بچہ سمجھتے تھے جب قرآن نازل ہوا اور اس میں عورتوں کا ذکر آیا تو ہم سمجھے کہ وہ بھی کوئی چیز ہیں۔ تاہم ہم ان کو معاملات میں بالکل دخل نہیں دینے دیتے تھے اسی روایت میں ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے اپنی بیوی کو سخت ست کہا۔ انہوں نے بھی برابر کا جواب دیا۔ اس پر کہا اب تمہارا یہ رتبہ پہنچاؤ بولیں کہ تمہاری بیٹی بھی رسول اللہ سے دوہو ایسی باتیں کرتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک بیوی بیلہ تھیں ان کے بطن سے عاصم پیدا ہوئے عاصم ابھی صغیر بن ہی تھے کہ حضرت عمر نے کسی وجہ سے ان کو طلاق دے دی۔ یہ حضرت ابوبکر کا زمانہ تھا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قابلہ ہاں اپنے بطن سے تھے مذکر عینہ میں لگے ایک دن اتفاقاً عینہ کی طرف جاننے والے پہنچے اور ساتھ کہیں بہتے تھے نہ نہ تھے ان کو پکڑ کر اپنے گھوڑے پر بٹھالیا اور ساتھ لے جانا چاہا۔ عاصم کی ماں کو خبر ہوئی وہ ان کو مزاحم ہوئیں کہ میرا لڑکا ہے۔ میں اپنے پاس رکھوں گی۔ جھگڑنے سے طو کھینچا اور وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں فریادی آئیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف فیصلہ کیا اور اس لئے وہ مجبور ہو گئے یہ واقعہ مؤطا امام مالک رحمہ اللہ میں مذکور ہے ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے ساتھ ان کا سلوک محبت اور رحم کے اس پایہ پر نہ تھا جیسا کہ اور بزرگوں کا تھا۔ اولاد اہل خانہ ان سے بھی ان کی غیر معمولی محبت نہ تھی۔ البتہ زید سے جو حقیقی بھائی تھے نہایت الفت تھی۔ چنانچہ جب وہ بیمار کی لڑائی میں شہید ہوئے تو بہت روئے اور سخت فتن ہوا فرمایا کرتے تھے کہ جب بیمار کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو مجھ کو زید کی خوشبو آتی ہے۔ عرب کا مشہور مرثیہ گو شاعر مہتمم بن نویرہ جب ان کی خدمت میں آتا تو فرمائش کرتے کہ زید کا مرثیہ کہو۔ مجھ کو تمہارے جیسا کہنا آتا تو میں خود کہتا۔

مسکن

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیسا کہ ہم پہلے حصے میں لکھ آئے ہیں۔ مکہ سے ہجرت کی تو عموالی میں مقیم ہوئے دو مہینہ منورہ سے عین تین میل ہے۔ لیکن خلافت کے بعد غالباً وہاں کی سکونت بالکل چھوڑ دی اور شہر میں اگر رہے یہاں جس مکان میں وہ رہتے تھے وہ مسجد نبوی سے متصل باب السلام اور باب الرحمتہ کے بیچ میں واقع تھا۔ چونکہ مرنے کے وقت وصیت کی تھی کہ مکان بیچ کر ان کا قرضہ ادا کیا جائے۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو خرید اور قیمت سے قرض ادا کیا گیا۔ اس لئے یہ مکان مدت تک دارا انصاف کے نام سے مشہور رہا۔

(دیکھو خلافت النبیانی اخبار دار المصطفیٰ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۹ و حاشیہ مؤطا امام محمد صفحہ ۲۷)

وسائل معاش تجارت

معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حدیث اسیدان کی اعلیٰ کا انہوں نے یہی عذر کیا کہ میں خرید و فروخت میں مشغول ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کم حاضر ہوتا تھا۔ لیکن اور فتوحات بھی کبھی کبھی حاصل ہو جاتی تھیں۔ قاضی ابویوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جاگیریں عطا کیں خیر جب فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو جو معرکہ میں شریک تھے تقسیم کر دیا۔

جاگیر

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں جو زمین آئی اس کا نام شمع تھا اور وہ نہایت سیر حاصل زمین تھی۔ مؤرخ بلاذری نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر کے تمام حصہ داروں کے نام ایک کتاب پر قلم بند کرائے تھے۔ یہودی حارثہ سے بھی ان کو ایک زمین ہاتھ آئی۔ اور اس کا نام بھی شمع تھا۔ لیکن انہوں نے یہ زمین خدایا کی لہ پر وقف کر دی (خلاصۃ الوقایہ لفظ شمع)۔ خیر کی زمین کے وقف کا واقعہ صحیح بخاری باب الشروط فی الوقف میں مذکور ہے وقف میں جو شرطیں کیں یہ زمین نہ بیچی جائے گی نہ ہب کی جائے گی۔ نہ وراثت میں منتقل ہوگی جو کچھ اس سے حاصل ہو گا وہ فقراء و القربیٰ نظام مسافر اور مہمان کا حق ہے۔

خلافت کے چند برس بعد انہوں نے صحابہ کی خدمت میں مصارف ضروری کے لئے درخواست کی۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کے موافق اس قدر تنخواہ مقرر ہو گئی جو معمولی خوراک اور لباس کے لئے کافی ہو۔ ظہر ہجری میں جب تمام لوگوں کے روزینے مقرر ہوئے تو اور اکابر صحابہ کے ساتھ ان کے بھی پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر ہو گئے۔

زراعت

معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر اول اول زراعت بھی کی تھی۔ لیکن اس طرح کہ کھیت بٹائی پر دے دیتے تھے۔ تخم خود میا کرتے تھے۔ اور کبھی شریک کے ذمے ہوتا تھا چنانچہ صحیح بخاری باب المزراعت میں یہ واقعہ بتصریح موجود ہے۔

غذا

غذا نہایت سادہ تھی، معمولاً روٹی اور روغن زیتون و سترخوان پر ہوتا تھا۔ روٹی اکثر گیسوں کی ہوتی تھی۔ لیکن آنا اکثر چھانا نہیں جاتا تھا۔ عام القحط میں جو کالزام کر لیا تھا کبھی کبھی متعدد چیزیں سترخوان پر ہوتی تھیں۔ گوشت، روغن زیتون، دودھ، ترکاری، مرکہ، مہمان یا سفراء آتے تھے تو کھانے کی ان کو تکلیف ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ ایسی سادہ اور معمولی غذا کے عادی نہیں ہوتے تھے۔

لباس

لباس بھی معمولی ہوتا تھا، اکثر صرف قیض پہنتے تھے برنس ایک قسم کی ٹوپی تھی۔ جو عیسائی درویش اوڑھا کرتے تھے مدینہ منورہ میں بھی اس کا رواج ہو چلا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی استعمال کرتے تھے جو قیض عربی وضع کی ہوتی جس میں قسم لگا ہوا تھا۔

سادگی اور بے تکلفی

نہایت بے تکلفی اور سادگی سے رہتے تھے۔ کپڑوں میں اکثر پیوند ہوتا تھا ایک دفعہ دیر تک گھر میں رہے۔ باہر آئے تو لوگ انتظار کر رہے تھے معلوم ہوا کہ پہننے کو کپڑے نہ تھے۔

اس لئے انہیں کپڑوں کو دھو کر سوکھنے ڈال دیا تھا۔ خشک ہو گئے تو وہی پہن کر باہر نکلتے۔ لیکن ان تمام باتوں سے یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ ربانیت کو پسند کرتے تھے اس باب میں ان کی رائے کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک وفد ایک شخص جس کو انہوں نے یمن کا عامل مقرر کیا تھا۔ اس صورت سے ان سے ملنے کو آیا کہ لباس فاخرہ زیب بدن تھا۔ اور بالوں میں خوب تیل پڑا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت ناراض ہوئے اور وہ کپڑے اتروا کر مونٹا کپڑا پہنایا۔ دوسری وفد آیا تو پریشان ہوا۔ اور پچھے پرانے کپڑے پہن کر آیا۔ فرمایا کہ یہ بھی مقصود نہیں۔ آوی کو نہ پرانہ ہو کر رہنا چاہئے نہ کہ پٹیاں بھائی چاہئیں۔ حاصل یہ کہ نہ بیوہ تکلفات اور آرائش کو پسند کرتے تھے نہ رہبانہ زندگی کو اچھا سمجھتے تھے۔

حلیہ

حلیہ یہ تھا کہ رجب گندم گوں، قد نہایت لمبا، یمن تک کہ سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں کھڑے ہوتے تھے تو ان کا قد سب سے لمبا تھا۔ رخسارے کم گوشت، گھٹنی ڈاڑھی، مونچھیں بڑی بڑی، سر کے بال سامنے سے اڑ گئے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر صیغہ میں جو جو نئی باتیں ایجاد کیں ان کو مؤثر نہیں نے یکجا لکھا ہے اور ان کو اولیات سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم ان کے حالات کو انہی اولیات کی تفصیل پر ختم کرتے ہیں کہ اول یا آخر فسبغے واد۔

- ① بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا۔
- ② عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کئے۔
- ③ تاریخ اور سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔
- ④ امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔
- ⑤ فوجی دفتر ترتیب دیا۔
- ⑥ والنشویوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔
- ⑦ دفتر مال قائم کیا۔
- ⑧ چٹائش جاری کی۔

۱۔ اس میں سے اکثر اولیات کتاب الاصل الاہل لہلال العسکری اور تاریخ طبری میں یکجا ذکر ہیں۔ باقی بہت بہت موقعوں سے یکجا کی گئی ہیں۔

- ۹) موسم شکاری کرائی۔
- ۱۰) سرس کھدائیں۔
- ۱۱) شہر آباد کرائے یعنی کوفہ بمصرہ، بصرہ، فسطاط، موصل۔
- ۱۲) ممالک مقبوضہ کو صوبوں میں تقسیم کیا۔
- ۱۳) عشور یعنی وہ بھی مقرر کی اس کی تفصیل میضہ محاصل میں گذر چکی ہے۔
- ۱۴) دیرا کہ پیداوار مثلاً غنیمت وغیرہ پر محصول لگایا اور محصول مقرر کئے۔
- ۱۵) حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی۔
- ۱۶) جیل خانہ قائم کیا۔
- ۱۷) درہ کا استعمال کیا۔
- ۱۸) راتوں کو گشت کر کے رعایا کے دریافت حال کا طریقہ نکالا۔
- ۱۹) پولیس کا محکمہ قائم کیا۔
- ۲۰) جا بجا فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔
- ۲۱) گھوڑوں کی نسل میں اصیل اور بجنس کی تمیز قائم کی جو اس وقت تک عرب میں نہ تھی۔
- ۲۲) پرچہ نویس مقرر کئے۔
- ۲۳) مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے آرام کے لئے مکانات بنوائے۔
- ۲۴) راہ پر پڑے ہوئے بچوں کی پرورش اور پرداخت کے لئے روزینے مقرر کئے۔
- ۲۵) مختلف شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے۔
- ۲۶) یہ قاعدہ قرار دیا کہ اہل عرب (گو کافر ہوں) غلام نہیں بنائے جاسکتے۔
- ۲۷) مظلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کئے۔
- ۲۸) مکاتب قائم کئے۔
- ۲۹) معظموں اور مددگروں کے مشاہیرے مقرر کئے۔
- ۳۰) حضرت ابوبکرؓ کو اصرار کے ساتھ قرآن مجید کی ترتیب پر آمادہ کیا اور اپنے اہتمام سے اس کام کو پورا کیا۔
- ۳۱) قیاس کا اصول قائم کیا۔
- ۳۲) فرائض میں عمل کا مسئلہ ایجاد کیا۔
- ۳۳) فجر کی اذان میں الصلوة خیر من النوم کا اضافہ کیا۔ چنانچہ موطا امام مالک میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔

- ۳۴) نماز تراویح جماعت سے قائم کی۔
 - ۳۵) تین طلاقیں کو جو ایک ساتھ دی جائیں طلاق بائن قرار دیا۔
 - ۳۶) شراب کی حد کے لئے اسی کوڑے مقرر کئے۔
 - ۳۷) تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی۔
 - ۳۸) بنو ثعلب کے عیسائیوں پر بجائے جزیہ کے زکوٰۃ مقرر کی۔
 - ۳۹) وقف کا طریقہ ایجاد کیا۔
 - ۴۰) نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر تمام لوگوں کا اہتمام کرادیا۔
 - ۴۱) مساجد میں وعظ کا طریقہ قائم کیا ان کی اجازت سے تحیم داری نے وعظ کما اور یہ اسلام میں پہلا وعظ تھا۔
 - ۴۲) اماموں اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔
 - ۴۳) مساجد میں راتوں کو روشنی کا انتظام کیا۔
 - ۴۴) بھوکے پر تعزیر کی سزا قائم کی۔
 - ۴۵) غریبہ اشعار میں عورتوں کے نام لینے سے منع کیا۔ حالانکہ یہ طریقہ عرب میں مدتوں سے جاری تھا۔
- ان کے سوا اور بہت سی ان کی اولیات ہیں جن کو ہم طوالت کے خوف سے قلم اندز کرتے ہیں۔

ازواج و اولاد

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاہلیت و اسلام میں متعدد نکاح کئے پہلا نکاح عثمان بن مظعونؓ کی بہن زینب کے ساتھ ہوا۔ عثمان بن مظعونؓ مسابغین صحابہ میں تھے یعنی اسلام لانے والوں میں ان کا چودھواں نمبر تھا۔ ہجری میں وفات پائی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات کا اس قدر صدمہ ہوا کہ آپ ان کی لاش کو بوسے دیتے تھے اور بے اختیار روتے تھے عثمانؓ کے دوسرے بھائی قدامہ بھی اکابر صحابہ میں سے تھے زینب مسلمان ہو کر مکہ معظمہ میں مرس حضرت عبداللہ اور حضرت حفصہ ان ہی کے بطن سے ہیں۔ دوسری بیوی قریبہ بنت ابی امیہ المخزومی تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مبارک سلمہؓ کی بہن تھیں۔ چونکہ یہ اسلام نہیں لائیں تھیں۔ اور مشرک عورت سے نکاح جائز نہیں۔ اس لئے صلح حدیبیہ کے بعد اہر ہجری میں ان کو طلاق دے دی۔

تیسری بیوی سلیمہ بنت جندل الخزاعی تھیں ان کو ام کلثوم بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی اسلام نہیں لائیں اور اس وجہ سے اہر ہجری میں ان کو بھی طلاق دے دی۔ عبداللہ ان ہی کے بطن سے ہیں۔

زینب اور قریبہ قریش کے خاندان سے اور سلیمہ خراہ کے قبیلہ سے تھیں مدینہ میں اگر انصار میں قربت پیدا کی۔ یعنی اہر ہجری میں عاصم بن ثابت بن ابی الازرق جو ایک معزز انصاری تھے اور غزوہ بدر میں شریک رہے تھے ان کی بیٹی جبیلہ سے نکاح کیا۔ جبیلہ کا نام پہلے عاصیہ تھا۔ جب وہ اسلام لائیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر جبیلہ نام رکھا۔ لیکن ان کو بھی کسی وجہ سے طلاق دے دی۔

حضرت ام کلثوم سے نکاح کرنا

اخیر عمر میں ان کو خیال ہوا کہ خاندان نبوت سے تعلق پیدا کریں۔ جو مزید شرف اور برکت کا سبب تھا۔ چنانچہ جناب امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت ام کلثوم کے لئے درخواست کی۔ جناب ممدوح نے پہلے ام کلثوم کی صغریٰ کے سبب سے انکار کیا۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زیادہ تمنا ظاہر کی اور کہا کہ اس سے مجھ کو حصول شرف مقصود ہے تو جناب امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظور فرمایا اور ۴۰ ہجری میں ۴۰ ہزار مہر نکاح

ہوا۔ حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ کی زوجہ کا واقعہ تمام مسند مؤرخوں نے بتفصیل لکھا ہے۔ علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں ابن حبان نے کتاب الثقات میں ابن قتیبہ نے معارف میں ابن اثیر نے کمال میں تہذیب کے ساتھ لکھا ہے کہ ام کلثوم بنت فاطمہ زہرا حضرت عمر کی زوجہ تھیں۔ ایک دوسری ام کلثوم بھی ان کی زوجہ تھیں لیکن ان دونوں میں مؤرخوں نے صاف تفریق کی ہے علامہ طبری و ابن حبان و ابن عساکر کی تصنیفات خود میری نظر سے گذری ہیں۔ اور ان سے بڑھ کر تاریخی واقعات کے لئے اور کیا سند ہو سکتی ہے۔ وہ خاص عیادتیں اس موقع پر نقل ہوں۔ ثقات ابن حبان ذکر خلافت محمد و اوقات عمر ہجری میں ہے۔ ثم تزوج عمر ام کلثوم بنت علی ابن ابی طالب و علی من فاطمہ و فاضل و عقیل و عقیل بن شعیب و القعدة۔ معارف ابن عساکر ذکر اولاد عمر میں ہے و فاطمہ و زید و ام کلثوم بنت علی ابن ابی طالب من فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسد اللہ پانی احوال الصحابہ لابن الاثیر میں جہاں حضرت ام کلثوم کا حال لکھا ہے تفصیل کے ساتھ ان کی زوجہ کا واقعہ نقل کیا ہے۔ اسی طرح طبری نے بھی باب تہذیب میں کہ ہم تطویل کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں سب سے بڑھ کر یہ کہ صحیح بخاری میں ایک ضمنی موقع پر حضرت ام کلثوم کا ذکر آیا ہے جس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ عورتوں کو چادر میں تقسیم کیں ایک بکری اس کی نسبت ان کو ترو تھا کہ کس کو دی جائے۔ ایک شخص نے ان سے مخاطب ہو کر کہا یا امیر المومنین اعطیہذا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النبی عندک ہیں یعنی ام کلثوم۔ (صحیح بخاری باب البعاد مطبوعہ میرٹھ صفحہ ۴۰۳) اس میں صاف تصریح ہے کہ ام کلثوم جو حضرت عمر کی زوجہ تھیں خاندان نبوت سے تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور بیویاں تھیں۔ یعنی ام حکیم بنت الحارث بن ہشام المخزومی، فکیمہ، یمنیہ، عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل، عاتکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چچی، یمن تھیں۔ ان کا نکاح پہلے حضرت ابوبکر کے فرزند عبداللہ سے ہوا تھا۔ اور چونکہ نہایت خوبصورت تھیں۔ عبداللہ ان کو بہت چاہتے تھے عبداللہ غزوہ طائف میں شہید ہو گئے عاتکہ نے نہایت دیر انگیز مرہیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

فألم لا تنفک عینی حزینۃ علیک ولا تنفک جلیلی اشیرا

”میں نے قسم کھائی ہے کہ میری آنکھ ہمیشہ تیرے اوپر غمگین رہے گی اور بدن خاک آلود رہے گا۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجری میں ان سے نکاح کیا۔ دعوت ولیمہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کثرت سے ہوئی جن میں سے حضرت حفصہ اس

لئے زیادہ ممتاز ہیں کہ وہ انواع مطہرات میں داخل ہیں۔ ان کا نکاح پہلے خنس بن حذافہ کے ساتھ ہوا تھا جو ماجرین صحابہ میں سے تھے۔ خنس جب غزوہ احد میں شہید ہوئے تو وہ سر بھری میں جناب رسول اللہ کے عقد میں آئیں۔ ان سے بت سی حدیثیں موی ہیں اور بت سے صحابہ نے ان سے یہ حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۴۵ ہجری میں ۳ برس کی عمر پر انتقال کیا۔

اولاد ذکور

اولاد ذکور کے یہ نام ہیں۔ عبد اللہ، عبید اللہ، عاصم، ابو ثمر عبد الرحمن، زید، مجیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان میں تین سابق الذکر زیادہ نامور ہیں۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

حضرت عبد اللہ فقہ و حدیث کے بڑے رکن مانے جاتے ہیں۔ بخاری و مسلم میں ان کے مسائل اور روایتیں کثرت سے مذکور ہیں وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ میں اسلام لائے اور اکثر غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اور ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں ان کا حال تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جس سے ان کے علم و فضل اور زہد و تقدس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ علم و فضل کے علاوہ حق گوئی میں نہایت پیاک تھے۔ ایک دفعہ حجاج بن یوسف کعبہ میں خطبہ پڑھ رہا تھا۔ عین اسی حالت میں انہوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ ”یہ خدا کا دشمن ہے کیونکہ اس نے خدا کے دوستوں کو قتل کیا ہے۔“ چنانچہ اس کے انتقام میں حجاج نے ایک آدمی کو متعین کا جس نے ان کو مسموم آلہ سے زخمی کیا۔ اور اسی زخم سے بیمار ہو کر وفات پائی۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا معاملہ حکم کے ہاتھ دے دیا تو لوگوں نے حضرت عبد اللہ سے آکر کہا کہ تمام مسلمان آپ کی خلافت پر راضی ہیں۔ آپ آمادہ ہو جائیے تو ہم لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ انہوں نے انکار کیا۔ اور کہا کہ میں مسلمانوں کے خون سے خلافت کو خریدنا نہیں چاہتا۔

سالم بن عبد اللہ

حضرت عبد اللہ کے بیٹے سالم فقہائے سب یعنی مدینہ منورہ کے ان سات فقہاء میں

سے محسوب ہیں۔ جن پر حدیث و فقہ کا مدار تھا۔ اور جن کے فتوے کے بغیر کوئی قاضی فیصلہ کرنے کا مجاز نہ تھا۔ سالم کے علاوہ باقی چھ فقہاء کے نام یہ ہیں۔ خارجہ بن زید، عوف بن الزہیر، سلیمان بن یسار، عبید اللہ بن عبد اللہ، سعید بن المسیب، قاسم بن محمد۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تمام محدثین کے نزدیک حدیث کے دو سلسلے سب سے زیادہ مستند ہیں اور محدثین اس سلسلے کو زنجیر ذکر کہتے ہیں۔ یعنی اول وہ حدیث جس کی روایت کے سلسلے میں امام مالک، نافع، عبد اللہ بن عمر، ہوں دو سری وہ حدیث جس کے سلسلے میں زہری، سالم اور عبد اللہ بن عمر واقع ہوں۔ امام مالک اور زہری کے سوا باقی تمام لوگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے گھرانے کے ہیں۔ عبد اللہ اور ان کے بیٹے سالم اور نافع غلام تھے۔

عبید اللہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے بیٹے عبید اللہ شجاعت اور پہلوانی میں مشہور تھے۔

عاصم

تیسرے بیٹے عاصم نہایت پاکیزہ نفس اور عالم و قاضل تھے عمر بھری میں جب انہوں نے انتقال کیا تو حضرت عبد اللہ بن عمر نے ان کا مرقہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

فلست المنايا كن خللن عاصماً لعشنا جميعاً اذهبن بنا معاً

”کاش موت عاصم کو چھوڑ جاتی تاکہ ہم سب ساتھ رہتے یا رہ جاتی تو سب کو لے جاتی۔“

عاصم نہایت بلند قامت اور جسم تھے اور خوب شعر کہتے تھے چنانچہ اہل ادب کا قول ہے کہ شاعر کو کچھ نہ کچھ وہ الفاظ بھی لانے پڑتے ہیں جو مقصود نہیں ہوتے۔ لیکن عاصم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز ان ہی کے نواسے تھے ابن قتیہ نے کتاب المعارف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتوں، پڑپوتوں اور نواسوں کا حال بھی لکھا ہے لیکن ہم اختصار کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں۔

خاتمہ

ليس من الله بمستكبر
ان يجمع العالم في واحد

”خدا کی قدرت سے یہ کیا بعید ہے کہ تمام عالم ایک فرد میں سما جائے۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوانح اور حالات تفصیل کے ساتھ اور اس صحت کے ساتھ لکھے جا چکے جو تاریخی تصنیف کی صحت کی اخیر حد ہے۔ دنیا میں اور جس قدر بڑے بڑے نامور گزرے ہیں ان کی مفصل سوانح عمریاں پہلے سے موجود ہیں۔ یہ دونوں چیزیں اب ہمارے سامنے ہیں اور تم کو اس بات کے فیصلہ کرنے کا موقع ہے کہ تمام دنیا میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی ہمپا یہ گذرا ہے یا نہیں؟

قانون فطرت کے نکتہ شناس جانتے ہیں کہ فضائل انسانی کی مختلف انواع ہیں۔ اور ہر فضیلت کا جدا راستہ ہے۔ ممکن ہے بلکہ کثیر الوقوع کچے ایک شخص فضیلت کے لحاظ سے تمام دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ لیکن اور فضائل سے اس کو بہت کم حصہ ملا تھا۔ سکندر سب سے بڑا فاتح تھا۔ لیکن حکیم نہ تھا۔ ارسطو حکیم تھا لیکن کشورستان نہ تھا۔ بڑے بڑے کمالات ایک طرف چھوٹی چھوٹی فضیلتیں بھی ایک شخص میں مشکل سے جمع ہوتی ہیں۔ بہت سے نامور گزرے ہیں جو بملور تھے۔ پاکیزہ اخلاق نہ تھے۔ بہت سے پاکیزہ اخلاق تھے۔ لیکن صاحب تدبیر نہ تھے۔ بہت سے دونوں کے جامع تھے لیکن علم و فضل سے بے بہرہ تھے۔

اب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات اور مختلف حیثیتوں پر نظر ڈالو تو صاف نظر آئے گا وہ سکندر بھی تھے اور ارسطو بھی..... سچ بھی تھے سلیمان بھی تھے اور نوسرواں بھی امام ابو حنیفہ بھی تھے اور ابراہیم اہم بھی۔

سب سے پہلے حکمرانی اور کشور ستانی کی حیثیت کو لو۔ دنیا میں جس قدر حکمران گذرے ہیں ہر ایک کی حکومت کی تہہ میں کوئی مشہور مدبر یا سپہ سالار مخفی تھا۔ یہاں تک کہ اگر اتفاق سے وہ مدبر یا سپہ سالار نہ رہا تو وہ فتنہ فوجات بھی رک گئیں یا نظام حکومت کا ڈھانچہ بگڑ گیا۔

سکندر ہر موقع پر ارسطو کی ہدایتوں کا سہارا لے کر چلتا تھا۔ اکبر کے پردے میں ابو الفضل اور نوڈرمل کام کرتے تھے۔ عباسیہ کی عظمت و شان برامکہ کے دم سے تھی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صرف اپنے دست و بازو کا بل تھا۔ خالد کی عجیب غریب مہر کہ

آرائیوں کو دیکھ کر لوگوں کو خیال پیدا ہو گیا کہ فتح و ظفر کی کلید انہی کے ہاتھ میں ہے لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو معقول کر دیا تو کسی کو احساس تک نہ ہوا کہ کل میں سے کون سا پرزہ نکل گیا ہے۔ سعد بن وقاص فاتح ایران کی نسبت بھی لوگوں کو ایسا وہم ہو چلا تھا۔ وہ بھی الگ کر دیئے گئے۔ اور کسی کے کان پر جوں بھی نہ چلی یہ سچ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود سارا کام نہیں کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے لیکن جن لوگوں سے کام لیتے تھے ان میں سے کسی کے پابند نہ تھے وہ حکومت کی کل کو اس طرح چلاتے تھے کہ جس پرزے کو جہاں سے چاہا نکال لیا۔ اور جہاں چاہا لگا دیا۔ مصلحت ہوئی تو کسی پرزے کو سرے سے نکال دیا۔ اور ضرورت ہوئی تو نئے پرزے تیار کر لئے۔

دنیا میں کوئی حکمران ایسا نہیں گذرا جس کو ملکی ضرورتوں کی وجہ سے عدل و انصاف کی حد سے تجاوز نہ کرنا پڑا ہو۔ نوسرواں کو زمانہ عدل و انصاف کا پیغمبر تسلیم کرتا ہے لیکن اس کا دامن بھی اس داغ سے پاک نہیں۔ بخلاف اس کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تمام واقعات کو چھان ڈالو اس قسم کی ایک نظیر بھی نہیں مل سکتی۔

دنیا کے اور مشہور سلاطین جن ممالک میں پیدا ہوئے وہاں مدت سے حکومت کے قواعد اور آئین قائم تھے اور اس لئے ان سلاطین کو کوئی نئی بنیاد نہیں قائم کرنی پڑتی تھی۔ قدیم انتظامات یا خود کافی ہوتے تھے یا کچھ اضافہ کرنا پڑتا تھا۔ بخلاف اس کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس خاک سے پیدا ہوئے وہ ان چیزوں کے نام سے نا آشنا تھی۔ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۳۰ برس تک حکومت و سلطنت کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا اور آغاز شباب تو اونٹوں کے چرانے میں گذرا تھا۔ ان حالات کے ساتھ ایک وسیع مملکت قائم کرنی اور ہر قسم کے ملکی انتظامات مثلاً تقسیم صوبجات و اضلاع انتظام حاصل صیغہ عدالت فوجداری اور پولیس، پبلک ورکس، تعلیمات، صیغہ فوج کو اس قدر ترقی دینی اور ان کے اصول اور ضابطے مقرر کرنے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور کس کا کام ہو سکتا۔

تمام دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا حکمران دکھائے ہو؟ جس کی معاشرت یہ ہو کہ تین تین میں دس دس پیوند لگے ہوں۔ کاندھے پر مشک رکھ کر غریب عورتوں کے ہاں پانی بھر کر آتا ہو۔ فرش خاک پر پڑا رہتا ہو۔ بازاروں میں پڑا پھرتا ہو۔ جہاں جاتا ہو جبریدہ و تہمتا چلتا جاتا ہو۔ اونٹوں کے بدن پر اپنے ہاتھ سے تیل ملتا ہو۔ درودریار، نقیب و چاوش، حشم و خدم کے نام سے آشنا نہ ہو۔ اور پھر یہ رعب و ادب ہو کہ عرب و عجم اس کے نام سے لرزتے ہوں اور جس طرف رخ

کرنا جو زمین دھل جاتی ہو۔ سکندر و تیمور تیس تیس ہزار فوج رکاب میں لے کر نکلتے تھے جب ان کا رعب قائم ہوتا تھا۔ عرفا فوق کے سفر شام میں سواری کے اونٹ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ لیکن چاروں طرف غل پڑا ہوا تھا کہ مرکز عالم جنبش میں آگیا ہے۔

اب علمی حیثیت پر نظر آوے۔ صحابہ میں سے جن لوگوں نے خاص اس کام کو لیا تھا اور رات دن اسی شغل میں بسر کرتے تھے مثلاً عبداللہ بن عباس، زید بن ثابت، ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے مسائل اور اجتہادات کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسائل اور اجتہادات سے موازنہ کرو۔ صاف مجتہد و مقلد کا فرق نظر آئے گا۔ نانہ ماجد میں اسلامی علوم نے بے انتہا ترقی کی اور بڑے بڑے مجتہدین اور آئمہ فن پیدا ہوئے۔ مثلاً امام ابو حنیفہ، شافعی، بخاری، غزالی رازی۔ لیکن انصاف سے دیکھو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس باب میں کچھ ارشاد فرمایا اس پر کچھ اضافہ نہ ہو سکا۔ مسئلہ قضا و قدر، تعظیم شعائر اللہ، حیثیت نبوت، احکام شریعت کا عقلی و نقلی ہونا احادیث کا درجہ اعتبار منہج، آحاد کی قابلیت، احتیاج احکام نفس و غیبت، یہ مسائل شروع اسلام سے آج تک معرکہ آراء رہے ہیں۔ اور آئمہ فن نے ان کے متعلق ذہانت اور طباعی کا کوئی تعین نہیں اٹھا رکھا ہے۔ لیکن انصاف کی نگاہ سے دیکھو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان مسائل کو جس طرح حل کیا تھا۔ تحقیق کا ایک قدم بھی اس سے آگے بڑھ سکا؟ تمام آئمہ فن نے ان کی پیروی کی یا انحراف کیا تو اطلانیہ غلطی کی۔

اخلاق کے لحاظ سے دیکھو تو انبیاء کے بعد اور کون شخص ان کا ہم پایہ مل سکتا ہے؟ زہد و قناعت، تواضع و انکساری، خاکساری و سادگی، راستی و حق پرستی، صبر و رضا، شکر و توکل یہ اوصاف ان میں جس کمال کے ساتھ پائے تھے کیا القمان، ابراہیم بن اویس، ابو بکر شبلی، معیوف کرخی میں اس سے بڑھ کر پائے جاسکتے ہیں؟

شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس خصوصیت (یعنی جامعیت کمالات) کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے اور ہم اسی پر اپنی کتاب کو ختم کرتے ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

سیدنا فوق اعظم را، منزل خانہ تصور کن کہ وہاں مختلف دار و درہورے صاحب کمالے نشہ و ریک در مثلاً سکندر و ذوالقرنین ہاں ہمہ سلیقہ ملک گیری و جہاں ستانی و جمع جیوش و ہر ہم زون اعداء و در دیگر نو شیروانے ہاں ہمہ رفیق و ملین و رعیت پروری و دوا و گسری (اگرچہ ذکر

نو شیروانے در بحث فضائل حضرت فاروقؓ سوء ادب است) و در دیگر امام ابو حنیفہؒ یا امام مالکؒ ہاں ہمہ قیام بہ علم فتویٰ و احکام و در دیگر مرشد سے مثل سیدی عبدالقادر جیلانیؒ یا خواجہ بہاؤ الدین و در دیگر محدثے مولانا ابو ہریرہ و ابن عمر و در دیگرے حکیمے مانند مولانا جلال الدین رومیؒ یا شیخ فرید الدین عطار و مولانا گرد آفرین خانہ استاذ اند۔ و ہر محتاجے حاجت خود را از صاحب فن در خواست می نماید و کامیابی می گریزد۔

۱۷ جولائی ۱۸۹۸ء

شبلی نعمانی
مقام کشمیر

کتاب ادعیہ، عملیات و تقویٰ ذات، طب و معالجات

آئینہ عملیات	بہترین عملیات و تقویٰ ذات	مولانا عزیز الرحمن
اصلی جواہر خمسہ	عملیات کی مشہور کتاب	شاہ فرخ گویہی جلد
اصلی بیاض مجددی	بہترین عملیات و تقویٰ ذات	شیخ محمد حسنین
اعمال قترانی	قرآنی وظائف و عملیات	مولانا اشرف علی تھانوی
مکتوبات و بیاض یعقوبی	علامہ ربیعہ کے بہترین عملیات و تقویٰ ذات	مولانا محمد یعقوب
بیماریوں کا گھریلو علاج	ہر وقت پیش آنے والے گھریلو نسخے	
عذات کے پراسرار حالات	ان سے محفوظ رہنے کی تدابیر	شہیر حسین چشتی
حصن حصین	عملی و عائشہ مع ترجمہ اور شرح اردو	امام ابن جزالی
خواص حبنا اللہ و لہم الوکیل	اردو	شیخ ابوالحسن شانوی
ذکر اللہ اور فضائل درود شریف	مولانا مفتی محمد شفیع	
ذاد السعد	فضائل درود شریف	مولانا اشرف علی تھانوی
شمس المعارف الکبریٰ	تقویٰ ذات و عملیات کی مستند کتاب	مولانا ربیعہ
طب جسمانی و روحانی	ایک مستند کتاب	امام خزانہ
طب روحانی مع خواص القرآن	تشریحی عملیات	مولانا محمد امجد علی
طب نبوی کلاں اردو		امام ابن تیمیہ الجزائر جلد
طب نبوی حورہ	آنحضرت کے فرمودہ وظائف و نسخے	عائقہ اکرام العزیز
علاج الغرباء	طب یونانی کی مقبول کتاب جس میں مستند نسخے درج ہیں	
کمالات عزیز	حضرت شاہ محمد امجد علی رحمۃ اللہ علیہ کے بہترین عملیات	
میرے والد ماجد اور ان کے محبوب عملیات		مولانا مفتی محمد شفیع
مناجات مقبول شہر	دعاؤں کا مستند و مقبول مجموعہ	مولانا اشرف علی تھانوی
مناجات مقبول	عزیز علی بہت چمکانی سی دعاؤں	مولانا اشرف علی تھانوی
مناجات مقبول	انکم میں مکمل اور درجہ	مولانا اشرف علی تھانوی
نقش سلیمان	عملیات و تقویٰ ذات کی مشہور کتاب	نور محمد علی
مشکل و کشا	تمام دینی و دنیوی مقاصد کے لئے بہترین نسخے	مولانا محمد امجد علی
مصیبت کے بعد راحت یہ رہا دفع الافلاس		مولانا مفتی محمد شفیع
نافع الخلائق	عملیات و تقویٰ ذات کی مشہور کتاب	عالمی مرکز دارالافتاء
مجموعہ وظائف کلاں	مستند ترین نسخہ	

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی کجی اور مستند و مقبول عام نسخہ

سیرۃ النبی

تالیف

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ○ علامہ رشید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ مکمل مستند و مقبول عام سوانح طری
جو سیرت طیبہ کی انشا تکمیل پر آئندہ کی گئی ہے اور جو مسلسل غزوات تحمیں عامل کر رہی
ہے، لیکن انہوں نے اس عظیم و شاندار کتاب شایان شان طریقے پر شائع نہ ہو سکی تھی۔

آب خدا کا شکر ہے کہ ہم نے اسے اس کے اصل اور سیاری ملی سائر ۲۰۲۲
پر جدید و بہترین کتابت اور کس طباعت کرائی ہے اور تصحیح کا خاص اہتمام کیا ہے۔

ایک ایک اس کی جلد چھ جلدیں کی طباعت ہوئی ہے جس میں ہم نے اسکی اساتذہ جلیلہ شائع
کی ہے اور ساتویں جلد نہایت عمدہ سفید جاپانی کاغذ پر طبع ہوئے ہیں اور جلدیں
نہایت مضبوط اور حسین بنوائی گئی ہیں اور دیکھنے سے تعجب نہ ہوگی۔ کل صفحات ۷۳۵۲
سات جلدوں پر چار جلدوں کا کل سیٹ۔ قیمت ————— کامل سیٹ

دارالاشاعت

اردو بازار، ایم سٹریٹ جناح روڈ، کراچی ۱

معارف الحدیث

یعنی

احادیث نبوی کا ایک جلدیاد اور جامع انتخاب
اُردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

مولانا محمد منظور نعمانی

جو اس زمانے کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کی دینی علمی ذہنی اور فکری
سلج اور عصر حاضر کے خاص علمی تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر کیا گیا
ہے جس نے اُردو خوانوں اور علوم جدیدہ کے حامل حضرات پر علم حدیث
کے حصول کے لیے محنت تمام کر دی ہے۔ ہر حدیث کے عربی متن
کے ساتھ آسان اُردو زبان میں ایسی دل نشین تشریح کی گئی ہے
جو اپنی نظیر آپ ہے۔ مکمل کتاب سات جلدوں پر مشتمل ہے۔

قیمت کارل سیٹ || قیمت کارل سیٹ
اعلیٰ کاغذ جلد

دارالاشاعت مدنی مئسنائٹان مراکراجن

کتاب تصوف و سلوک

ایہ علوم عربی نام و فراموشی تہذیب کی کتاب ہے تصوف و سلوک کے واسطے کی کتاب ہے اور کتاب۔ ترجمہ: مولانا محمد امجد علی صاحب دہلوی	احیاء العلوم مذاہب العارفین محدث نظام احیاء
ہر روز صرف تیرہ منٹیں روزانہ صبح کا اور شام کا پڑھنا لاہور میں مستند اور ترجمہ۔ کتابت اہل بیت علیہم السلام	کیمیائے سعادت اکسیر ہدایت محدث نظام احیاء
ایہ کتاب ہے جس میں تصوف، مکتبہ کام اور نظام احیاء کے اصول مستند کتابیں ہیں اور یہ کام ہے کہ آپ بھی۔	مجموعہ رسائل امام غزالی ۱۱ جلد
تصوف کی مشہور کتاب	مکاشفۃ القلوب
مذہب انیسویں یا اسیں برس تصوف و سلوک کے رسائل کے تصانیف مکملہ تصوف کی مشہور کتاب ہے۔	بیاض و یعقوب محدث نظام احیاء
محدث نظام احیاء اور تصوف کے رسائل کے تصانیف مکملہ تصوف کی مشہور کتاب ہے۔	تربیت السالک محدث نظام احیاء
اسلامی شریعت کے متعلق مسائل اور نظام احیاء کے متعلق کتاب کا ترجمہ اور تصوف۔	حجۃ اللہ الف محدث نظام احیاء
وہ تصوف اور تصوف کے رسائل کے تصانیف مکملہ تصوف کی مشہور کتاب ہے۔	معانی الامیر محدث نظام احیاء
محدث نظام احیاء اور تصوف کے رسائل کے تصانیف مکملہ تصوف کی مشہور کتاب ہے۔	معانی الفکر محدث نظام احیاء
محدث نظام احیاء اور تصوف کے رسائل کے تصانیف مکملہ تصوف کی مشہور کتاب ہے۔	مکاتیب امدادیہ محدث نظام احیاء
محدث نظام احیاء اور تصوف کے رسائل کے تصانیف مکملہ تصوف کی مشہور کتاب ہے۔	شریعت و طہارت کا لازم محدث نظام احیاء
محدث نظام احیاء اور تصوف کے رسائل کے تصانیف مکملہ تصوف کی مشہور کتاب ہے۔	نور الدور فی شرح القبور محدث نظام احیاء
محدث نظام احیاء اور تصوف کے رسائل کے تصانیف مکملہ تصوف کی مشہور کتاب ہے۔	تعلیم الدین محدث نظام احیاء
محدث نظام احیاء اور تصوف کے رسائل کے تصانیف مکملہ تصوف کی مشہور کتاب ہے۔	فیوض میسرہ محدث نظام احیاء
محدث نظام احیاء اور تصوف کے رسائل کے تصانیف مکملہ تصوف کی مشہور کتاب ہے۔	تحفۃ الطالبین محدث نظام احیاء
دارالاشاعت اردو بک ٹرسٹ کراچی	دارالاشاعت اردو بک ٹرسٹ کراچی